جنوری 2025
شعاع
www.Pklibrary.com
www.Pklibrary.com

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

واٹس ایپ
03172266944

پہلی شعاع 6

حمد، پروفیسر اسرار احمد 7

نعت، اختر شیرانی 7

نبی ﷺ کی باتیں، ادارہ 8

سروے

اترا نئے سال کا سورج، ادارہ 18

انٹرویو

جب تجھ سے ناتا، فرزانہ طارق 13

دستک، شاہین رشید 16

ناول

دھوپ دریچہ، مریم عزیز 32

بانی — محمود ریاض

مدیرِ منتظم — آذر ریاض

مدیرہ — رضیہ جمیل

مدیرِ خصوصی — امت الصبور

قلمی معاون — شاہین رشید

قانونی مشیر — نور الدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

جنوری 2025
جلد 38 شمارہ 05
قیمت 150 روپے

مکمل ناول

ماء الملوک، نگہت سیما 84

سلسلے دل کے، عائشہ نصیر احمد 124

پرنس چارمنگ، فلک تنویر 164

ناولٹ

کچھ بھی نہ کہا، سمیرا حمید 66

افسانے

تم جنوری جیسی ہو، نازنین فردوس 61

برکت، جویریہ حمید ملتانی 116

سوچ بدل لو، لبنیٰ آصف 81

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) —— 1,800 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 25000 روپے

سالانہ خریداری کی ای میل کریں

subscriptions@khawateendigest.com

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

دوسروں کی ٹوہ میں، — امبر — 120

ادھی قربت، — قرۃ العین خرم ہاشمی — 160

نظمیں غزلیں

نظم، — شب عین — 200

غزل، — واحد اعجاز میر — 200

مستقل سلسلے

خط آپ کے، — ادارہ — 26

باتوں سے خوشبو آئے، — شگفتہ جاہ — 201

کھلتا کسی پہ، — حبیبہ خان — 204

یاد کے جھروکے، — امت الصبور — 205

مسکراہٹیں، — ادارہ — 203

موسم کے پکوان، — واصفہ سہیل — 209

خوبصورت بنیے، — ادارہ — 210

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37 - اردو بازار کراچی

پہلی شعاع

شعاع جنوری 2025 کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

بہت سی تلخ اور شیریں یادیں ذہن پر ثبت کر کے وقت ایک اور قدم آگے بڑھا۔ روشن خواب اور خوش کن امیدوں کے ساتھ نئے سال کا سورج طلوع ہو رہا ہے۔

کتنے خواب تعبیر پائیں گے۔ کتنے ادھورے رہ جائیں گے۔ امیدیں پوری ہوں گی یا نہیں یہ تو رب ہی جانتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ زندگی میں کچھ بھی مستقل نہیں ہے۔ روز و شب کی گردشوں میں کیفیتیں بدلتی رہتی ہیں۔ زندگی دکھ اور سکھ کی چھاؤں میں ہی گزرتی ہے۔

صبر و استقامت اور دعا کا دامن تھامے رکھیں تو کٹھن وقت آسانی سے گزر جاتا ہے۔

نئے سال کا آغاز خوش امیدی کے ساتھ کریں۔ دعا ہے کہ یہ سال آپ کے لیے، ہمارے لیے، ہمارے ملک کے لیے امن اور خوش حالی کا سال ہو۔ جن تکلیفوں اور پریشانیوں سے سال گزشتہ میں گزرے، اس سال ان کا سامنا نہ ہو۔ آمین۔

آہ شازیہ جمال طارق

ہماری بہت پیاری مصنفہ شازیہ جمال طارق اس دار فانی کو الوداع کہہ گئیں۔

انا اللہ وانا الیہ راجعون

شازیہ جمال کی اس جواں عمری میں اچانک وفات سے ان کے گھر والوں اور دیگر متعلقین پر کیا گزری ہوگی۔ ایک بہت اچھی مصنفہ، بہت پیاری، نرم خو لڑکی کی دنیا سے رخصتی ہمارے لیے بھی بہت بڑا سانحہ ہے۔ دل ماننے کو تیار نہیں ہے کہ شازیہ دنیا کو چھوڑ کر ایک انجانے سفر پر نکل گئی ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ابدی زندگی میں سکون و راحت عطا فرمائے۔ ان کے بچوں کو اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

راحت جبیں کو صدمہ

ہماری بہت عزیز اور قارئین کی پسندیدہ مصنفہ راحت جبیں کے شریک حیات اسلم سندھو صاحب اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

انا اللہ وانا الیہ راجعون

شریک سفر کی دائمی جدائی راحت جبیں کے لیے کتنا بڑا صدمہ ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ دکھ کی اس گھڑی میں ہم بہن راحت جبیں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں ان کو، ان کے بچوں کو اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ اور محترم اسلم سندھو صاحب کو ابدی زندگی میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ آمین

حمد باری تعالیٰ

ذرّے ذرّے میں نہاں سحر ہے زیبائی کا
کوئی دیکھے تو تیرا ذوقِ خود آرائی کا

جلوہ دکھا نہ گیا حسن کی یکتائی کا
حوصلہ دیکھ لیا ہم نے تماشائی کا

ذرّہ ذرّہ مجھے بے تاب نظر آتا ہے
کیا کرشمہ ہے تیرے حسن کی رعنائی کا

دلِ مایوسِ تمنا کو سہارا مل جائے
کچھ اشارہ ہو میرے غم کی پذیرائی کا

خیرہ چشمی نے ہمیں کر دیا رسوا اسرار
حق ادا ہو نہ سکا ہم سے جبیں سائی کا

پروفیسر اسرار احمد سہاوری

نعت رسولِ مقبول

لٹائے سجدے نہ کیوں آسماں مدینے میں
رسولِ پاکؐ کا ہے آستاں مدینے میں

قدم بڑھائے چلو رہروانِ منزلِ شوق
ہے ابرِ رحمتِ حق گلفشاں مدینے میں

درِ رسولؐ کے ذرّوں کی گر تلاش نہیں
تو کس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے کہکشاں مدینے میں

قدم اٹھائے ادب سے ذرا نسیمِ سحر
ہیں محوِ خواب شہِ دو جہاں مدینے میں

مدینے جاتے ہیں پیری میں لوگ سب اخترؔ
مزا ہے کاٹ دو عمرِ جواں مدینے میں

اختر شیرانی

pklibrary.com

ادارہ

اچھی اچھی باتیں

تعمیر

حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گول خیمے کے پاس سے گزرے جو ایک انصاری صحابی کے دروازے پر بنا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

''یہ کیا ہے؟''

لوگوں نے کہا۔ ''گول خیمہ ہے جو فلاں نے بنایا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جو مال بھی اس طرح (بلا ضرورت خرچ) ہو وہ قیامت کے دن اپنے مالک کے لیے وبال کا باعث ہوگا۔''

انصاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا علم ہوا تو اس نے وہ خیمہ ہٹا دیا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو وہ خیمہ نظر نہ آیا۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ انصاری کو آپ کے فرمان کا علم ہوا تو اس نے اسے ہٹا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ اس پر رحمت فرمائے۔ اللہ اس پر رحمت فرمائے۔''

فائدہ: قبہ (خیمہ) اس چھوٹے سے گھر کو کہتے ہیں جو گول شکل میں ہوتا ہے۔ ''گھر کے آگے اس قسم کا خیمہ لگانا غالباً امارت و ثروت کا اظہار ہوتا تھا اور صرف فخر کے لیے اس قسم کی زینت جائز نہیں۔

معمولی گھر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا تھا (اور آپ حیات تھے) تو میں نے یہ کیفیت بھی دیکھی کہ میں نے ایک کمرہ بنایا جو مجھے بارش سے محفوظ رکھ سکے اور دھوپ سے بچا سکے۔ اس کی تعمیر میں میری کسی شخص نے مدد نہ کی۔''

فوائد و مسائل:

1۔ گھر کا اصل مقصد بارش اور دھوپ سے بچاؤ اپنی نجی زندگی کا تحفظ اور پردے کا اہتمام ہے۔ یہ فائدہ معمولی گھر سے بھی اسی طرح حاصل ہوتا ہے جس طرح مزین اور خوب صورت کوٹھیوں سے حاصل ہوتا ہے اس لیے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا بے فائدہ ہے۔

2۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذاتی ضروریات کے لیے سادہ سے سادہ اہتمام کرتے تھے اور باقی مال اللہ کی راہ میں اور دوسرے مسلمانوں کی مدد کے لیے خرچ کر دیتے تھے۔ یہی سادگی مسلمان کی اصل شان ہے۔

3۔ کسی کے مدد نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتنا معمولی گھر تھا کہ خود ہی بنا لیا، کسی سے مدد لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔

حضرت حارثہ معضرب رحمتہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا ''ہم لوگ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لیے ان کے ہاں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔

''میری بیماری لمبی ہو گئی ہے۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان۔

''موت کی تمنا نہ کرو۔'' نہ سنا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی

فرمایا۔ ”بندے کو اپنے تمام (جائز) اخراجات کرنے کا ثواب ملتا ہے مگر جو مٹی میں خرچ کیا جائے۔“ یا فرمایا عمارت بنانے میں خرچ کیا جائے (اس کا ثواب نہیں ملتا)۔“ (ترمذی)

فوائد و مسائل:

1۔ بیمار کی عیادت کرنا مسلمان کا مسلمان پر حق ہے۔

2۔ موت کی دعا کرنا منع ہے بلکہ اللہ سے مصیبت دور کرنے کی دعا کرنا چاہیے۔

3۔ بندہ اپنی جان اور صحت کے لیے جو خوراک استعمال کرتا ہے یا بیوی بچوں وغیرہ کو خوراک مہیا کرتا اور ان کی دوسری لازمی ضروریات پوری کرتا ہے، یہ اس کا صرف اخلاقی فرض ہی نہیں بلکہ دینی فریضہ بھی ہے جس پر وہ ثواب کا مستحق ہے۔

4۔ رہائش کے لیے گھر پر صرف اس حد تک خرچ کرنا چاہیے جس سے ضرورت پوری ہو جائے۔ زیب و زینت پر رقم ضائع کرنا مناسب نہیں۔

توکل اور یقین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے۔

”اگر تم لوگ اللہ پر اس طرح بھروسا کرو جیسے اس پر بھروسا کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ وہ صبح (گھونسلوں سے) بھوکے روانہ ہوتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں۔“ (حاکم)

فوائد و مسائل:

1۔ پرندوں کا توکل یہ ہے کہ وہ رزق جمع کر کے نہیں رکھتے بلکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں آج رزق دیا ہے، اسی طرح کل بھی دے گا۔

2۔ انسان عام طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اس لیے گھبراتا ہے کہ وہ مستقبل کے بارے میں فقر و فاقہ سے ڈرتا ہے۔ اسے یقین رکھنا چاہیے کہ جس طرح اللہ نے اسے اب رزق دیا ہے، مستقبل میں بھی دے گا۔

3۔ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ جائز اسباب اختیار نہ کیے جائیں۔ پرندے بھی گھونسلے چھوڑ کر نکلتے ہیں اور تلاش کر کے رزق کھاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو حرص سے بچتے ہوئے جائز ذرائع سے رزق حاصل کرنا چاہیے۔

اچھا گمان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”ہر شخص کو اس حال میں موت آنی چاہیے کہ وہ اللہ کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہو۔“ (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ انسان کو اللہ کی رحمت کی امید اور اس کی ناراضی کا خوف، دونوں کی ضرورت ہے۔ امید اسے نیکیوں کی رغبت دلاتی ہے اور خوف اسے گناہ سے باز رکھتا ہے۔

2۔ زندگی میں امید پر خوف کا غلبہ رہنا چاہیے لیکن وفات کے وقت امید کا پہلو غالب ہونا چاہیے۔

3۔ اللہ سے حسن ظن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یہ امید رکھے کہ اس کی توفیق سے زندگی میں جو نیک کام ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے گا اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔

4۔ امید کا یہ مطلب نہیں کہ زندگی میں اللہ کی نافرمانی کی عادت ہو اور نیکیوں کی طرف رغبت نہ کرو۔ جب نصیحت کی جائے تو کہہ دے۔ ”اللہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ یہ امید کا غلط تصور ہے۔

طاقت ور مومن

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”کمزور مومن کی نسبت طاقت ور مومن بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ پیارا ہے اور سب میں خیر موجود ہے۔ جو

pklibrary.com

چیز تجھے نفع دے سکتی ہے اس کی (کوشش اور) حرص کر اور عاجز نہ بن۔ اگر تجھ پر (تیری مرضی کے خلاف) کوئی چیز غالب آجائے تو کہہ۔ "یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اس نے جو چاہا کیا۔" "اگر" سے بچ کیونکہ "اگر" سے شیطان کا کام شروع ہو جاتا ہے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ طاقت ور مومن اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو نیک کاموں کی انجام دہی، نیکیوں کے فروغ اور برائیوں کی راہ روکنے میں خرچ کرتا ہے جب کہ کمزور آدمی بہت سے ایسے کام نہیں کرسکتا جو طاقت ور مومن کمزور سے بہتر ہے۔

2۔ جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو ترقی دینے کے لیے جائز طریقے سے کوشش کرنا مستحق ہے۔

3۔ جسمانی اور ذہنی قوتوں کو ظلم و زیادتی کے لیے استعمال کرنے سے پرہیز ضروری ہے ورنہ ایسا طاقت ور اللہ کو کمزور سے پیارا نہیں ہوگا بلکہ اللہ اس سے ناراض ہوگا۔

4۔ مومن دنیوی فوائد کے لیے محنت کرے تو اچھا ہے کیونکہ وہ انہیں نیکی کے کاموں میں استعمال کرے گا۔

5۔ اچھے مقصد کے حصول کے لیے پوری کوشش کرنا ضروری ہے لیکن اللہ پر اعتماد ہونا چاہیے۔ کامیابی ہو تو اللہ کا شکر ادا کیا جائے ورنہ سمجھ لیا جائے کہ ناکامی میں انسان کی کسی کوتاہی کو دخل ہے، یا یہ مطلوب چیز انسان کے لیے مفید نہیں اور اس کا نہ ملنا انسان کے لیے بہتر اور اللہ کا احسان ہے۔

6۔ ناکام ہونے والے منصوبے کی خامی سامنے آنے پر افسوس کو خود پر مسلط نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے۔ کاش یہ کام اس طرح کے بجائے اس طرح کیا جاتا، البتہ خامی تلاش کر کے آئندہ اس سے بچنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

7۔ شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ ناکامی کو بہت بڑا کر کے پیش کرتا ہے۔ جس سے اللہ کی رحمت سے مایوسی یا اللہ کی ذات اقدس سے ناراضی اور شکوہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کی آخرت کو تباہ کرنے والی ہیں۔

8۔ بعض اوقات انسان اپنی ناکامی کا ذمہ دار کسی دوسرے انسان کو قرار دے دیتا ہے اور پھر حسد اور بغض کے جذبات کے تحت اسے نقصان پہنچانے یا بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بھی شیطانی عمل ہے۔

دو نعمتیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ خسارے کا شکار ہیں صحت اور فراغت۔" (بخاری)

فوائد و مسائل:

1۔ صحت میں انسان بہت سی ایسی نیکیاں کرسکتا ہے جو بیماری میں نہیں کرسکتا لیکن غفلت کی وجہ سے یہ موقع ضائع کر دیتا ہے، اس طرح اپنے وقت کی صحیح قیمت وصول نہ کر کے گھاٹا پالیتا ہے۔

2۔ ہم عام طور پر کہہ دیتے ہیں کہ فلاں نیکی نہیں کرسکتا کیونکہ میرے پاس وقت نہیں، حالانکہ بہت دفعہ ہم اپنا وقت کھیل کود، لہو و لعب، ہنسی مذاق، غیبت وغیرہ اور فضول گپ بازی میں گزار دیتے ہیں۔ یا ایسے لٹریچر (کہانیاں، افسانے، ناول اور گندی شاعری وغیرہ) کے مطالعے میں ضائع کر دیتے ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو گیم وغیرہ پر وقت کا ضائع ہونا بہت واضح ہے، پھر کسی بھی کھیل کا میچ ہو رہا ہو تو چھوٹے بڑے سب ہی ضروری کاموں کو نظر انداز کر کے کمنٹری سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ ان فضولیات میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ایسی تفریح کو اختیار کرنا چاہیے جس سے کوئی فائدہ حاصل

pklibrary.com

ہو۔ بہت سے غیر اسلامی تہواروں، مثلاً بسنت وغیرہ پر بے شمار وقت اور پیسہ ضائع ہوتا ہے اور طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب کر کے شیطان کو خوش کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں پر ان سے اجتناب کرنا فرض ہے۔

دین

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

”اللہ کے رسول! مجھے (دین کی باتیں) سکھایئے اور اختصار کیجیے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جب تو نماز پڑھنے کھڑا ہو تو ایسے نماز پڑھ جیسے تو دنیا سے رخصت ہونے والا ہو۔ اور کوئی ایسی بات نہ کہہ جس سے (بعد میں) معذرت کرنی پڑے۔ اور لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، اس سے پوری طرح مایوس ہو جا۔“ (مسند احمد)

فوائد و مسائل:

1۔ وعظ و نصیحت میں حسب موقع اختصار یا تفصیل سے کام لینا چاہیے۔

2۔ نماز کا پورا فائدہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نماز میں پوری توجہ اور انہماک ہو۔ دل اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور نماز میں جو کچھ پڑھا جائے، پوری طرح سوچ سمجھ کر اللہ کے حضور عجز و نیاز کی کیفیت کے ساتھ پڑھا جائے۔ ادب و احترام کے ساتھ کھڑے ہو کر غیر ضروری حرکتوں سے اجتناب کیا جائے۔

3۔ جب کسی انسان کو معلوم ہو کہ وہ تھوڑی دیر بعد دنیا سے رخصت ہونے والا ہے یہ تو وہ اللہ کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار کرتا ہے، اور خلوص سے دعا کرتا ہے۔ ہر نماز کو اسی طرح ادا کرنا چاہیے۔

4۔ بات کرتے وقت اس کے نتائج پر غور کر لینا چاہیے کیونکہ ایک دفعہ جو بات زبان سے نکل گئی، وہ واپس نہیں ہو سکتی۔ بعض اوقات ایک غلط بات کے نقصانات لامحدود بھی ہو سکتے ہیں۔

5۔ دنیا میں انسان ایک دوسرے کے کام آتا ہے لیکن انسانوں کے دل بھی اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اس لیے امید بندوں سے نہیں، اللہ سے ہونی چاہیے۔ اسی سے درخواست کرنی چاہیے کہ وہ حاجت پوری کر دے، جیسے بھی اس کی حکمت و رحمت کا تقاضا ہو۔

تکبر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جس کے دل میں رائی کے ایک دانے جتنا بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا اور جس دل میں رائی کے ایک دانے جتنا بھی ایمان ہوگا، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔“ (ابوداؤد)

فوائد و مسائل:

1۔ سب سے بڑا تکبر حق کا انکار ہے۔ دوسروں کی خوبیوں کا انکار اور ان کی تحقیر بھی تکبر ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ”تکبر کا مطلب حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔“

2۔ تکبر کی معمولی مقدار بھی اللہ کی ناراضی کا باعث ہے۔

3۔ جو شخص تکبر کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یا اللہ کے احکامات پر ایمان لانے سے انکار کرے گا، وہ جہنمی ہے۔ اگر کوئی شخص مال و دولت، حسن، طاقت، علم، نسب وغیرہ کی وجہ سے فخر کرتا ہے اور خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہے تو یہ بھی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

اللہ کی چادر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

pklibrary.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ عزوجل فرماتا ہے "بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا پہناوا ہے۔ جو شخص ان میں سے کوئی چیز بھی مجھ سے کھینچے گا، میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔"

فوائد و مسائل:

1۔ عظمت و کبریائی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں۔ اگر مخلوق میں کسی کو وقتی طور پر محدود عظمت و شان حاصل ہے تو وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے، لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ اس پر اللہ کا شکر کرے نہ کہ اپنی عظمت کا دعوا کرتے ہوئے تکبر کی روش اختیار کرے۔

2۔ تکبر کرنے والا گویا خدائی صفات کا حامل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

3۔ انسان کی عظمت اللہ کے سامنے جھکنے اور اس کا بندہ بننے میں ہے، فخر و تکبر میں نہیں۔

تواضع

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص اللہ پاک (کی خوشنودی) کے لیے ایک درجہ تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے سامنے ایک درجہ تکبر اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کا ایک درجہ کم کر دیتا ہے حتیٰ کہ (درجات کم ہوتے ہوتے یہ نوبت آجاتی ہے کہ) اسے سب سے نچلے طبقے میں ڈال دیتا ہے۔"

کمزور سے سلوک

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"مدینہ والوں کی ایک لونڈی بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پکڑ لیتی تھی تو آپ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے حتیٰ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کسی کام کے لیے مدینہ میں جس جگہ چاہتی لے جاتی۔"

فوائد و مسائل:

1۔ معاشرے کے کمزور افراد سے زیادہ شفقت کا سلوک کرنا چاہیے۔

2۔ بڑے آدمی، سردار یا امام کو کسی معمولی آدمی کا کام کرنے میں تکلف نہیں کرنا چاہیے۔

3۔ ضرورت کے وقت اجنبی عورت کے ساتھ کہیں جانا جائز ہے، بشرطیکہ لوگوں کے دلوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور نہ تنہائی ہو۔

فخر نہ کرو

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا۔

"اللہ عزوجل نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ تواضع اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ تواضع (انکسار، فروتنی) کا مطلب ہے فخر و غرور سے اجتناب، دوسروں کا احترام اور کم درجے کے لوگوں سے میل جول اور حسن سلوک کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھنا۔

2۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے تواضع کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

3۔ اللہ کی دی ہوئی کسی بھی نعمت پر فخر و تکبر جائز نہیں بلکہ شکر کے جذبے کے ساتھ اس نعمت سے مخلوق کے بھلے کا کام لینا چاہیے۔

4۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی نازل ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی روشنی میں مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال (احادیث) اسی وحی کی وجہ سے واجب التعمیل ہیں۔

☆☆

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

فرزانہ طارق

""میں رضوانہ وقاص جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" میں اپنی امی کا لکھ رہی ہوں۔ پلیز جگہ ضرور دیں۔

س: ""شادی کب ہوئی؟""

ج: "1988ء۔اگست۔10 تاریخ کو بارات۔بہت دھوم دھام سے آئی۔اس زمانے میں ڈیک نہیں ہوتے تھے۔دو دن میراثی گاتے رہے۔ بارات میراثیوں کے ساتھ سریاں پہنچی۔ بہت ہی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔اپنا پیارا آنگن چھوڑ کر سسرال آ گئی سب کو روتا چھوڑ کر۔"

س: ""شادی سے پہلے کے مشاغل اور دلچسپیاں؟""

ج: ""شادی سے پہلے سینا پرونا۔ سلائی کڑھائی۔ کروشیے کا کام۔ کُھرائے بنانا۔اور مشہور سندھی کڑھائی۔اور کھانا بنانا غرض ہر کام میں طاق۔ امی۔ابو کی خدمت کرنا،ان کی کوئی بات بھی نہ ٹالنا۔ اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال رکھنا۔ پانچویں جماعت تک ہی اسکول گئی۔ کراچی میں غلامان عباس اسکول اور اپنے ابو کی بے حد لاڈلی بیٹی۔""

س: ""رشتے میں مرضی شامل تھی؟""

ج: ""اف اللہ! توبہ توبہ۔جو والدین نے فیصلہ کر دیا۔پتھر کی لکیر ہوتا تھا۔ابو۔امی دونوں کے رشتہ دار۔ ابو کے پھوپھی کے بیٹے اور امی کی خالہ کے بیٹے۔ صرف مسئلہ یہ تھا کہ جب کراچی میں جاننے والوں کو پتا چلا کہ اس کا رشتہ گاؤں میں ہو گیا ہے۔تو سب نے کہا کہ گاؤں میں کیسے رہے گی۔لیکن بڑوں کی مرضی جو ایک صحیح فیصلہ تھا۔والدین اپنی اولاد کا اچھا چاہتے ہیں۔شکر الحمد اللہ خوش گوار زندگی گزری ہے۔سب ہی میرا گھر بسانے والے اللہ کو پیارے ہو گئے۔نانو، لطیف ماموں،افسر بابا،ماسٹر بابا سب نے کہا کہ ہم تمہارا ہر طرح سے خیال رکھیں گے،تمہیں رہنے میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔میری مرحومہ ساس نے اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے (آمین) میرا ہر طرح سے خیال رکھا۔گاؤں میں لکڑیاں جلاتے ہیں تو لکڑیاں توڑ کر چولہا جلانا بھی ساس ماں نے سکھایا۔اب فروری میں تین سال ہو جائیں گے انہیں ہم سب سے بچھڑے ہوئے۔بہت ہی اچھی، پانچ وقت کی نمازی نفلی روزے رکھنے والی۔

س: منگنی کتنا عرصہ رہی؟

ج: تقریباً چار سے پانچ سال اس وقت پردے کا رواج تھا۔فون کا زمانہ نہیں تھا۔خط لکھے جاتے تھے۔لیکن منگنی اتنا عرصہ رہی،کوئی رابطہ نہیں کیا۔سادہ زمانے،اچھے لوگ،مجھ سے بڑی دو جیٹھانیاں ایک دیورانی اختر پھوپھو بڑی ان کو اسی طرح بلاتی رہی۔ دوسرے نمبر پر رویلاں چچی انہیں بھی اسی نام سے بلاتی رہی۔بہت خیال رکھنے والی اور بہت پیار سے بیاہ کر لانے والی۔نند ایک ہی پروین جو ممانی بھی اور نند بھی۔بہت ہی سادہ طبیعت کی مالک اور سب سے چھوٹا دیور خالد کالج میں پڑھ رہا تھا۔بہت ہی سخت اور غصہ کرنے والا اور آگے چل کر دیور سے بہنوئی بن گیا۔"

س: ""شوہر میں کیا خوبیاں دیکھنا چاہتی تھیں ساتھی کے بارے میں کیسا تصور تھا؟""

ج: ""بہت ہی اچھے،خیال رکھنے والے،سادہ طبیعت،نرم مزاج جیسا سوچا تھا ویسا ہی پایا۔بال بہت ہی اچھے لگے۔ہیرو جیسے۔اب گر گر کر تھوڑے رہ گئے ہیں۔""

س: ""شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں کیا خیالات تھے؟""

ج: ''خیالات تو کچھ خاص نہیں تھے۔ بہت ہی اچھا سسرال ملا، پیار کرنے والا، خیال رکھنے والا گاؤں کے سادہ لوگ۔ پیار کرنے اور ساتھ رہنے والا سسرال ملا ہر طرح سے خیال رکھا۔''

س: ''شادی کے لیے قربانی؟''

ج: ''بس اپنوں سے دور رہنے کی قربانی دی۔ وہ کراچی نا تھا خان گوٹھ میں رہ گئے۔ میں شادی ہو کر گاؤں میں آ گئی۔ ایسی کوئی خاص قربانی نہیں دینی پڑی۔''

س: ''رسموں پر جھگڑا ہوا؟''

ج: ''نہیں نہیں بالکل بھی نہیں ہوا۔ ہر رسم اتنے اچھے طریقے سے ہوئی۔ دودھ پلائی۔ جوتا چھپائی جتنی رقم مانگی، تو دی گئی۔ کیونکہ امیر کبیر سسرال تھی۔ تیسرے دن جب سہیلیوں نے پیسے مانگے تو اس وقت پچاس روپے کا رواج تھا۔ انہوں نے جب 100 روپے دیے۔ تو سب رشتے داروں نے کہا۔

''آپ امیر لوگ ہیں۔ آپ دے سکتے ہیں۔ لیکن گاؤں میں بہت غریب لوگ رہتے ہیں۔ بولیں گے، رواج ادھر سے توڑا گیا۔''

دنوں تک اس شادی کا چرچا رہا کہ کتنی اچھی شادی ہوئی۔ جہیز بھی اتنا پیارا اور اچھا صرف دس ہزار کا فرنیچر۔ اب تو اتنی جلدی فرنیچر خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن میرا ابھی تک ویسے کا ویسا ہی ہے۔ بارات کا بھی لال رنگ کا جوڑا۔''

س: ''شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟''

ج: ''پہلے دیکھا ہوا تھا پر کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی ہماری۔ بس سلام کیا تھا۔ اور کہا کچھ دینا بھی تھا مجھے تو نہیں پتا تھا (ہاہاہا)''

س: ''شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟''

ج: ''شہر بدلا، کراچی سے گاؤں آ گئی۔ ابو بہت یاد آتے تھے۔ فون وغیرہ نہیں تھے۔ اس وقت ابو خط لکھتے تھے اور وہ بھی بہت یاد کرتے تھے۔''

س: ''شادی کے کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟''

ج: ''مجھے کام کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی جیٹھانی اختر پھپھو اور دیورانی رویدان بجی نے میرا بہت خیال رکھا۔ مجھے ایک سال تک کام نہیں کرنے دیا۔''

س: ''میکے اور سسرال کے ذائقے میں فرق؟''

ج: ''کوئی خاص فرق نہیں، ایک ہی جیسا کھانا پکتا تھا۔ ایک فرق تھا، شہر میں روٹی توے پر پکاتی تھی۔ ادھر گاؤں میں تندور پر پکانے لگی بلکہ سکھایا بڑی جیٹھانی نے کہ ایسے تندور پر روٹی پکاتے ہیں۔ اب ماشاءاللہ سب سے اچھی روٹی پکا لیتی ہوں تندور پر۔ اور میٹھا پراٹھا بھی تندور والا۔''

س: ''سسرال میں کن باتوں پر تعریف ہوئی؟''

ج: ''کوئی بھی نئی ڈش بناتی سب بڑے شوق سے کھاتے اور تعریف بھی کرتے تھے۔''

س: ''پہلے بچے کی پیدائش؟''

ج: ''پہلے بچے پر بہت ہی خیال رکھا گیا۔ اس ٹائم آپریشن بہت کم ہوتے تھے۔ تو سب رشتہ داروں نے بہت افسوس کیا کہ آپریشن نہ ہوتا۔ ایبٹ آباد میں ہوا آپریشن اور پہلی بیٹی ہوئی۔ اس کا نام دادی اور چھوٹے دیور خالد نے رکھا رضوانہ۔ گھر بھر کی لاڈلی۔ سب بہت خیال رکھتے تھے۔ پیار کرتے تھے۔ اب ماشاءاللہ پانچ بچوں کی امی ہے۔ لیکن خود بیمار ہو گئی۔ اس کے بعد ماشاءاللہ تین بیٹے ہوئے بشارت جواب ماشاءاللہ نیوی میں ہے 2019ء میں شادی ہوئی۔ پانچ سال بعد اللہ نے پوتا دیا آپریشن سے سی ایم ایچ اسپتال میں۔ اور نام میں نے خود رکھا عدنان بشارت، سب رشتہ داروں نے کہا ویسے بولتے ہے منا ہوا۔ لیکن سب نے بولا۔ عدنان ہوا۔ آپا نے نام سوچا ہوا تھا کسی سے پوچھا نہیں گیا۔

سب نے بہت خوشی منائی۔ سعد سب سے چھوٹے بیٹے نے تو بہت ہی زیادہ۔ دوسرے دن بشارت بیٹا آیا تھا کراچی سے۔ تو شاہ زیب۔ سعد۔

pklibrary.com

نواسوں۔ سمیر بھانجے نے سب نے کمرہ سجایا عدنان کا۔ بہو نائلہ اور پوتا آ گیا۔

"چھوٹے بیٹے سعد نے فائرنگ کی کچھ رشتہ دار بہت خفا ہوئے کہ اللہ کا شکر ادا کرتے۔

میں نے کہا "شکر ہم آپ لوگوں کو بتا کر نہیں کر سکتے تھے۔ کتنے ٹائم بعد اللہ نے ہمیں خوشی دی الحمدللہ۔"

سعد اس بات پر خفا ہو گیا۔ سب ناراض ہو رہے ہیں فائرنگ کیوں کی پیسے اپنے لگائے ہیں میں نے۔

دوسرے نمبر پر شاہ زیب پہلے کراچی میں کام کرتا تھا دفتر میں لیکن پانچ سال ہو گئے کراچی سے آئے ہوئے گاؤں میں ہی گھر کے پاس ڈیزل کی ایجنسی چلا رہا ہے اسی سال 12 مئی کو بارات ہوئی۔ شادی کر دی اس کی۔ بہن کی بیٹی بھی ہے اور دیورانی کی بھی ہے۔ اور چھوٹا بیٹا سعد اس کی بھی منگنی کر دی ہے۔ لیکن ابھی شادی نہیں ہوئی۔ کراچی کمپنی میں کام کرتا ہے۔"

س: "سسرال میں مقام؟"

ج: "شکر ہے سب نے بہت عزت دی۔ کسی کو کوئی بات کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا۔

س: "سسرال اور میکے میں فرق؟"

ج: "میکے میں اتنا زیادہ کہیں نہیں آتی جاتی تھی۔ سسرال میں سب رشتے داروں کا آنا جانا۔ کوئی بیمار ہے اس کی عیادت کرنا اور فوتگی وغیرہ پر جانا کیونکہ میں خود بھی بہت نرم دل ہوں کسی کا دکھ برداشت نہیں کر سکتی تو آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ گاؤں کے لوگ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے والے۔ میں پھر گھر والوں سے زیادہ کرنے لگ گئی رشتہ داروں غریبوں کا خیال اور آنا جانا کرتی رہتی تھی۔"

س: "جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟"

ج: "جوائنٹ فیملی پسند ہے مجھے کیونکہ ہم تینوں جیٹھانی دیورانی کا آپس میں بہت اتفاق تھا۔ پیار محبت تھی۔ ایک ساتھ رہنا برکت ہے۔ لیکن آج کل کے دور میں کوئی ساتھ رہنا پسند نہیں کرتا لیکن اب بھی ہم لوگوں میں اتفاق ہے۔ گھر اب علیحدہ ہو گئے کیونکہ بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ اور وٹے سٹے کیے۔ ابھی تک تو اچھا چل رہا ہے۔ آگے بھی اللہ پاک سے دعا ہے۔" اللہ پاک سب اچھا ہی کرے۔ کیونکہ امید تو اچھے کی ہی ہوتی ہے۔ سب نے ہمارے اتفاق کے لیے دعا کرنی ہے۔ اللہ پاک اتفاق دے۔ (آمین)"

س: "شوہر سے تعلقات؟"

ج: "شوہر سے تعلقات بہت اچھے رہے۔ کیونکہ وہ بہت ہی اچھے۔ نرم مزاج، سادہ طبیعت۔ اور بہت خیال رکھنے والے ہیں۔ لڑائی جھگڑے شکر ہے ہوئے ہی نہیں۔ ہمارے گھر میں لڑائی کا رواج ہی نہیں تھا۔ بہت اچھی زندگی گزاری۔ آگے بھی اللہ اچھی ہی کرے۔ سب بولو۔ (آمین)

☆☆

دستک دستک دستک

شاہین رشید

فرح نادر

"کیسے مزاج ہیں؟"

"الحمدللہ...... ٹھیک ٹھاک۔"

"کیا مصروفیات ہیں آج کل اور کافی گیپ کے بعد آپ اسکرین پہ نظر آرہی ہیں وجہ؟"

"ایم ڈی کا ایک پروجیکٹ "محبت ریزہ ریزہ" آن ایر ہے نزہت سمن اس کی رائیٹر ہیں۔ سیونتھ اسکائی کا "آفت" کیا تھا اس میں اب میرا کردار ختم ہو چکا ہے اور میرا کردار کافی اچھا تھا۔ ایک نیا چینل آیا ہے کیبل پر "سیٹ" کے نام سے اس میں میرا ایک "سٹ کام" آن ایر ہے نام "بارات کیوں نہیں آتی" کے نام سے۔ دو تین ابھی پائپ لائن میں ہیں وہ بھی جلدی شروع ہونے والے ہیں۔

میں نے زیادہ لمبا گیپ تو نہیں لیا۔ البتہ سات آٹھ ماہ کے بعد اسکرین پر نظر آرہی ہوں جبکہ شروع تو میں نے جلدی ہی کر لیا تھا اپنا کام اور ایک دو سیریل بھی کیے تھے میں نے ...... گیپ کی وجہ میری طبیعت کی خرابی تھی۔ اب الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں اور آپ سب کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے میری خطرناک بیماری سے آزاد کر دیا ہے۔ میری کیمو ریڈی ایشن اب مکمل ہو چکی ہے اور اب میں پہلے جیسی ہی ہو گئی ہوں۔ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا ہی رکھے اور چلتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اپنے پاس بلائے ایمان کے ساتھ۔"

"بیماری کے دوران دل تڑپتا تھا کہ میں کیوں بیمار ہوں اور کام نہیں کر پا رہی؟"

"میں بیمار کیوں ہوں؟ یہ تو میں سوچتی تھی۔ لیکن کام کی طرف دھیان نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ میں اتنے تکلیف دہ پروسیجر سے گزر رہی تھی کہ تمہاری سوچ ہے میرا آرام کرنا بہت ضروری تھا اور میں آرام ہی کرنا چاہتی تھی۔ جب آہستہ آہستہ ٹھیک ہونا شروع ہوئی تو میں نے تھوڑا تھوڑا کام کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ کام کرنے والی خواتین کا گھر میں اور بے کار بیٹھنے میں دل نہیں لگتا۔ تو جب ٹھیک ہو گئی الحمدللہ تو فیلڈ کی طرف لوٹ آئی۔"

"آپ بہت اچھی پرفارمر ہیں ...... مگر نیگیٹو رول میں ہی کیوں آتی ہیں؟"

"یقین کرو مجھے بہت پسند ہیں نیگیٹو رول ...... کیونکہ میں اپنی اصلی زندگی میں بہت پوزیٹو ہوں۔ نیچر سے ہٹ کر کردار کرنے میں ایک تو مزہ بہت آتا ہے پھر نگیٹو رول میں اداکاری کی گنجائش

pklibrary.com

بہت ہوتی ہے مثلاً آنکھوں سے کھیلنا، ایکسپریشن مختلف انداز میں دینا۔ مطلب ہر طرح سے اپنے آپ کو آپ برا ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہو۔ پھر ناظرین کی نفرت برا کہنا تو مجھے مزہ آتا ہے اور نیگیٹو کردار بہت زیادہ توجہ کا مرکز ہوتے ہیں بہ نسبت پوزیٹو کے۔ عام زندگی میں بھی آپ دیکھیں تو ہم نیگیٹو لوگوں سے کتنا بچ کر چلیں۔ میں نے پوزیٹو رول بھی کافی کیے ہیں۔ مگر سچ پوچھیں تو مجھے مزہ ہی نہیں آیا لگتا ہے کہ جیسے بس سیدھے سیدھے ڈائیلاگ بول دو، کردار ختم۔"

"آج کل آپ کا سیریل "محبت ریزہ ریزہ" کافی پسند کیا جا رہا ہے حد ہوگئی ہے اس میں آپ کے نیگیٹو رول کی؟"

"(قہقہہ)...... آپ یقین کریں سرعام مجھے لوگوں نے بہت برا کہا ہے۔ خواتین نے تو ہاتھ پکڑ پکڑ کر مجھے برا کہا ہے اور مرد حضرات تو بہت کم ڈرامے دیکھتے ہیں، جنہوں نے دیکھا ہے وہ مجھے خاص طور پر روک کر کہتے ہیں "آپ بہت برا کام کرتی ہیں" تو میں نے بے ساختہ کہا۔ "ایں! کیا میں ایکٹنگ اچھی نہیں کرتی تو کہا۔ "نہیں نہیں آپ اداکاری تو بہت اچھی کرتی ہیں لیکن آپ بہت بری عورت ہیں۔ گزشتہ دنوں میں ایک مجلس میں گئی ہوئی تھی تو میرے "محبت ریزہ ریزہ" کے کردار پر ہی خواتین بار بار کہہ رہی ہیں آپ بہت بری ہیں بچے کو مروا رہی ہیں۔ تو میں نے کہا کہ بہن یہ ڈرامہ ہے اسے آپ ڈرامے کی طرح ہی دیکھیں۔ میں حقیقت میں ایسی نہیں ہوں تب انہوں نے کہا کہ ہاں ہم تو آپ کو کئی سالوں سے اس فیلڈ میں دیکھ رہے ہیں۔ ہماری پبلک...... ڈراموں میں بہت زیادہ انوالو ہو جاتی ہے۔"

"آپ کی مصروفیات سے ٹائم لیا تو زحمت کے لیے معذرت؟"

"ارے آپ کیوں ایسا کہہ رہی ہیں۔ مجھے لوگ سراہتے ہیں پسند کرتے ہیں میرے بارے میں پڑھنا چاہتے ہیں تو شکریہ تو آپ کا اور محبت ریزہ ریزہ سب کو بہت پسند آ رہا ہے کیونکہ اس میں "ثمن آپا (نزہت ثمن رائیٹر) کی محنت ہے کہ اتنا پیارا لکھا انہوں نے ہماری پوری ٹیم بہت اچھی ہے، ہم سب بہت محنت سے کام کر رہے ہیں اور کیوں نہ کریں کہ نزہت آپا خود اتنی پیاری اور محبت کرنے والی خاتون ہیں اور اللہ نے انہیں اتنی کامیابی عطا کی ہے۔"

اُتر آئے سال کا سورج

ادارہ

نئی امنگوں، امیدوں، آرزوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ایک اور نیا سال طلوع ہو رہا ہے۔
نئے سال میں کچھ نیا پن ہو نہ ہو لیکن یہ آتے جاتے سال ہمیں وقت کی قدر و قیمت کا اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا احساس ضرور دلاتے ہیں۔ زندگی تیزی سے گزرتی جا رہی ہے یہ گزرے پل لوٹ کر نہ آئیں گے۔ ان لمحوں کو تھام نہیں سکتے لیکن ان کی قدر ضرور کر سکتے ہیں۔ نئے سال کے آغاز پر ہم نے حسب روایت اپنی قارئین سے سروے کیا ہے۔ سروے کے سوالات یہ ہیں۔
1۔ سال گزشتہ کا کوئی ایسا اچھا کام یا خوش گوار واقعہ جسے یاد کر کے آپ کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔
2۔ اس سال جو کہانیاں آپ نے پڑھیں، ان کا کوئی کردار جو آپ کو یاد رہ گیا ہو۔
3۔ کوئی ایک خوب صورت اور دل نشین شعر اور جملہ، جو آپ نے پڑھا سنا، آپ کے دل میں اتر گیا۔
آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارے قارئین نے ان سوالوں کے کیا جواب دیے۔

صدف ناصر...... گوجرانوالہ

(1) خوش گوار اور بے انتہا مبارک ترین واقعہ 31 اکتوبر 2024ء بوقت اذان کے وقت پیش آیا۔ ظہر کی نماز پڑھ کر اور کھانا کھا کر قیلولہ کرنے لیٹ گئی تو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت با سعادت نصیب ہوگئی۔ (الحمدللہ۔ سبحان اللہ)

ادھر اپنے گھر کی چھت پر چار پائی پر بیٹھی ہوں میرے ابو (اللہ انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔) پاس لیٹے ہیں اچانک میری نظر آسمان کی طرف اٹھی تو آسمان ایک بازو کے فاصلے پر اور سب سے پہلے ''پاک نبیؐ '' کا ''نقش پا'' (پاؤں مبارک) بنا، میں بے حد حیران ہو کر ابو کو بتا رہی ہوں کہ ''نبی پاکؐ '' کا پاؤں مبارک بنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دیکھتے ہی دیکھتے آپؐ کا ''چہرا مبارک'' نمودار ہوا۔ (ماشا اللہ) بے اختیار ہم نے ابو اور خدیجہ، مومنہ کو چیخ چیخ کر بتایا کہ ''وہ دیکھیے ''نبی پاکؐ '' آئے ہیں ان کے بال مبارک دیکھیں، کس قدر نرم، ملائم کچھے بنے ہیں، چہرا مبارک روئی کے گالوں سے ہزار گنا زیادہ نرم اور حسین ترین۔ جی بھر کر چہرا مبارک تین سے چار منٹ دیکھا تو پھر آسمان صاف ہو گیا۔

ساتھ ہی آنکھ کھل گئی اور وہ کیفیت، وہ خوشی، سرور، تازگی اور خوش بختی اب تک لمحہ اول کی طرح تازہ ہے اور ہمیشہ ہی رہتی ہے۔ کروڑ ہا شکر گزار ہوں اللہ پاک کی، جس نے اس سال میں دوسری دفعہ یہ سعادت مبارک نصیب فرمائی۔ اللہ آپ سب کو بھی عطا فرمائیں۔ (آمین) اور ''چہرا مبارک'' کا حسن صرف خواب کی حد تک بتا پائی، درحقیقت ایک بھی لفظ نہیں کہ بیان کر پاؤں۔ (سبحان اللہ)

(2) پورے سال میں ایک ہی کردار ساتھ ساتھ اور بہترین رہا۔ اور وہ ہے ''ماء الملوک'' کی ''زمل'' اس کی خوب صورتی، سمجھ داری اور دھیما پن سب ہی پسند ہیں۔ علاوہ ازیں راحت جبیں کی ہر ہیروئین اچھی لگتی ہے۔ بوجہ اپنی خود اعتمادی، بلند

کرداری اور بہادری کے۔

(3) دل نشین شعر ناصر کاظمی کا دل میں اتر گیا تھا اور چند لمحوں میں ہی پوری زندگی کی تصویر نگاہوں میں آ گئی۔

تو ڈھونڈتی ہے اب کسے اے شام زندگی
وہ دن تو خرچ ہو گئے، غم کے حساب میں!

"خوب صورت جملہ راشدہ رفعت کے بقول۔"

"اللہ سے ہمیشہ خیر مانگو، لیکن کسی بھی خدشے اور واہمے میں مبتلا ہو کر وقت سے پہلے خود کو ہلکان مت کرو۔"

زرینہ خانم لغاری......مظفر گڑھ

(1) گزشتہ سال ہمارے گھر خوشیاں لے کر آیا ہمارے گھر چار سال کا ہمارا پیارا سا گڈا تھا۔ اب خواہش تھی اس کا کوئی اور بہن بھائی آ جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی ہمارے ہاں ننھی سی پیاری پری جیسی بیٹی دے دی مکھن جیسا اس کا رنگ ہے ہمارے گھر کی رونق ہے اب آٹھ ماہ کی ہو چکی ہے اس کی ادائیں دیکھ کر دل خوشی سے بھر جاتا ہے۔

(2) بہت سی کہانیاں پڑھیں کافی کہانیوں اور کرداروں نے متاثر کیا۔ محبت کرنے والے کردار اکرم بیوپاری کہانی کے اکرم کے کردار نے متاثر کیا دو لاکھ پھینک کر، اپنی محبت کو رنگو جواری سے چھڑا کر ہمیشہ کے لیے اس کی آبرو کا محافظ بن گیا۔

ماء الملوک میں، اختر بانو کے کردار نے بھی متاثر کیا کیسے اپنا خوب صورت بیٹا سوکن کو بخش دیا۔

اماں بی بھی ایک متاثر کن کردار ہے کیسے غیر لڑکوں کو پیار اور محبت سے کھانے پکا پکا کر کھلا رہی ہیں یہی سب یاد رہ جانے والے کردار ہیں۔

(3) خوب صورت شعر۔

قسمت سے جن کے گھر میں آتی ہیں بیٹیاں
رحمت خدائے پاک کی لاتی ہیں بیٹیاں
ایک اجنبی کے گھر کو بسانے کے واسطے
بابل کا گھر چھوڑ جاتی ہیں بیٹیاں

خوب صورت جملہ مجھے حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ جملہ بہت پسند ہے جب آپ بیماری اور تکلیف کی شدت میں مبتلا ہو کر کہتے ہیں۔

"اے اللہ تو تو غفور الرحیم ہے لیکن مجھے تکلیف پہنچی ہے۔"

صبر کی انتہا ہے اللہ کا شکوہ پھر بھی نہیں کر رہے۔

نوال افضل گھمن......بحریہ ٹاؤن لاہور

(1) گزشتہ برس خوش گوار واقعہ، ایک نہیں دو ہیں۔ پہلا میرے پاس ایک مریضہ آئی نوجوان لڑکی تھی کسی کے توسط سے آئی تھی اس کو کئی بیماریاں لاحق تھیں۔ نیپا چورنگی گلشن اقبال کے پاس سندھ ڈیزیز اینڈ ریسرچ سینٹر ہسپتال، بروقت علاج سے وہ ریکور ہوئی اب ماشاءاللہ، اللہ کریم کے فضل سے صحت مند ہے۔

ایسی حالت میں آئی تھی کہ سب ڈاکٹرز اپ سیٹ کہ پہلے کس بیماری کا علاج کریں۔ دوسرا ایک یتیم بچی کا رشتہ اور شادی کروائی اور بہت سی دعائیں موصول ہوئیں بے شک ہم انسان وسیلہ ہیں۔ اصل طاقت اور توفیق رب کریم دیتا ہے!

(2) [illegible] سال امت العزیز کا شاہکار ناول "والعصر" بہت اچھا رہا۔ یادگار ...... شعاع میں اشاعت کے لیے تھینک یو۔

(3) [illegible] شعر حاضر ہے!

پھر کسی [illegible] ہستی نے بچایا ہے مجھے
ہوا ہے کیسا [illegible] معجزہ، معلوم کرنا ہے
کل تجھ کو [illegible] تیر کس وقت یاد آیا تھا
اے میرے [illegible] مجھے تیرا وقت دعا معلوم کرنا ہے

فرخندہ سلیم......ملتان

(1) جی ہاں اس سال بہت سی خوشیاں زندگی کا حصہ بنیں، ایک یہ کہ اس سال میں نے مکمل جوش و خروش کے ساتھ اپنے پسندیدہ ڈائجسٹوں یعنی شعاع

خواتین و کرن میں ہر ماہ حصہ لیا، تبصرے کیے اور ہر سلسلے میں بھرپور شرکت کی اور کوئی ماہ ناغہ نہیں ہوا ۔ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے۔ اور ان شاء اللہ اپنے ڈائجسٹوں کے سنگ یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہے گا کیوں کہ ان میں شرکت کرتے ہوئے مجھے، بے حد خوشی کا احساس ہوتا ہے کہ ہر ماہ ڈائجسٹوں میں آنا اور پڑھنا، باتیں کرنا بہت خوب صورت سلسلہ ہے۔

دوسرا یہ کہ اس سال اللہ پاک نے کرم کیا اور اپنا ذاتی گھر خرید لیا، جو اپنی پسند سے سیٹ کیا جس کے لیے ایک طویل انتظار کیا ہے اور کتنی محنت ہم سب گھر والوں نے شوہر اور بچوں نے مل کر کی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ سب بہتر ہے یہ تعمیری سوچ، صبر و شکر یہ سب ڈائجسٹوں کی ہی دین ہے کہ میں سیکھنے کے لیے پڑھتی ہوں۔

(2) ہاں شعاع ڈائجسٹ سال کے میرے سامنے بکھرے ہوئے ہیں، تو باتیں گزرے سال کی شعاع سرورق سے شروع کریں تو جنوری کا سرورق مکمل دلہن کا تھا جو بہت حسین تھا۔ سال نو کی وجہ سے اور ناولز میں سحرش مصطفیٰ اور زارا ہنجرا کے ناول، مہوش نذیر سونیا ربانی کے افسانے زیادہ پسند آئے۔

فروری کا سرورق سادہ سا تھا نفیس سا ہے۔ کالے رنگ کے گرم سوٹ میں ماڈل بالوں کو پکڑے ہوئے ہے۔ مکمل ناول میں نعیمہ ناز، عیشہ حسین، عنبرین ابدال جب کہ افسانوں میں ملیا سموں، عارفہ شاہ فضل و فرزانہ چیمہ نے خوب لکھا۔

مارچ کا سرورق، بہار کی وجہ سے حسین مناظر دے رہا ہے ماڈل نے پیلے پھولوں کا سوٹ پہنا ہوا ہے، پیارا سا وہیں ناولز میں فلک تنویر نے جب کہ افسانوں میں زیادہ نورین زہرہ اور ہاجرہ ریحان نے خوب لکھا ہے۔

اپریل کا سرورق، میٹھی عید کی وجہ سے دلہن کا ہے جو سجا سنورا سا ہے اور ناولز میں سنیعہ عمیر و قرۃ العین سکندر نے جب کہ افسانوں میں نذیر فاطمہ اور حنا ارشد نے خوب تر لکھا۔

مئی کا سرورق، ایک ریاست کی شہزادی کا اسکیچ ہے پیارا سا اور ناولز میں عیشہ حسین جب کہ افسانوں میں راضیہ سید، قرۃ العین خرم ہاشمی (ایک تو سکندر اور یہ ہاشمی دونوں رائیٹروں کا نام لکھنا بہت مشکل لگتا ہے) ام رومان و نورین حفیظ نے خوب تر لکھا۔

جون کا سرورق، بقرہ عید کی وجہ سے سجا ہوا ہے ماڈل شاید منگنی کروا رہی ہے سادہ سی نفیس سی دلہن بنی ہوئی ہے اور ناولز میں ام اقصیٰ اور فلک تنویر جب کہ افسانوں میں حمیرا اشفیع، الفیٰ آصف، عینا عمر خان، عنبرین ابدال نے خوب لکھا۔

جولائی کا سرورق، بالکل سادہ سا کم عمر سی دوشیزہ کا ہے جس کے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ ہے ہاں ناولز میں نوشین فیاض نے دلچسپ تین قسط کا ناول شروع کیا ہے اور افسانوں میں دعا ایوب، فاطمہ احمد ملیا سموں نے اچھا زیادہ لکھا۔

اگست کا شعاع، سالگرہ نمبر ہے اور پرانے وقت کی حسین سی شہزادی کی شادی کی تصویر کا سرورق ہے جو منفرد ہے۔ افشاں آفریدی کا ناول پسند آیا ہے وہیں افسانوں کی برسات ہے اور شازیہ جمال طارق، زرقا سکندر اور عقیلہ ہاشمی نے پیارا لکھا ہے۔

ستمبر کا سرورق، بے حد حسین ہے جس میں ماڈل کے چاروں طرف پھول ہیں نیلے رنگ کے سوٹ پر پیاری مسکراہٹ کے ساتھ سائیڈ پوز ہے۔ ناول میں صائمہ نور اور قانتہ رابعہ جب کہ افسانوں میں جویریہ مریم، نظیر فاطمہ، عقیلہ ہاشمی نے خوب لکھا۔

اکتوبر کے سرورق پر، پہاڑی علاقے میں ماڈل دلکش وادی میں صبح کی سیر گلابی سوٹ اور شال کے سنگ کرتی نظر آ رہی ہے اور ساتھ صبا واجد اور شاہدہ لطیف کے ناول چھ رہے ہیں وہیں حنا بشری، شازیہ الطاف اور حمیرا اشفیع کے دلچسپ افسانے شامل ہیں۔

یہ نومبر کا سرورق، منفرد پن دکھاتا گاؤں کی شرمیلی سی دوشیزہ کو دکھا رہا ہے، جو مٹی کے گھر میں ہے۔ ناولز میں ام ہانی اور آسیہ رئیس جب کہ افسانوں میں جویریہ حیدر ملغانی، ماریہ غزل اور دونوں

شازیاؤں (الطاف وجمال طارق) نے خوب لکھا۔
دسمبر کے سرورق میں، ماڈل کالے لباس میں عمدہ میچنگ کے ساتھ جیولری پہن کر کھڑی ہے اور ثمرین صداقت کا مکمل ناول پیار ا زیادہ ہے وہیں دانیہ سمیع، زینب نور، دونوں حمیرا (نوشین وعروش) افسانے خوب لکھ رہی ہیں۔ اس سال نگہت سیما کا سلسلے وار ناول جاری، واقعصر اور شام ہجر کا ہوا دلچسپ اختتام اور دسمبر میں مریم عزیز خوب صورت سلسلے وار ناول کے ساتھ شعاع میں آ گئی ہیں۔ سال بھر سارے سلسلے اور انٹرویوز دلچسپی سے بھرپور رہے ہیں وہیں خطوط کی محفل پورے سال شان وشوکت سے جمی ہے۔

(3) کوئی ایک خوب صورت اور دل نشین شعر اور جملہ، جو آپ نے پڑھا یا سنا، آپ کے دل میں اتر گیا۔

ج: (جی نہیں ایک جملہ نہیں پورا پیرا گراف بیان کروں گی کہ میں ہر جگہ اپنی لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ مجھے دسمبر بہت پسند ہے۔

دسمبر کا مہینہ گویا وقت کے دریا میں ایک ایسا کنارہ ہے جہاں زندگی کے بہتے ہوئے لمحے رک کر اپنی معنویت کو دوبارہ جانچتے ہیں۔ یہ ماہ کسی خاموش سرگوشی کی مانند ہے جو دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے احساسات کو بیدار کرتا ہے اور یادوں کے بھولے بسرے گوشوں کو اجاگر کرتا ہے۔ جہاں ہر لمحہ ایک نیا باب ہے، جو دل کو کبھی خوشی کبھی غم کی لذت سے آشنا کرتا ہے۔ دسمبر کی شامیں غروب ہوتے سورج کی نارنجی روشنی میں ایک ایسی خاموشی کا پیکر ہوتی ہیں جو بیک وقت دل کو سکون بھی دیتی ہے اور اداسی کی چادر بھی اوڑھا دیتی ہے۔ دسمبر کے موسم میں ایسی لطافت ہوتی ہے کہ انسان اپنی تمام تر جذباتی کیفیتوں کے ساتھ اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ دسمبر کی ٹھنڈی ہوا، جیسے گزرے ہوئے لمحوں کی خوشبو واپس لے آتی ہے۔ یہ ماہ ہمیں احساس دلاتا ہے کہ مسکراہٹیں اور آنسو، دونوں مل کر انسان کی مکمل تصویر بناتے ہیں۔ دسمبر ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں کچھ ایسی امیدیں، کچھ ایسے خواب ہوتے ہیں جو کبھی پورے نہیں ہوتے مگر پھر بھی ان کی خوب صورتی اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

(1) گیا سال خوشی بھی دے گیا اور غم بھی۔
بہت سے خواب تھے۔ جو پورے نہیں ہوئے۔ اور پتا نہیں کب پورے ہوں گے۔ اللہ سے یہی دعا ہے کہ آنے والا نیا سال ہمارے لیے اچھا ہو اور مہنگائی کسی حد تک کم ہو جائے۔ خوشی کی بات یہ ہوئی کہ دوسرے نمبر والے بھائی شاہ زیب کی شادی ہوئی۔
12 مئی کو بارات 13 کو ولیمہ۔
بہت اچھے سے شادی کی تیاری ہوئی۔ لیکن پتا نہیں کس کی نظر لگی۔ شادی جتنی اچھی ہوئی۔ لیکن شادی کے بعد ایک ایسا دردناک واقعہ پیش آ گیا جس سے مجھ سے سب رشتے دور ہو گئے اور بہت کچھ برداشت کرنا پڑا اور کر رہی ہوں۔ لیکن دعا یہی کرتی ہوں اپنے رب سے اے اللہ جی سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے۔ ہم سب اتفاق سے رہنے لگ جائیں۔ (آمین) زیب کی شادی خوشی بھی دے گئی۔ غم بھی بہت زیادہ۔

میرے شوہر نے 13 اکتوبر کو سرائے نعمت خان میں موٹر سائیکل کا شوروم اور دفتر کا افتتاح کیا۔ دعا ہے اللہ پاک کامیاب کرے۔ (آمین) سب منہ میٹھا کر لیں میری طرف سے اپنے خرچے پر (ہاہاہا) کیونکہ مجھے آپ لوگوں کے گھروں کا نہیں پتا۔

(2) اس سال کے سروے، مطلب ماڈل لڑکیاں سب کے سب ہی بہت پیارے اور دل کو اچھے لگے۔ ہر سروے کو دیکھ کر یہی دل کیا کہ اسی طرح تیار ہونا چاہیے۔ اور کہانیاں بھی ساری ہی اچھی لگیں۔ ہر کہانی کو پڑھ کر ایسا لگتا تھا کہ یہ سب کہانیاں جیسے مجھے حوصلہ دے رہی ہوں۔ کیونکہ جب کوئی بھی بات

pklibrary.com

ہوجاتی تھی تو ان کہانیوں کو پڑھ کر بہت حوصلہ ملتا تھا۔ میری تنہائی کی ساتھی اور ہر جگہ کی سیر ہوجاتی ہے۔

جو باتیں یا کہانی اچھی لگتی ہے، بچوں اور شوہر کو بتاتی ہوں اور احمد ماشاء اللہ اب میری کوئی بھی بات آئی ہو پڑھتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ پیارے نبیﷺ کی پیاری باتوں کو پڑھو اور عمل کرنے کی بھی کوشش کرو سب ہی لکھنے والے اچھا لکھتے ہیں اور لگتے بھی ہیں۔ لیکن اگر لکھنے بیٹھ جاؤں تو صفحات کم پڑ جائیں۔ لیکن اب آپ نے پوچھ لیا ہے تو ملاحظہ فرمائیں۔

(3) اس غزل کے کچھ اشعار جو مجھے بہت اچھے لگے۔

تجھے زندگی کا شعور تھا ترا کیا بنا؟
تو خاموش کیوں ہے مجھے بتا ترا کیا بنا؟

نئی منزلوں کی تلاش تھی سو بچھڑ گئے
میں بچھڑ کے تجھ سے بھٹک گیا ترا کیا بنا؟

مجھے علم تھا کہ شکست میرا نصیب ہے
تو امید وار تھا جیت کا ترا کیا بنا؟

میں الگ تھا اوروں سے اس لیے یہ سزا ملی
تو بھی دوسروں سے تھا جدا، ترا کیا بنا؟

اسی طرح سروے کے جواب میں سب بہنوں کی تصویر کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے۔ اپنی اپنی فیملی کے ساتھ اگر اچھی لگی میری بات 2024ء کے پہلے مہینے کی نئی سال کی دہلیز پر۔

عدینہ لغاری......چمبڑ

(1) کچھ دن پہلے ایک عورت اپنے بچے کے لیے مدد مانگنے آئی۔ روتی بلکتی پاؤں پڑنے لگی سب نے کہا یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ میرا دل بھر آیا جھوٹ تھا یا سچ میں نے اپنے بچوں کی خاطر یا صدقے، ان کی مدد کر دی۔ بہت ساری دعائیں دیتے ہوئے وہ چلی گئی کسی کی مدد کرتے ہوئے خوشی ہوتی ہے۔

دوسری خوشی میری خالہ کے بیٹے کی شادی تھی ایک ہی بیٹا ہے ان کا۔ بڑی دھوم دھام سے ہوئی برات میرے گوٹھ جہاں میرا میکہ ہے وہاں سے آئی تھی، بہت بڑی تھی سب سے آگے دس بارہ اسکوٹر اس کے پیچھے ایکو ساؤنڈ کی گاڑی سب سے پیچھے ہماری ڈار سنے جو تقریباً سات آٹھ تھیں۔ ایکو میں بجتا ہوا گیت پر ہم سندھ کے رہنے والے سندھی۔ مہمان نواز ہیں سارے۔ اس پر لڑکے اور لڑکیاں گاڑیوں پر رقص کرتے جا رہے تھے۔ بہت مزہ آیا۔

(2) کردار تو دلوں کا یقین خنساء کا جو یاد رہنے والا ہے۔ کہانیاں تو سب ہی اچھی تھیں۔ ہر رائٹر نے اپنی طرف سے بہترین کہانیاں پیش کیں۔

(3) شادی میں کسی دوست نے کہا ”تم آج بھی ینگ اور اسمارٹ ہو۔ کہیں سے بھی چار بچوں کی ماں نہیں لگتی ہو۔“

ثمینہ تاج......نامعلوم شہر

(1) گزشتہ سال فروری میں میرے بھائی کی شادی ہوئی۔ بہت مزہ آیا تھا ان کی شادی میں ۔ہم نے اپنے سارے ارمان پورے کیے تھے۔ اور ماشا اللہ 15 نومبر کو میں پھپھو بن گئی۔ اللہ پاک نے میرے بھائی کو بیٹے سے نوازا۔ بیٹے کی ماشاء اللہ سے ہم نے بہت خوشی منائی۔

(2) گزشتہ سال کہانیوں میں ایک افسانہ بہت اچھا لگا تھا، وہ قرۃ العین خرم ہاشمی جی کا تھا خیر کی تجارت۔ عارفہ کا کردار اچھا تھا کہ وہ کیسے اپنی کام والی کی مدد کرتی ہے۔

(3) پسندیدہ شعر......

غم زندگی کہاں ہے ابھی وحشتوں سے فرصت
تیرے ناز اٹھا ہی لیں گے، ابھی زندگی پڑی ہے
جسے یار اپنا کہنا اسے چھوڑنا بھنور میں

یہ حدیث دلبراں ہے، یہ کمال دلبری ہے

سلمیٰ مسرت......راولپنڈی

(1) اس سال کی سب سے خوب صورت بات یہ ہے کہ میرے گھر میں رحمت کی دو پریاں اتری ہیں۔ چھوٹے بیٹے کی زارا عمر 7 مئی کو ......اور بڑے بیٹے کی مرحا 16 اگست کو ماشاء اللہ میرا گھر ان کی خوب صورت باتوں اور شرارتوں سے مہک رہا ہے محمد زید، آئمہ، سارا، زارا، مرحا اور نو اسپر پشے ایک سے بڑھ کر ایک پیارے ہیں، اللہ ان کو نیک اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔

میرے لیے خوب صورت کام یہی ہے کہ میں نے اپنے گھر میں توازن اور سکون، محبت کو قائم رکھنے کے لیے بہت قربانی دی ہے اور یہ سب میرے والدین کی دعاؤں اور اللہ کے کرم سے ہوا ہے۔

(2) شعاع کی سب تحریریں خوب صورت تھیں لیکن ان میں سے یادگار کردار، والعصر کے عیسیٰ کا تھا جو مل کے سعدی کی طرح کبھی نہیں بھولے گا، اس کے علاوہ نگہت سیما کے "ماء الملوک" کی زیب النساء۔ عبدالعزیز آزین اور زل کے کردار بھی خوب صورت ہیں، اس میں بوا کا کردار بھی بہت دلچسپ ہے جو وہ کچن میں اتنے سلیقے سے کھانے بناتی ہیں۔

(3) شعاع میں تاریخی سلسلہ، بہت خوب صورت ہے اس کے بے شمار کرداروں پر رشک آیا۔ ٹی وی شو "حسب حال" کے آخر میں جو خوب صورت بات کی جاتی ہے، سیدھی دل میں اترتی ہے۔

بے شمار ڈراموں کے ڈائیلاگ، کچھ اشعار۔ اقتباسات اور والعصر کے ابن سلمان والے اشعار انہوں نے بہت متاثر کیا۔

"اگر تمہیں شک ہے اس کلام کے کلام الہی ہونے پر تو لے آؤ اس جیسی کوئی کتاب یا سورت یا چلو ایک آیت ہی لے آؤ کسی کی بھی مدد سے اور پھر اگر تم نہ کر پاؤ اور ہرگز نہ کر پاؤ گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔"

شعر......

میرے پاس جتنی ہے روشنی، یہی چراغ کی زندگی
میں کہاں جلا، میں کہاں بجھا، یہ کبھی کسی کو خبر نہ ہو

لبنیٰ آصف......کراچی

(1) یہ سال بھی اختتام پذیر ہوا۔ وقت میں سے برکت ختم ہو گئی ہے یوں لگتا ہے۔ ابھی تو 2024ء آیا تھا۔ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے۔ زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ چھوٹی بہن بچوں میں مصروف تھی وہ مجھے فون نہ کر سکی میں بھی نہ کر سکی اور جانا آنا بھی نہیں ہوا اس دوران تقریباً پندرہ دن ہو گئے۔ میں بیٹے کے ساتھ بائیک پر اس سے ملنے نکل پڑی، آدھے راستے میں بیٹا، سامنے سے آتی بائیک دیکھ کر کہنے لگا۔

"امی، خالو، خالہ سامنے سے آ رہے ہیں لگتا ہے۔ آپ سے ملنے جا رہے ہیں۔" خیر اس نے بائیک روکی انہوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا۔ بہنوئی مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔ "بہت دن ہو گئے تھے، آپ کی بہن کو آپ سے ملوانے لا رہا تھا۔"

اور روڈ پر ہم دونوں بہنیں جو گلے مل کر بولنا شروع ہوئیں تو مت پوچھیں۔ بیٹا اور بہنوئی کہنے لگے۔

"ساری باتیں یہیں روڈ پر کریں گی آپ لوگ، گھر چلیں پھر بیٹھ کر باتیں کر لیجیے گا، گلے شکوے سب۔"

بہت خوب صورت لمحہ تھا، ابھی بھی یاد کر کے

مسکرا رہی ہوں۔

(2) گئے سال میں، میرے بھی بہت سے افسانے چھپے لوگوں کی رائے پڑھ کر دل بہت چاہ رہا ہے کہ ناول لکھوں دعاؤں کی درخواست ہے۔

ایک مکمل ناول تھا جس میں چچی اور تائی کے بچوں کی آپس میں شادیاں ہو جاتی ہیں۔ دونوں دیورانی اور جٹھانی کی آپس میں بنتی نہیں ہے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاتا ہے۔ کافی غلط فہمیوں کے بعد ہیرو ہیروئن دوبارہ ایک ہوتے ہیں۔ شادی تو ہو چکی ہوتی ہے۔ لیکن لڑکی کی ماں بہت سمجھاتی ہے اور لڑکی ان ہی کے کہنے پر چلتی ہے۔ آخر میں لڑکا کہتا ہے لڑکی سے کہ آپ کی استاد یعنی (اماں جان) کیا کہتی ہیں۔ یہ جملہ بڑا دل کش تھا مزہ آیا ناول پڑھ کر۔ نام بالکل یاد نہیں آ رہا۔ رائیٹر بھی یاد نہیں۔

ایک افسانہ جس میں دودھ پھٹ جاتا ہے۔ ساس بہو کو سناتی ہیں کہ پتیلی صاف دھویا کرو۔ بیوی میاں سے کہتی ہے کہ سب کے سامنے تو ڈانٹتے ہیں اکیلے میں پیار کرتے ہیں، میاں کا جملہ تو کیا سب کے سامنے پیار کروں اور اکیلے میں ڈانٹوں۔" اس افسانے کو بہت انجوائے کیا۔ نام ذہن سے نکل گیا۔

(3) پسندیدہ شعر......

خاموشیاں بے وجہ نہیں ہوتیں
کچھ درد آواز چھین لیتے ہیں

تسنیم کوثر......کراچی

(1) پیاری بہن، سال گزشتہ کے اچھے کام کی اگر بات کی جائے تو اس سے اچھا کام کیا ہو سکتا ہے کہ ہم نے عمرے کی سعادت حاصل کی اور بیٹے نے حج کا فریضہ بھی ادا کیا، ماشا اللہ میرے بیٹے ذیشان کا یہ تیسرا حج تھا۔ باقی ہمارے گھر میں سب ہی حج وعمرہ کی بارہا سعادت حاصل کر چکے ہیں شکر ہے اللہ کا تو بس اللہ کے گھر کی یادیں، ہر وقت دل کو خوش رکھتی ہیں۔

کعبہ کی رونق، کعبے کا منظر
اللہ اکبر ، اللہ اکبر

(2) آپ کے دوسرے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ 2024ء میں فرح بخاری کا دلکش ناول شام شہر ہجر بے حد پسند کیا گیا تھا اور ہمیں بھی دل سے پسند آیا تھا۔ اس ناول کا ایک معصوم سا کردار ایلیا کا تھا۔ ایلیا کا معصومانہ انداز بیاں اچھا لگتا تھا خاص کر مومن اور ایلیا کی خوب صورت معنی خیز نوک جھونک بہت مزا دیتی تھی۔

(3) تیسرے سوال کے لیے دل پسند شعر عرض ہے۔

اپنے کردار پہ ڈال کر پردہ اقبال
ہر شخص کہہ رہا ہے ،زمانہ خراب ہے

مہوش عرفانی......کینیڈا

(1) خوشی بھی ملی اور دکھ بھی پہلے دکھ کی بات کر لیتے ہیں۔ سال کے شروع میں ہی میرے والد بالکل اچانک ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہمیشہ کے لیے، اس سے بڑا دکھ کیا ہو سکتا ہے۔ اور خوشی یہ ہوئی دو سال سے میری سرجریز ہو رہی تھیں، اس سال کامیاب ہوئی ہے، پہلے دو ناکام ہو گئی تھیں اس تکلیف سے نجات ملی۔ یہ میرے لیے بہت خوشی کی بات تھی۔ اور دوسرا مجھے گھر بیٹھ کر آن لائن کام اچھا مل گیا جس سے میں خود مختار ہوئی ہوں۔ کیوں کہ میں باہر نکل کر کام نہیں کر سکتی۔

(2) میں نے تھوڑی کم ہی پڑھائی کی ڈائجسٹ کی، وجہ جو اوپر بتائی ابو کی وفات اور پھر سرجری اب آ کر کچھ ادھر دھیان دیا، البتہ خواتین کے پرانے ڈائجسٹ پڑھتی رہی ہوں۔ مکمل پڑھا۔ آسیہ صاحبہ کی سہو کار کہانی پڑھی۔ نام یاد نہیں لیکن کردار یاد ہیں ابھی تک، شاید اسی سال میں چھپی تھی۔

(3) خوب صورت شعر جو اکثر مجھے یاد رہتا ہے اور پسندیدہ بھی ہے۔

چھپایا تھا جسے دل میں وہی راز عیاں ٹھہرا
جسے تسکین دل سمجھے، وہی درد نہاں ٹھہرا

اور جملہ ایک تھا۔
جو مجھے کبھی نہیں بھولتا ہر خوشی غمی میں یاد رہتا ہے۔

"ہر زوال کو عروج ہے، ہر عروج کو زوال ہے۔"

ناہید اقبال......کراچی

(1) دسمبر 1971ء جنگ بندی کے بعد اعلان ہوا۔ بلیک آؤٹ ختم، اب چراغ جلا سکتے ہیں اس رات مابدولت ناہید اقبال دنیا میں تشریف لائی۔ میرا تعلق متوسط طبقے سے ہے بچوں کو میٹرک کے بعد فارغ نہیں رہنے دیا۔ آگے تعلیم کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم جاب پر بھی لگایا، آج ارسلان نے بی کام کرلیا ہے اور لیاقت مارکیٹ میں جیولر کی شاپ پر جاب کرتے ہوئے آٹھ سال ہوگئے ہیں، پھر کاشان انجینئرنگ کے تیسرے سال میں ہیں یہ بھی سنار کے پاس کام کرتے ہیں، ٹک ٹاکر فاطمہ جعفری کی بچی کے کان میرے بیٹے کاشان نے ہی چھیدے ہیں تیسرے نمبر پر امان ہیں، جو کہ میٹرک کے طالب علم ہیں ان کے پاپا نے امان کو ڈیڑھ سال پہلے ٹریول ایجنسی پر پارٹ ٹائم بٹھا دیا تھا جو کہ حج عمرہ و زیارات کے لیے مخصوص تھی، امان ماں کی پہلی تنخواہ چھ ہزار ملی کہنے لگے۔ امی، آدھی آپ لے لیں، باقی آدھی کی میں نے دوکان پر ہی کمیٹی ڈال دی ہے کھلے گی تو عمرے پر جاؤں گا چند دن پہلے میٹرک کا رزلٹ آیا اللہ نے شان دار کامیابی عطا کی، دوسرے دن کہنے لگے میرا پاسپورٹ دے دیں جو کہ دو ماہ پہلے ضد کر کے بنوایا تھا دو دن کے بعد بتایا میرا ویزا لگ گیا۔ کمیٹی مل گئی ہے آپ باقی کا انتظام کر دیں گی، میں 8 دسمبر 10 بجے رات کی فلائٹ سے عمرے پر جا رہا ہوں۔

آپ یقین کریں یہ میری اس وقت کیا کیفیت تھی، بیان نہیں کر سکتی آج چار دن ہو گئے ہیں امان کو گئے ہوئے۔ اللہ پاک نے میرے بچے کو سترہ سال کی عمر میں اپنے در کی حاضری نصیب فرمائی۔ اللہ سب کو بلائے۔ آمین

اس کو ویڈیو کال پر دیکھتی ہوں تو اپنا وقت یاد آجاتا ہے، میرے ابو مدینے میں درزی تھے۔ 1983ء میں ہمیں بلایا تھا جب تو بچپن تھا شعور کہاں تھا اب تڑپ ہے، دیکھیں کب بلاوا آئے، اللہ ارسلان اور سدرہ کے فرض سے ادا کرا دے پھر ان شاء اللہ جاؤں گی۔ آمین

(2) دوسرے سوال کا جواب تو جناب (شام شہر ہجر) میاندم والا منصب ایسا با کردار جوان جو عورتوں کی عزت بھی کرتا ہے اور رشتے بھی نبھاتا ہے بھولتا نہیں ویسے ماہر فرید بھی لاجواب ہے۔

(3) تیسرے سوال کا جواب۔ نمرہ احمد کا ناول "مالا" اکتیسویں قسط کا اقتباس ہے۔

"محبت دینا بھی تندرست روحوں کا کام ہے اور محبت وصول کرنا بھی۔ عورت وہی محبت وصول کرتی ہے۔ جس کو وہ پہچانتی ہے۔ عورت کو ملنے والا پہلا لائف پارٹنر اس کی محبت کا پیمانہ سیٹ کرتا ہے۔"

اور اشعار تو لاتعداد ہیں۔

مصلحت نے کر دیا دونوں میں پیدا اختلاف
ورنہ فطرت کا برا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

گئے وہ دن جب تیری وفاؤں کی تمنا تھی
ستم گر ہم نے اب انداز طبیعت ہی بدل ڈالا

☆☆

pklibrary.com

خط آپ کے

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔ 37۔اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

تسنیم کوثر نے کراچی سے شرکت کی ہے۔ لکھتی ہیں

شعاع ہمیں 29 تاریخ کو ہی مل گیا اپنی خوب صورتی اور دلکشی سے ہمیشہ کی طرح دل خوش کر گیا۔ جیو شعاع۔ ناولز میں سب سے پہلے مریم عزیز کا ناول پڑھا بلکہ یوں سمجھیں کہ ان کا نام دیکھتے ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ آسیہ رئیس خان کا ”عشق ازل گیر“ زبردست رہا۔ اسٹوری طویل منفرد لیکن بے حد اچھی لگی، آسیہ کو مبارک باد اور دعائیں۔ اس کے علاوہ نگہت سیما کا ماء الملوک قابل تعریف چل رہا ہے شکر ہے کچھ تو راز کھل رہا ہے پلیز جلدی حقیقت سے پردہ اٹھائیں بہت سسپنس ہو چکا ہے۔ عنبرین ابدال کا ناول چونکہ ہم ٹھہرے بھی پسند آیا ان کی اسٹوری سے ملتا جلتا ٹی وی پر بھی ایک ڈرامہ چل رہا ہے۔ اس کے علاوہ شہر بے چراغ نے تو دل افسردہ کر دیا ایسا بھی کیا ظلم کہ...... افسانوں میں حمیرا نوشین کا شکست فاتحانہ اچھا لگا اور جناب حمیرا عروش کی کہانی پھر ہوا کچھ یوں کہ نے حیران کر دیا اتنی جلدی ہی محترمہ پٹڑی سے اتر گئیں اپنی عزت نفس کی پروا نہیں کی توبہ توبہ مگر دانیہ سمیع کی رس ملائی بہت مزے دار لگی۔ اور زینب انور کی محبت زدہ پر تبصرہ ادھار رہا۔ اس ماہ کی مسکراہٹیں اچھی لگیں تو کھلتا کسی پہ کیوں یہ میرے دل کا معاملہ میں اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی بے حد شکریہ پیاری بہن اور خط آپ کے کی تعریف کیا کروں، یہ سلسلہ تو بہت ہی شاندار لاجواب۔

پیاری تسنیم بہت شکریہ۔ محبت سے بڑھ کر عادت ہوتی ہے اور ہمیں آپ کی محبت کے ساتھ ساتھ آپ کے تبصرے عادت بھی ہو گئی ہے۔ باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیں ہمیشہ اسی طرح۔

صدف ناصر ......سرفراز کالونی گوجرانوالہ سے شریک محفل ہیں

تین دسمبر کو ”شعاع“ ملا، سرورق کی حسینہ شاندار لگی، بمعہ اپنی شاندار سی ڈریسنگ کے۔ البتہ ہماری ”مومنہ“ کے بقول۔ ”ماڈل گرل کا ایک ہاتھ عجیب سا ہے۔“ ”سدرۃ المنتہیٰ“ سے ملاقات اچھی رہی۔ ”دستک“ کے اداکار بالکل نہیں پسند۔ بے حد بورنگ اور ٹھنڈے اداکار۔ ”خط آپ کے“ انتہائی عرق ریزی سے پڑھا جانے والا سلسلہ۔ محفل سونی سونی ہے۔ ”شعاع کے ساتھ“ ہماری پیاری ”رضوانہ وقاص“ ہیں۔ رضوانہ ”آپ کو معذور یا محتاج کہنے والے دراصل خود ذہنی معذور ہیں۔ اچھا وقت نہیں رہا تو یہ مشکل وقت بھی گزر جائے گا۔ آپ کے ساتھ آپ کے ڈائجسٹ اور ہم سب ہیں۔ سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر ”درود ابراہیم“ کے ساتھ مدد مانگیں، آپ کو سب کچھ مل جائے گا۔ ان شاءاللہ۔

”دھوپ دریچہ“ مریم عزیز کے ساتھ نیا اور خوش کن اضافہ۔ پہلی قسط تو حرف حرف وہی روایتی سی رہی۔ پوری تحریر میں ”کومل“ کی خوش فہمی ہنساتی رہی۔ ”عنبرین ابدال“ ”چونکہ ہم ٹھہرے کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ ”ہادیہ“ تحریر کا سب سے اچھا کردار اور اسی کے ساتھ اتنا برا ہو گیا۔ ”مناعت“ نام بھی اچھا

pklibrary.com

لگا۔ عنبرین ابدال! ویل ڈن۔ آپ نے بہت کم وقت میں اپنی بہترین تحریروں سے ہمارے دلوں میں جگہ بنالی۔ (پیدائشی رائٹر) "ماء الملوک" کا ذکر کرنے کا وقت آتا ہے تو قلم ٹھہرا ہی رہتا ہے۔ نہ اچھے لفظ ملتے ہیں نہ ایسی تعریف کہ "نگہت سیما" کا حق ادا ہو۔ بہر حال ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں یہ کہ "شکر ہے زیب النساء اور شہزادے کا سرا تو ملا۔ "منیرہ" سے اور معلومات بھی ملیں گی ابھی۔ مگر یہ خوشی چند لمحوں کی رہی، کیونکہ "زل" ناگہانی آفت کا شکار ہوگئی۔

"رس ملائی" دانیہ سمیع نے ہماری خدمت میں پیش کی ہے۔ پڑھ کر ہنستے رہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے بھئی۔ جو رائٹر نے آپ کو بتائی نہیں...... وہ یہ کہ "محترم ساس" پوری رات سوئی رہیں گی، اور صبح اٹھ کر کہتی ہیں، "ساری رات طبیعت اوازار رہی، ایک منٹ نہیں سوئی۔" (ہاہاہا) بہر حال خوش رہیں سب۔ نہ ہر جگہ ساس غلط ہے نہ بہو۔ جو بوتا ہے وہی پاتا ہے۔

"زینب نور" کی بالآخر واپسی ہو ہی گئی۔ "محبت زدہ" کے ساتھ۔ پھولوں کی پتیاں نچھاور ہوں زینب پر اور تالیاں بھی بجا دیں لگے ہاتھوں۔ کیونکہ افسانہ بہت جان دار اور پختگی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ الفاظ کا انتخاب بہت اچھا رہا۔ تحریر کا مقصد بہت اچھا رہا۔

"مہر ماہ" نے سمجھ داری کے ساتھ بے حد الجھے ہوئے معاملے کو سلجھا دیا۔ تعویذ دھاگے تو ہماری گھڑی گھڑائی کہانیاں ہیں، خرابی تو ہمارے اندر کی انا، خود پرستی اور حسد میں ہے۔

"شکست فاتحانہ" کی سچی کہانی "حمیرا نوشین" نے سنائی۔ سچی "فرزانہ بیگم" کے رویے نے بہت دل برداشتہ کیا۔ جو والدین اپنے جگر کا ٹکڑا دے رہے ہیں۔ ان سے جہیز لینا پیچھے رہ جاتا ہے کیا؟؟؟

"پھر ہوا کچھ یہ" نے بے اختیار ہنسا دیا۔ ساتھ ہی افسردہ بھی کر دیا۔

"ثمین صداقت" کا مکمل ناول "شہر بے چراغ" واقعی بے چراغ رہا۔ ایسی بھی کیا فرعونیت کہ ایک انتہائی پڑھی لکھی اور مہذب لڑکی کو زندہ در گور کر دیا۔ "حریم" نے معاف نہ کر کے بہت اچھا کیا۔ "مستقل سلسلوں" کی طرف بڑھے۔ "نظمیں۔ غزلیں" ملاحظہ کیں۔ "گلزار" کی شاعری ہمیشہ دل نشین لگتی ہے۔ "تہذیب حافی" نے بھی اچھا تأثر چھوڑا۔

"باتوں سے خوشبو آئے" ہر ماہ پورے گھر والوں کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ "سہل پسندی" اور "کردار کی پہچان" سب کو پسند آئے۔ "مسکراہٹیں" سو سو رہیں۔ "تاریخ کے جھروکے" نے تاریخی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ "مٹی کی خاصیت" سے بالکل پورا پورا اتفاق ہے۔ یہ واقعی انسان کے مزاج پر اثر کرتی ہے۔ "اعتل" کو سلام دیجیے ہمارا، "خوب صورت بنیے۔" میں "چہرے کی صفائی" اور "پاؤں صاف رکھیں" نے متاثر کیا۔ لیں جی! تبصرہ کے اختتام پر سوچ رہے ہیں کہ بھلا کس چیز نے ہمیں متاثر نہیں کیا۔ سب ہی کچھ ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ "فرخندہ سلیم" سے بھی اتفاق ہے کہ ڈائجسٹ کے کاغذ کا معیار بھی بہت اچھا ہوا ہے۔ اس عنایت اور محبت کے لیے آپ بخوشی قیمت بڑھا سکتی ہیں۔ کیونکہ ہمیں بخوبی اندازہ ہے کہ اس وقت ادب اور ڈائجسٹوں کی دنیا میں سب سے کم قیمت ڈائجسٹ ہمارا ہی ہے، جو آپ قارئین کی محبت میں برداشت کر رہے ہیں۔ جزاک اللہ خیرا۔

پیاری صدف! آپ کو اس سعادت اور خوش بختی پر دلی مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

صدف! پرچوں کے لیے آپ کی محبت پر تہہ دل سے ممنون ہیں۔

ام یلماز نے فورٹ عباس بہاول نگر سے ہماری محفل کو تعریف بخشی ہے

میں 2018 سے شعاع کی خاموش قاری ہوں ہر سلسلہ ہی لاجواب ہوتا ہے شاید میں لکھنے میں جسارت نہ کرتی لیکن بہن رضوانہ وقاص کے دکھ نے قلم اٹھانے پہ مجبور کیا ہے اللہ پاک انہیں صحت و تندرستی والی لمبی زندگی عنایت کریں یہ اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھیں۔ باقی

pklibrary.com

شعاع پر تبصرہ ادھار رہا چلبلی سی زینب نور کہاں غائب ہو، ماروشن کو بھی میرا سلام ہو۔

ام یلماز آپ نے شعاع کی محفل میں شرکت کی۔ بہت شکریہ۔

رضوانہ وقاص...... کرلاہری پور سے شریک محفل ہیں لکھاہے

شعاع اس دفعہ دو تاریخ کو ہی مل گیا۔ میں امی کی طرف رہنے آئی ہوں پورے پانچ مہینے بعد آئی ہوں۔ آئی تو سردی گزارنے تھی۔ لیکن شوہر کا بلاوا آگیا۔ جو خوشی۔ مزہ زندگی میں پہلے تھا۔ اب ختم ہو گیا ہے۔ لگتا ہی نہیں سب کچھ پہلے جیسا ہے۔ بس زندگی گزارنی ہے۔ جب تک سانسیں چل رہی ہیں۔

اب آتے ہی ماڈل کی طرف بہت ہی پیاری ماڈل تروتازہ کالے رنگ میں۔ کیونکہ کالا رنگ میرے شوہر کا پسندیدہ ہے۔ میں نے بچوں کو بولا کہ ان شاء اللہ میں احمد کی شادی پر اسی طرح تیار ہوں گی زندگی نے مہلت دی تو۔ عالیان کو ماڈل بہت ہی اچھی لگی۔ "حمد و نعت پڑھی۔ "پہلی شعاع" پڑھی زارا قتل کیس کا واقعہ موبائل پر آیا تھا۔ حسد اور لالچ سے بچائے اللہ تعالیٰ (آمین)۔ یہ کیا اس دفعہ کرن کرن روشنی کردی۔ پہلے والا نام ٹھیک تھا۔ "پیارے نبی کی پیاری باتیں" "ناتا جوڑا" س۔ ج کو پڑھ کر اچھا لگا۔ "سدرۃ المنتہیٰ" سے بھی ملاقات اچھی لگی۔ ساتھ میں تصویر بھی ہونی چاہیے۔ پوری فیملی کی۔ "دستک" میں انعم تنویر۔ اور ماورا حسین کو پڑھا۔ لیکن اب ٹی وی وغیرہ نہیں دیکھتی۔ جب سے دادی ماں فوت ہوئی ہیں۔ تب سے بند ہے۔ خط آپ کے "سب کے خط پڑھتی ہوں۔ ایسا لگتا ہے سب سے ملاقات ہو گئی تسنیم کوثر۔ فرخندہ سلیم کے خط اچھے ہوتے ہیں۔ اور فرخندہ نے کدھر تصویریں بھیجی تھیں۔ ہمیں بھی دکھائیں نا۔

صدف ناصر آپ کوئی گورنمنٹ جاب کرتی ہیں، سونیا ربانی اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے۔ آپ جیسا چاہتی ہیں ویسا ہی گھر بنالیں۔ (آمین) اور آپ نے بتایا ہی نہیں آپ کہاں رہتی ہیں کھلابٹ والی سائیڈ۔ قاضیاں محلہ میں بچ کہ آپ کے گھر نہ آجاؤں (ہاہاہا) ہیشے خان۔ اللہ پاک سے دعا ہے۔ آپ کے ساتھ جو پریشانی بھی ہے اللہ جلدی سے دور کردے۔ آپ سب میرے لیے دعا کرتی رہنا آپ سب بہنوں کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔ اس دفعہ جب سے ناتا جوڑا رشتہ ناتا میں امی کا لکھ کر بھیج رہی ہوں۔

"ماء الملوک" پڑھا۔ پلیز پلیز نگہت آپا زل کو کون منہ پر ہاتھ رکھ کر لے گیا۔ پہلے کیا تھوڑا "زین کے رویے نے پریشان کرر کھا ہے۔

پیاری رضوانہ! ہم آپ کے لیے دل سے دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور خوشیوں سے نوازے۔ آمین، ہماری قارئین بھی آپ کے لیے دعا گو ہیں۔ تفصیلی تبصرہ کے لیے شکریہ۔ آپ درود ابراہیمی کے ساتھ حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتی رہیں ان شاء اللہ، اللہ بہتر کرے گا۔

صنوبر عبدالغنی بھلوال سرگودھا سے لکھتی ہیں

اب کی بار شعاع جلد ہی مل گیا تھا (بس خواتین ہے جو تین چکر لگانے کے بعد ملا) ماڈل خوب صورت نین نقش والی، یونیک، ہیئر اسٹائل والی تھی۔ ویسے بھی ماڈل کے سر پر دوپٹہ ہو تو خوب صورت سرورق دیکھ کر ہی دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ "والعصر" خوب صورت ناول کی خوب صورت تحریر...... دل کرتا ہے آپی! آپ سے ایک گزارش ہے آپ سب کتنی محنت کرتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ ہر ماہ ایک ایک انٹرویو آپ کا بھی بنتا ہے۔

ہمیں بھی آپ سب کے انٹرویوز پڑھ کر دلی خوشی ہوگی، آسیہ رئیس خان کے "اے عشق ازل گیر" کی اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ واؤ زبردست ویسے آسیہ رئیس ایسے اچھوتے کردار کہاں سے ڈھونڈ کر لاتی ہیں۔ اور "ماء الملوک" معذرت کے ساتھ مگر کہانی بہت سلو ہے متاثر نہیں کرتا اس لیے اس کو دوبارہ پڑھوں گی جب کچھ زیادہ قسطیں اکٹھی ہو جائیں گے۔ "تیرے بن گزارہ مشکل ہے۔" اچھی تحریر تھی۔ مصطفیٰ کے بارے میں پڑھ کر دکھ ہوا مگر منہا کو آخر کار اپنا پرنس چارمنگ مل ہی گیا۔

pklibrary.com

عینا عمر خان کی "جب پہلی کہانی چھپی" پڑھا تو حسرت ہوئی کاش ایسا ہی کوئی اتفاق ہمارے ساتھ بھی رونما ہو جائے۔ افسانے بس ٹھیک ہی تھے اب کی بار پڑھ کر وہ مزا نہیں آیا۔ باقی سلسلے سب بہترین تھے۔ فیصل قریشی کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا۔

پیاری صنوبر! آپ کا خط تاخیر سے ملا۔ اس لیے پچھلے ماہ شامل نہ ہو سکا۔ اس ماہ شامل ہے۔ شعاع آپ کو پسند آیا بہت شکریہ۔

فرخندہ سلیم ملتان سے شریک محفل ہیں لکھا ہے: شعاع کا سرورق تو بہت ہی منفرد سا تھا اب سال نو کا سرورق بہت ہی سجا سنورا سا ہونا چاہیے بھرا ہوا سا یا دلہن والا۔ اس موقع پر۔ اداریہ میں بہت حیران کن واقعہ پڑھنے کو ملا جو حد ہی ہے۔ شعاع کے ساتھ ساتھ میں صائمہ گل کی طرح رضوانہ وقاص کی باتیں بے حد دلچسپ تھیں اور تعارف عرق ریزی سے لکھا۔ نانا جوڑا چھوٹا سا تھا۔ پکوان اس لیے ہر ماہ اچھے لگتے ہیں کہ بہت سستے اور آسان ہوتے ہیں۔ باتوں سے خوشبو آئے بہت کچھ سکھا دیتی ہیں۔ اس بار سردی سے متعلق کافی بہترین باتیں تھیں جو آخری سلسلے میں خوب صورت بننے کے لیے بتائی گئیں۔ خطوط میں جویریہ حیدر کو اتنی دلچسپ تحریریں لکھنے کی مبارک باد۔ رضوانہ وقاص کو پڑھ کر افسوس ہوا کہ بہن نے اتنی تکلیف برداشت کی۔ اللہ پاک خوش رکھے اور شعاع میں شریک ہوتی رہیں ساتھ ہماری صائمہ گل، ام ہادیہ، صدف ناصر، سلمٰی مسرت، ناہید اسماعیل اور تسنیم کوثر بھی۔

نیا سلسلہ وار ناول کا نام بہت ہی پیارا ہے اور ناول کی قسط پڑھ کر بہت مزا آیا ہے۔ شروع میں ہی قسط نے باندھ لیا اور مجھے کردار بہت اچھے لگے خاص کر انوری بوا شفیق سی، وہیں ثاقب شریف سا بہت اچھا سا لگا اور پہلا سین ہی دلچسپ تھا۔

مجھے تو دھوپ اس قدر پسند ہے کہ اب پورا دن دھوپ میں بیٹھی یا لیٹی رہتی ہوں اور سلائی یا سبزی کاٹنا یا سب کچھ دھوپ میں بیٹھ کر کرتی ہوں کہ سردیوں میں بے حد سکون ملتا ہے۔ سارا صحن اور چھت پر دھوپ اور میں روشنی میں سکون سے لیٹ کر ڈائجسٹ پڑھتی ہوں مالٹا یا کوئی اور پھل کھاتے ہوئے اور ہوں تو ہوں کالے کہ کالا ہونا منظور ہے مگر دھوپ کے بنا رہ نہیں سکتی کتنا سکون ملتا ہے اور میری نندیں تو دھوپ میں نہیں بیٹھتیں کہ کالے نہ ہو جائیں مگر میں اس معاملے میں بہت بے فکر ہوں، رنگ کا کیا ہے تیار ہو کر بندہ صحیح ہو جاتا ہے۔ خیر مجھے دھوپ بہت پسند ہے پھر ملتان میں سردی بھی بہت پڑتی ہے اور مجھے سردیاں اب زیادہ پسند نہیں۔ اب گرمیاں اچھی لگتی ہیں کہ برداشت ہو جاتی ہیں مگر سردیاں نہیں سچ ہے۔ نگہت سیما کو اللہ پاک صحت دے کہ جتنا لکھیں کم ہے۔ اس بار بھی کزنوں کی باتیں مزا دے گئیں اور ایسا لگتا ہے کہ میں ان سب کے ساتھ موجود ہوں جب یہ باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ سحرش تو جان ہے ناول کی۔

عنبرین ابدال کا مکمل ناول اگرچہ بہت اداس تھا مگر پسند آیا پھر حقیقت سے قریب تر تھا اور واقعی لڑکیوں کو کس کس طرح سے معاشرے میں سروائیو کرنا پڑتا ہے۔ عنبرین ویسے بہت دکھی سی تحریریں لکھتی ہیں ہر بار تو پلیز ذرا بھی شوخی پر بھی لکھیں مجھے انتظار رہے گا کہ اس سے پہلے والا ناول بھی اداس سا تھا۔

ثمرین صداقت بحیثیت مصنفہ بہت اچھا اضافہ ہیں اور ناول بھی بہت اچھا لکھا جو پسند آیا اور واقعتاً نئے لکھنے والے بہت اچھا اور معیاری لکھ رہے ہیں۔ آپ سب نئے رائٹر کو موقع دیتی ہیں جو ہمارے شعاع خواتین نے ہمیشہ سے کیا ہے۔ آسیہ رئیس کی تحریر کا دوسرا حصہ مجھے بہت پسند آیا کہ پلاٹ کافی جاندار تھا پھر لکھا بھی آسیہ نے خوب۔

حسنہ حسین کاش پھر سے کسی طویل تحریر کے ساتھ آ جائیں۔ آج کل صائمہ نور بھی کچھ نہیں لکھ رہی ہیں ان سے بھی کوئی طویل رومانوی ناول لکھوائیں کہ مجھے ان کے ہیرو بہت پسند ہیں۔ جابر نہیں ہوتے سمجھ دار ہوتے ہیں اور شریف سے بھی مجھے ایسے ہی ہیرو پسند ہیں۔ ناہید چودھری سے بھی لکھوائیں۔ رخ کا ناول ساحلوں کے گیت ختم ہو گیا بہت ہی حسین تھا۔ حمیرا نوشین کا افسانہ بہت ہی اہم اور اصلاحی موضوع پر لکھا ہوا

pklibrary.com

تھا، زینب نور کا ناولٹ بہت اچھا، بہت ہی پختہ انداز میں لکھا گیا تھا اور انداز تحریر بہترین تھا۔ اب زینب ایسے ہی مکمل ناول لکھیں۔ رس ملائی افسانہ مختصر تھا۔

پیاری فرخندہ! یہ حقیقت ہے کہ خواتین، شعاع اور کرن میں ایس نام کی خواتین چھائی ہیں لیکن آپ اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو آپ کو ایس نام کی خواتین زیادہ نظر آئیں گی۔

ماہی بنت افضل......منڈی بہاؤالدین سے

شریک محفل ہیں لکھا ہے

میں ہمیشہ حمد نعت آخر میں پڑھتی ہوں تاکہ آرام سکون سے سمجھ بھی آئے۔ ہر چیز اتنی کمال کی ہوتی ہے کہ کوئی کمی نہیں ملتی ماہ الملوک اتنا روانی سے لکھا ہے کہ مزا آجاتا ہے پڑھ کر ایسا لگتا ہمارے سامنے فلم چل رہی ہے۔ آسیہ رئیس کی تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ بہت کمال بہت اعلیٰ لکھتی ہیں۔ کوئی مشکل الفاظ نہیں گڈ۔ مریم عزیز واہ دل خوش کردیا ہمیشہ کی طرح، زینب نور کا افسانہ پسند آیا بہت زیادہ باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ اچھا کیا انعم سے ملاقات کروادی۔

پیاری ماہی! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ شعاع آپ کو پسند آیا۔ تہہ دل سے شکریہ۔

عدینہ لغاری نے چمپیڑ سے لکھا ہے

پہلی شعاع جھرجھری سی آ گئی پڑھ کر۔ آپ لوگوں کے الفاظ موتیوں کی طرح ہوتے ہیں ٹھنڈک سی پڑجاتی ہے دل میں۔

کوثر خالد کی نعت پڑھ کر آنکھیں بھیگ گئیں۔ کرن کرن روشنی بہترین تھا۔ نانا۔ اچھا تھا۔ مجھے تو جمال ہاؤس کی خواتین کے نا بہت ہی اچھے لگے تھے۔

رسالوں کی جان ''خط آپ کے'' سونیا جی اتنے دنوں بعد آئیں خوشی ہوئی، گھر بنا رہی ہیں تو دعا کرنا میرا ابھی گھر بن جائے۔ رضوانہ وقاص آپ کا خط پڑھ کر دل دکھ سے بھر جاتا ہے اللہ آپ کو صحت دے۔ سمرین آپا نے سدرۃ المنتہیٰ سے ملا کر دل خوش کر دیا۔ زینب نور کا افسانہ بہت اچھا لگا۔ آسیہ جی کے ناول کی تعریف ایسے ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا، مبارک باد آسیہ جی! عنبرین نے بھی مایوس نہیں کیا بہت عمدہ ناول تھا۔ تکین صداقت نے بہت رلایا مجھے۔ میں اس کیفیت سے گزر چکی ہوں بھائی کبھی اپنے نہیں رہتے اور مائیں بے بس ہوتی ہیں۔ ماہ الملوک۔ یہ سمیرا کیوں بیچ میں ٹپک پڑی ہے زہر لگتی ہے۔

آخر میں۔ میری بہن کی شادی ہے کچھ دنوں میں دعا کرنا خیریت سے انجام پائے۔

پیاری عدینہ! آپ کو بہن کی شادی کی مبارک باد، دعا ہیں اللہ پاک آپ کی بہن کو خوشیوں بھری زندگی سے نوازے۔ آمین۔

شعاع آپ کو پسند آیا۔ بہت شکریہ۔

ناہید اقبال نے ملیر سے لکھا ہے

ماہ دسمبر کا شمارہ زبردست سرورق لیے ہوئے ہے۔ ماڈل بہت پیاری لگ رہی ہے مگر ہاتھوں کو دیکھ کر سمجھ میں نہیں آرہا انگلیاں کیسے رکھی ہیں خیر۔ حمد و نعت پڑھی اللہ کوثر کو جزائے خیر عطا کرے آمین۔ پچھلے مہینے خط نہیں لکھ سکی۔ اس کی وجہ نند کی جواں سال بیٹی فائزہ کی وفات ہے۔ بچی ایک ہفتے کے اندر ڈینگی بخار میں 23 سال کی عمر میں فوت ہوگئی اللہ مغفرت کرے آمین۔

کرن کرن روشنی پڑھی۔ علم میں اضافہ ہوا آگاہی کے نئے در وا ہوئے جزاک اللہ۔ سدرہ سے ملاقات اچھی رہی پھر اپنی محفل میں پہنچی واہ بہنوں کے خطوط اور آپ کے جواب مزا آ گیا جویریہ کا خط پڑھا بھئی آپ نے مجھے ناہید اسماعیل سمجھا پیاری بہن وہ کہاں اور میں ناچیز کہاں۔ ان کے تبصرے شعاع و خواتین میں پڑھتی ہوں وہ بھی کراچی سے ہیں میں ملیر سے ہوں ویسے میرے ابو کا نام اقبال ہے شوہر تو محمد اختر ہیں۔ سب ناہید اختر کہہ کر چھیڑتے تھے اسکول کے زمانے سے ہی ابو کا نام ساتھ تھا وہی آج تک ہے۔ آپ کو میرا تبصرہ پسند آیا شکریہ آپ کے خطوط بھی بہترین ہوتے ہیں۔

شعاع کے ساتھ رضوانہ کے خط پڑھ کر ان کی

بیماری کا اندازہ ہوتا ہے ان کے شوہر دوسری شادی کا سوچ رہے ہیں۔ اللہ خیر کرے اور رضوانہ کو صحت کلی عطا کرے۔

دھوپ دریچہ (مریم عزیز) ابھی نہیں پڑھ سکی مصروفیت کی وجہ سالانہ سروے میں لکھوں گی امید ہے آپ ضرور شائع کریں گی کیونکہ یہ سال کا نہیں میری پوری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے اللہ آپ کو اور تمام بہنوں کو ایسی خوشیاں عطا کرے۔ (آمین)

شکست فاتحانہ پڑھی حمیرا کو اتنی اچھی کہانی لکھنے پر مبارک

آسیہ رئیس کا تو نام ہی گارنٹی ہے۔ (اے عشق ازل گیر) آخری حصہ پڑھا اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ محبت، عقیدت، احترام یہ سب انسانی جذبے ہیں لیکن ان سے بڑھ کر احساس کا رشتہ ہوتا۔ پھر ماہ الملوک پندرہویں قسط پڑھی کہانی آہستہ آہستہ آگے کا سفر طے کر رہی ہے زل کو کیوں اغوا کرادیا ہے نگہت جی ایک نئی کہانی اگلی قسط کا انتظار رہے گا کہ یہ اظہار شاہ کا لاڈلا بیٹا کون ہے۔ شہر بے چراغ (ثمین صداقت) کی پڑھی دل غم سے بھر گیا مگر یہ حقیقت سے آج بھی لوگوں کی سوچ نہیں بدلی۔ محبت زدہ پڑھی زینب نور ویلڈن پر اثر تحریر یہ ہماری جہانیاں والی زینب ہیں نا۔ ان کی تحریر میں ان کی شخصیت کا رنگ جھلک رہا ہے، تاریخ کے جھروکوں سے۔ مٹی کی خاصیت کیا واقعی مٹی انسان کے مزاج پر اثر کرتی ہے معلومات میں اضافہ ہوا اور ایک حاکم کا انصاف پڑھ کر ایمان تازہ ہوگیا۔ آپ لوگ ایسے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں دل خوش ہو جاتا ہے موسم کے پکوان، بہترین تھے چکن تکہ نمرہ نے بنا کر اماں کو پیک کر کے فریزر کر دیا تھا کہ کے میں کھانا۔ ویجی ٹیبل جلفریزی آج بنائی ہے، بہت لذیذ بنی ہے باتوں سے خوشبو آئے۔ مسح کرنے کا حکم یعنی نماز ہر حال میں جزاک اللہ کردار کی پہچان ہے۔

پیاری ناہید! آپ نے بہت اچھا خط لکھا ہے۔ بہت شکریہ۔

سلمیٰ مسرت...... راولپنڈی

السلام علیکم: بڑے عرصے سے ناراض بھی تھی اور دکھ میں بھی کہ سالگرہ سروے کے موقع پر ہمیں بری طرح سے ٹھکرا دیا گیا میں نے تو مکمل خاموشی کا ارادہ کر لیا تھا لیکن؟ فرخندہ سلیم اور صدف ناصر نے ہلکی سی آواز دی تو میں نے سوچا، آخری موقع ہے پھر کوئی آواز بھی نہ دے گا میں خطوط کی محفل سب سے پہلے پڑھتی ہوں پھر اپنے سلسلے وار ناول سکون سے پڑھتی ہوں۔ اس لیے سب کی رائے سے آگاہ ہوں، سب سے باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے میں نے خط کو رجسٹری کروا کے بھیجا پھر بھی آپ نے ٹھکرا دیا اگر آپ میری مصروفیات دیکھیں تو لوگ حیران ہوتے ہیں آپ بھی حیران ہوں گی۔ کہ ایک ففٹی پلس عورت جس پر گھر کی تمام ذمہ داریاں ہیں میری دونوں بہویں جاب کرتی ہیں اور اب تو دو ماہ سے میری بیٹی آمنہ کو بھی شاندار جاب مل گئی ہے۔ اب میری دو سالہ نواسی، چھ ماہ کی پوتی اور تین ماہ تین سال کی پوتیاں اور تین سال کا پوتا دو بجے تک میرے پاس ہوتے ہیں آئمہ بڑی پوتی اسکول جاتی ہے نرسری میں بارہ بجے تک وہ بھی آجاتی ہے۔

صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا تینوں پورشن کی نگرانی میں صفائی کروانا اور بچوں کی دیکھ بھال پھر اپنی عبادت کا وقفہ، الحمدللہ اس میں تعاون صرف میرے شوہر اور میرا چھوٹا بیٹا جو سافٹ ویئر انجینئر ہے گھر میں آفس ہے وہ کرتے ہیں اور دیگر معاملات آپ سب کو پتا ہے آج کی زندگی کتنی مصروف اور وقت میں بے برکتی ہے۔

ماہ الملوک بہت زبردست جا رہا ہے زیب النساء والا حصہ بہت دل سے پڑھا تھا اس کی موت کا بہت دکھ ہوا، آسیہ رئیس کے مکمل ناول بہت اچھے جا رہے ہیں، نئی بہنوں کے مختصر افسانے بہت اچھی کوشش ہے شعاع کا معیار بہترین ہے بس کچھ مہینوں سے دونوں رسالے بہت لیٹ ملتے ہیں اسی لیے خط بھی لیٹ ہو جاتے ہیں۔

پیاری مسرت! ایک طویل وقفہ کے بعد آپ نے

بقیہ صفحہ نمبر 206

pklibrary.com

مریم عزیز

دھوپ دریچہ

دوسری قسط

"ارے شاہانہ کچھ لو نا، تم تو کچھ کھا ہی نہیں رہیں، یہ سموسے لو بلکہ یہ پیسٹری لو یہاں کی سب سے اچھی والی بیکری سے اسپیشلی تمہارے لیے منگوائی ہے۔" انہیں صرف چائے کی چسکیاں لیتے دیکھ کر فضیلت نے پیسٹری والی پلیٹ ان کی طرف بڑھائی۔

"نہیں تھینک یو بھابھی! میں میٹھا بہت کم کھاتی ہوں خاص طور پر یہ مٹھائیاں وغیرہ تو بالکل نہیں کھاتی۔"

ان کی بات پر وہ بلند آواز میں ہنسیں۔

"ارے شاہانہ! تم تو باہر جا کر بالکل انگریزوں والی حرکتیں کرنے لگی ہو، کیوں جی؟" شاہانہ پر طنز کرنے کے بعد، انہوں نے اپنے شوہر کو دیکھا جو خاموشی سے پلیٹ میں رکھے سموسے سے انصاف کر رہے تھے۔

"شاہانہ شروع سے ہی ایسی ہے۔" مختصر جواب دے کر انہوں نے چائے کا کپ اٹھایا لیکن پھر سنجیدگی

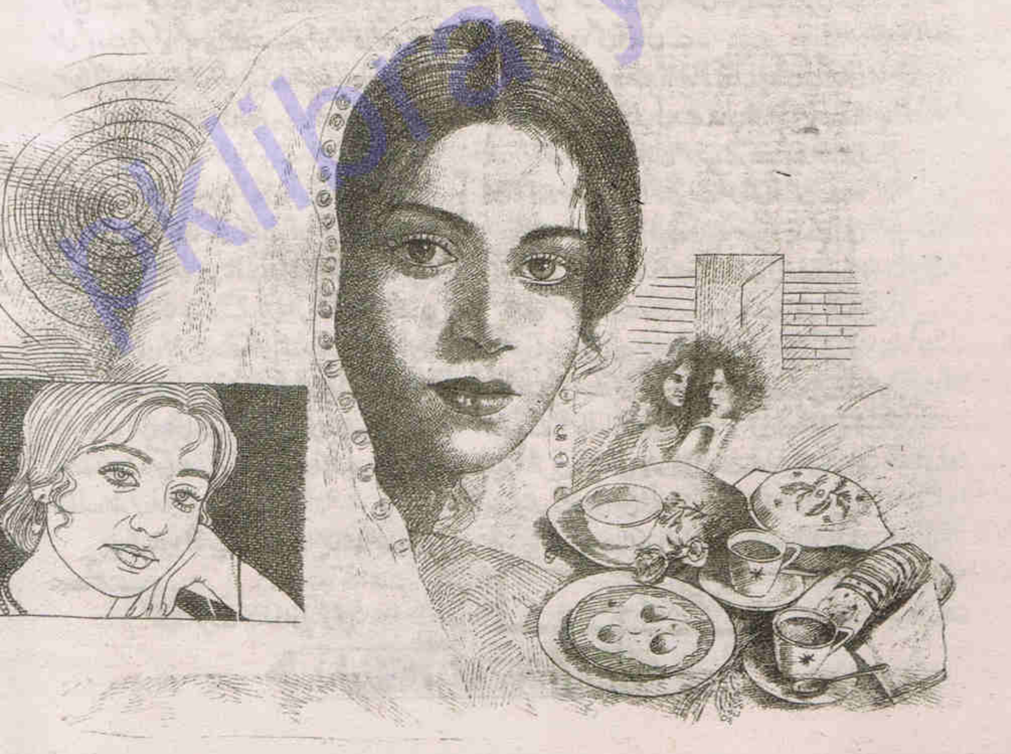

pklibrary.com

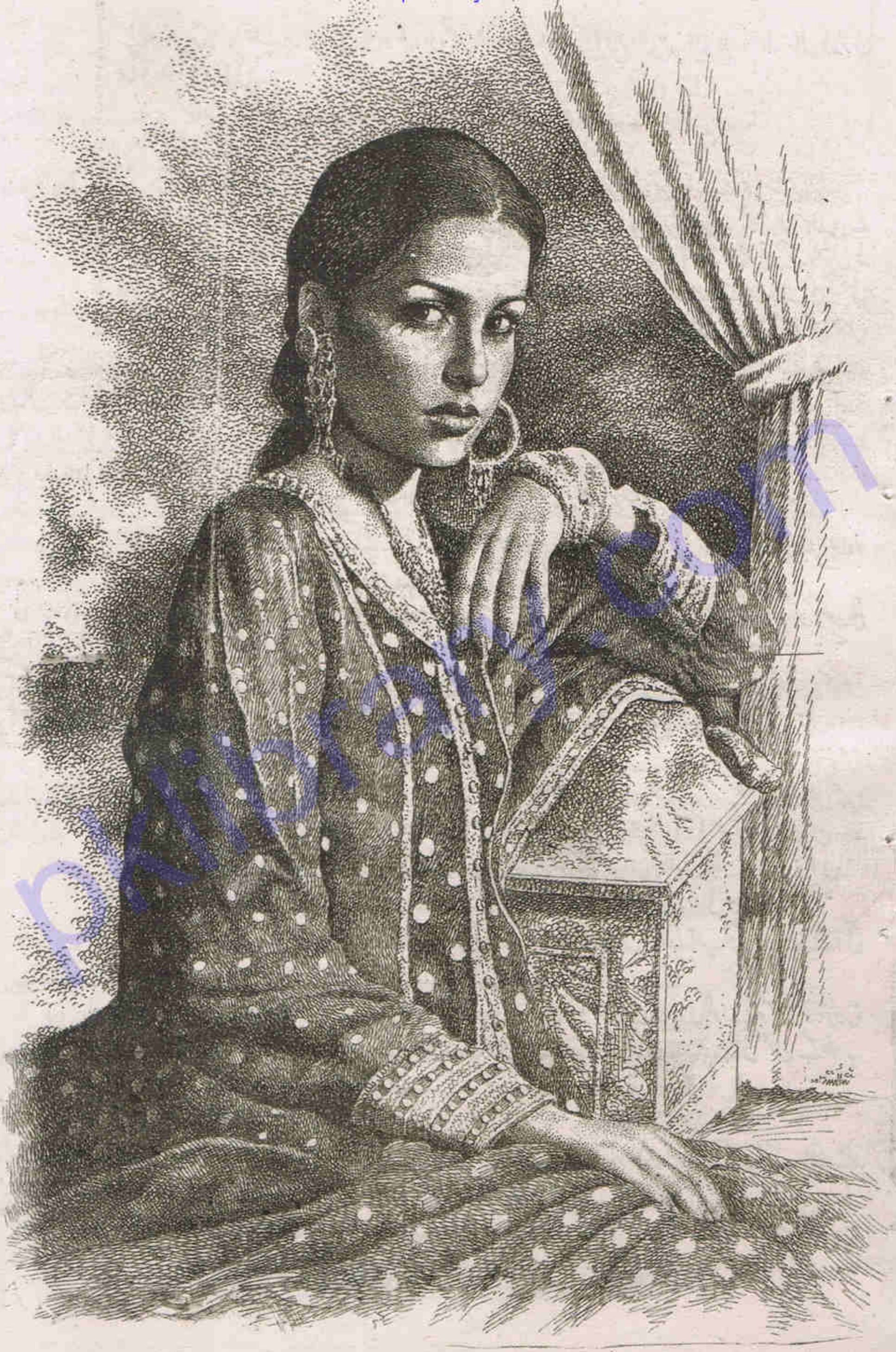

pklibrary.com

سے واپس رکھ دیا، فضیلت جوانہیں ہی دیکھ رہی تھیں فوراً اپنی ملازمہ کو آواز دی تب ہی پندرہ سولہ سال کی لڑکی بھاگتی ہوئی اندر آئی۔

"تمہارے انکل کی چائے ٹھنڈی ہوگئی ہے جلدی سے نئی بنا کر لاؤ۔"

"جی۔" وہ جو گھبرائی کھڑی تھی تیزی سے کپ اٹھا کر واپس مڑ گئی۔

"پھوپھو! آپ اتنے سال پاکستان کیوں نہیں آئیں۔" غیاث کے سوال پر شاہانہ نے گہرا سانس لیا۔

"شادی کے بعد تمہارے انکل کی مختلف ممالک میں پوسٹنگ ہوتی رہی، پھر جاب چھوڑ کر انہوں نے امریکہ میں بزنس اسٹارٹ کر دیا۔ ہمارے پاس وہاں کی نیشنلٹی نہیں تھی اگر یہاں آتے تو پھر امریکہ واپس نہ جا پاتے۔ بچے چھوٹے تھے پڑھ رہے تھے اور بھی بہت سی مجبوریاں تھیں۔ پھر ہم شفٹ ہوگئے۔ وہاں کی نیشنلٹی ملنے میں بھی عرصہ لگ گیا۔ اس دوران میں نے بہت سے اپنوں کو کھو دیا نہ آخری دیدار کر سکی۔" آج بھی تیس سال گزرنے کے بعد اپنے ماں، باپ، بھائی کے غم سے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ غیاث نے پیار سے انہیں بازو کے حلقے میں لیا۔

"وقت جیسا بھی تھا گزر گیا پھوپھو! اب آپ اپنوں کے ساتھ ہیں۔" اس کے کہنے پر شاہانہ نے پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"مجھے یہاں آ کر اندازہ ہوا سارے بچے سمجھدار ہوگئے ہیں۔" غیاث کو عقل مند کہنے پر غیور صاحب نے سر جھٹکا۔

"یہ کبھی مجھ سے خوش نہیں ہوتے۔" غیاث برا سا منہ بنا کر سرگوشی کے انداز میں شاہانہ کے کان میں بولا تو جواباً وہ بھی اس کے قریب جھک کر سرگوشی کے انداز میں بولیں۔ "یہ بھی کسی سے خوش نہیں ہوتے۔"

"اوہ میں سمجھا میں ہی اکیلا خوش قسمت ہوں۔" اس کے کہنے پر وہ مسکرا کر اپنے قریب رکھے بیگز کو گھورتی فضیلت کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بھابھی! میں یہ آپ کے لیے بھائی کے لیے گفٹس لائی تھی۔" انہوں نے جلدی سے بیگز پکڑے کیونکہ جب سے شاہانہ آئی تھیں تب سے وہ منتظر نظروں سے ان بیگز کو دیکھ رہی تھیں۔ فضیلت ایک ایک کر کے سارا سامان بیگز سے نکال رہی تھیں۔

"تھوڑا صبر کرلیتیں تحفے بھاگے تو نہیں جا رہے تھے۔" شاہانہ جو کب سے فضیلت کو دیکھتے سوچ رہی تھیں اس کو الفاظ غیور صاحب نے دیے تھے، ان کے کہنے پر فضیلت نے بے ساختہ شاہانہ کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر، دبی دبی مسکراہٹ تھی تو ان کو دیکھ کر وہ بھی کھسیانی سی ہنسی ہنس کر چیزوں کو واپس بیگز میں ڈالنے لگیں۔

"شاہانہ! آج تو رکو گی نا یہاں۔" غیور صاحب کے کہنے پر اس نے مسکرا کر اپنے بھائی کو دیکھا۔

"بھائی! میں ضرور رکتی پر میرا سارا سامان بھیا کی طرف ہے ابھی تو میں صرف آپ لوگوں سے ملنے آئی ہوں، بچے آتے ہیں تو رہنے کا پروگرام بھی بناؤں گی۔"

"ارے رہنے دو شاہانہ! دو دن ہوگئے تمہیں آئے، آج آئی ہو دو گھڑی کی حاضری لگوانے، تمہیں تو شروع سے ہی میں اور غیور پسند نہیں، بس نفیسہ ہی تمہاری لاڈلی بھابھی ہے اور عباس بھائی پیارے بھائی" ان کے طنزیہ انداز پر شاہانہ نے بوکھلا کر انہیں دیکھا جبکہ غیاث نے آنکھوں سے ماں کو بولنے سے روکا۔

"بھابھی! ایسی بات نہیں۔"

"ایسی ہی بات ہے ورنہ تو تمہیں تو بچے بھی نفیسہ کے پیارے ہیں، حارث اور حارب تقریباً ایک جتنے تھے بلکہ حارب بڑا تھا لیکن نہیں تمہیں تو حارث پیارا تھا پھر حماد اور ہالہ وہی تمہیں پیارے ہیں۔"

فضیلت کی یہی جلی کٹی باتیں تھیں جن کی وجہ سے شاہانہ تو کیا باقی سب بھی ان کے ساتھ بیٹھنے سے گریز

کرتے تھے۔ شاہانہ جز بز ہو کر پہلو بدلنے لگیں، جانتی تھیں جو مرضی کر لیں کہہ لیں اپنے سامنے بیٹھی عورت کی سوچ نہیں بدل سکتیں۔

''بس کرو بے وقوف عورت! نہ موقع دیکھتی ہو نہ محل شروع ہو جاتی ہو۔''

کب سے سنتے غیور صاحب آخر کار غصے سے بول پڑے ان کے زور سے بولنے پر نہ صرف فضیلت بلکہ شاہانہ بھی ڈر گئیں۔

''کھانا لگ گیا ہے۔'' تب ہی ان کی ملازمہ کھانے لگنے کی اطلاع دینے اندر آئی تو شاہانہ نے شکر کا سانس لیا۔

''چلیں پھوپھو کھانا کھاتے ہیں۔'' اپنے باپ کا خراب موڈ دیکھ کر غیاث فوراً وہاں سے نو دو گیارہ ہونا چاہتا تھا۔

''پھپھو! آج یہیں رک جائیں ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔'' کھانا کھاتے ہوئے غیاث نے شاہانہ کو کہا تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔

''آؤں گی جلد ہی اور رہوں گی بھی ابھی تو میں پاکستان میں ہوں۔ ویسے میں نے سنا تھا کہ تم شادی کرنے والے ہو۔'' ان کے شرارتی انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''شادی کہاں ابھی پھوپھو۔'' کہہ کر اس نے دزدیدہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

''ویسے کوئی پسند کی ہے بھابھی!'' اس نے اب فضیلت سے پوچھا۔

''لڑکیاں تو بہت ہیں شاہانہ، ماشاءاللہ میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے۔''

فضیلت کے پیار بھرے انداز پر غیور صاحب نے سر جھٹکا۔

''ہاں لڑکیوں کی لائن لگی ہے صاحب زادے بہت بڑے بزنس مین جو ہیں۔'' انہوں نے طنز کیا تھا جسے فضیلت اور غیاث سمجھ گئے تھے لیکن شاہانہ نہیں سمجھی تھیں اسی لیے ماشاءاللہ کہہ کر دوبارہ فضیلت کو دیکھنے لگیں۔

''میں تو چاہتی تھی پہلے حارب کی شادی ہو وہ بڑا ہے لیکن وہ تو کوئی سرا نہیں پکڑاتا ہر بار ٹال جاتا ہے، میرے بھائی کی بیٹی مجھے بڑی پسند تھی بڑی پیاری ہے شاہانہ، دیکھو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔''

وہ بات پھر کسی اور طرف لے جا رہی تھیں۔

''تم سیدھی بات نہیں کر سکتیں۔'' غیور صاحب نے بدمزہ ہو کر انہیں ٹوکا۔

''سیدھی بات تو کر رہی ہوں۔'' اب وہ ٹوکے جانے پر بدمزہ ہوئی تھیں۔

''بھائی کی بیٹی مصباح کے کافی رشتے آ رہے تھے اگر حارب کا انتظار کرتی تو اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکل جاتی تو میں نے غیاث کے لیے بات کر لی، ابھی صرف بات ہی کی ہے، منگنی یا نکاح کا فنکشن حارب کے آنے پر ہی ہوگا۔''

''ہوں'' شاہانہ نے ہنکارا بھرا۔

''یہ تو ایسے بتا رہی ہے جیسے وہی ایک لڑکی رہ گئی تھی حسین اور پڑھی لکھی، کالج بھی رو دھو کر گئی، ایف اے کر کے پتا نہیں کون سا احسان کیا ہے، سیدھی بات کرو، تمہارا بیٹا بے قابو ہو رہا تھا۔''

اس سے پہلے غیور صاحب مزید گل افشانی کرتے اطلاعی گھنٹی پر سب سے پہلے غیاث اٹھا تھا۔

واپسی پر حارث کو غیاث کے ساتھ آتا دیکھ کر شاہانہ نے سکھ کا سانس لیا۔

''آؤ برخوردار صحیح وقت پر آئے ہو۔'' حارث کے گلے لگتے غیور صاحب نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''نہیں چاچو! کھانا کھا کر آیا ہوں، بس پھوپھو کو لینے آیا تھا۔''

''اب آ گئے ہو تو تھوڑی دیر بیٹھو ورنہ تمہیں بھی توفیق نہیں ہوتی کہ رشتہ داروں سے مل لو۔'' فضیلت کے کہنے پر غیور صاحب نے غصے سے جبکہ شاہانہ نے افسوس سے سر ہلایا۔

''یار، کھانا کھا لیا ہے تو کوئی بات نہیں میٹھا کھاؤ۔'' غیاث نے جلدی سے کھیر کا پیالہ اس کی طرف بڑھایا تو

حارث نے خاموشی سے پیالی اپنی طرف سرکالی۔
"پھر کیا مصروفیت ہے آج کل۔" غیور صاحب کے پوچھنے پر حارث نے کھیر کا ایک چمچہ لے کر پیالہ پیچھے کھسکا دیا۔
"بابا کے ساتھ آفس جاتا ہوں۔"
"اچھا کرتے ہو، اچھے بچوں کی یہی نشانی ہوتی ہے، اتنا بڑا بزنس ہے عباس بھائی کا اب تم حماد مدد نہیں کرو گے تو کون کرے گا، تم بھی باہر پڑھنے گئے تھے لیکن واپس آئے اپنی پڑھائی کا باپ کو فائدہ دے رہے ہو، حارب بھی گیا تھا پڑھنے پتا نہیں کون سی پڑھائی کر رہا ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی، اور دوسرے برخوردار کو عشق عاشقی سے فرصت نہیں۔" غیور صاحب کے کہنے پر غیاث نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔
"آپ کو ہمیشہ اپنی ہی اولاد میں کیڑے نظر آتے ہیں۔" فضیلت کو ہمیشہ کی طرح اپنے بچوں کی برائی سے زیادہ اپنی جیٹھانی کے بچوں کی تعریف بری لگی تھی۔ اس سے پہلے غیور بھائی مزید کچھ بولتے شاہانہ بول پڑیں۔
"اچھا بھائی بھابھی! دیر ہو رہی ہے، حارث کو صبح آفس بھی جانا ہے، میں ان شاء اللہ پھر جلد ہی چکر لگاؤں گی۔" وہ جلدی سے کھڑی ہوئیں اور حارث تو کب سے جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔

☆☆☆

"حد ہوتی ہے یار! اے سی چلاؤ جلدی سے۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی شاہانہ نے پہلے ہاتھ سے خود کو ہوا دی ساتھ ہی حارث کو کہتے ہی خود ہاتھ بڑھا کر اے سی آن کر دیا۔
"آپ تو لگتا ہے وہاں کافی خوش گوار ملاقات کر کے آئی ہیں۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ شرارت سے مسکرایا۔
"خوش گوار" انہوں نے غصے سے دہرایا۔
"بعض لوگوں کی فطرت کبھی نہیں بدلتی اتنے سال گزر گئے لیکن بھابھی ابھی تک ویسی کی ویسی ہیں چند لمحوں میں انہوں نے میرا بھیجا فرائی کر کے رکھ دیا۔" وہ اب انگلیوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبا رہی تھیں۔ اب کی بار حارث کھل کر ہنسا تھا۔
"تم اس لیے مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے نا۔" انہوں نے اسے گھورا جو مسلسل مسکرا رہا تھا۔
"اور بھائی آپ بھی ویسے کے ویسے ہیں، ہٹیلے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ڈرنے کے باوجود بھابھی اپنی زبان کنٹرول نہیں کر پاتیں۔" کہہ کر وہ مسکرائیں "بچے جوان ہو گئے ہیں، شادی کرنے لگی ہیں لیکن بھابھی میں ابھی تک مقابلے کی عادت ختم نہیں ہوئی پتا نہیں کیسے اپنی بہو کو برداشت کریں گی۔" انہوں نے افسوس سے سر ہلایا۔
"اس کو کر ہی لیں گی ان کی سگی بھتیجی ہے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن بھائی جس طرح غیاث کو عشق عاشقی کے طعنے دے رہے تھے میں سمجھی لو میرج ہے تو بھابھی کو کہاں برداشت ہوگا بہو بیٹے کی پسند ہو۔"
"پر ایسا ہی ہے تقریباً لو میرج ہے، بے شک کزن ہے لیکن غیاث کی پسند ہے۔"
"اچھا" شاہانہ نے سمجھ کر سر ہلایا "ویسے تو حارب بڑا ہے اس کی پہلے کرنی چاہیے تھی۔"
"ان کی مرضی ہے پھوپھو!"
"ہاں یہ بات بھی ہے۔" کہہ کر وہ سامنے دیکھنے لگیں پھر کچھ خیال آنے پر وہ تھوڑا رخ بدل کر حارث کو دیکھنے لگیں۔ "تمہیں بھی اب شادی کر لینی چاہیے تم سے چھوٹے کر رہے ہیں۔"
"چھوٹے اس لیے کر رہے ہیں ان کی زندگی میں ان کی پسند کی لڑکی موجود ہے۔ جسے وہ اپنے گھر اور

زندگی میں لانے کے لیے بے قرار ہیں۔"
"اس طرح تو تمہاری زندگی میں بھی ایک لڑکی موجود ہے۔" شاہانہ کے کہنے پر اس کی مسکراہٹ سکڑی۔
"میں جانتا ہوں زیمل کون ہے، لیکن یہاں اس کا کیا ذکر۔" شاہانہ نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا۔
"وہ تمہاری بچپن کی منگیتر ہے حارث!"
"ایسی منگیتر جس نے مجھے دیکھا نہیں اور جو مجھے یاد نہیں، مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آتی بچپن میں رشتے جوڑتے ہی کیوں ہیں۔ جو دو لوگ ایک رشتے میں جوڑے جاتے ہیں انہیں سمجھ ہی نہیں ہوتی اس رشتے کی۔" اس کے لہجے میں ناراضی تھی۔
"بڑے ہمیشہ بچوں کی بھلائی کے لیے فیصلہ کرتے ہیں۔"
"پھوپھو! اس میں بھلائی کیا ہے، شادی ایک دفعہ ہی ہوتی ہے نا یہ مانتی ہیں آپ۔" اس نے ذرا سا سر گھما کر انہیں دیکھا۔
"ہاں"
"میرے نزدیک شادی کے لیے ذہنی ہم آہنگی ہونا ضروری ہے جبکہ وہ لڑکی مجھ سے گویا دس سال چھوٹی ہے مجھے پڑھی لکھی، سلجھی سمجھ دار میچور لڑکی چاہیے اپنی زندگی میں، اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں وہ بالکل ویسی نہیں ہوگی۔" شاہانہ پریشانی سے اسے سن اور دیکھ رہی تھیں۔
"عمر کا اتنا فرق کوئی بڑی بات تو نہیں تمہارے انکل اور میری عمر میں آٹھ سال کا فرق ہے، بھابھی اور بھیا کی عمر میں دس سال کا فرق ہے اور تمہارے دادا اور دادی میں پندرہ سال کا فرق تھا اور میرے ابا اور امی کی انڈرسٹینڈنگ کی لوگ مثال دیتے تھے۔"
"پہلے کی بات اور تھی پھوپھو، اب زمانہ بدل گیا ہے، ایسے بے جوڑ رشتے زیادہ دیر نہیں چلتے۔"
"تم جانتے ہو نا ہماری فیملی میں رشتے آپس میں ہی کرتے ہیں، فیملی میں سب کو اس منگنی کا پتا ہے، تمہارے لیے شاید اس منگنی کی کوئی ویلیو نہ ہو پر وہ لڑکی تمہارے نام پر بیٹھی ہے۔" شاہانہ کو خاصا غصہ آیا تھا۔
"میں نے نہیں کہا تھا پھوپھو، کہ یہ منگنی کریں میں اماں سے کہہ چکا ہوں مجھے یہ رشتہ نہیں کرنا۔"
اب کی بار شاہانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے مسلسل خاموش دیکھ کر حارث نے دوبارہ بات شروع کی۔
"ایم سوری پھوپھو! میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا پر حقیقت یہی ہے میری اس رشتے میں کوئی رضامندی شامل نہیں، اگر بابا نے میرے ساتھ زبردستی کی تو سوائے دو زندگیوں کے برباد ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا، میں کبھی اس کو خوش نہیں رکھ سکوں گا۔" شاہانہ اب بھی خاموش رہیں انہیں ان کے سوال کا جواب مل گیا تھا لیکن وہ جواب انہیں پریشان کر گیا تھا۔

☆☆☆

سر پر برستی بوندوں سے اس کے قدموں میں تیزی آ گئی تھی۔ اس کا رخ لائبریری کی طرف تھا۔ جس وقت وہ گھر سے نکلی اس وقت تیز ہوا کے ساتھ گہرے بادل چھائے تھے۔ نفیسہ اور انوری بوا نے اسے منع بھی کیا تھا آج جانے سے، پر پہلے ہی پھوپھو کے ساتھ باتوں اور گھومنے پھرنے میں وہ کافی ٹائم گنوا چکی تھی کل اسائنمنٹ جمع کروانی تھی اور اس کی اسائنمنٹ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ گھر میں رہتی تو پھر دھیان بھٹک سکتا تھا۔ اس لیے وہ وقت سے پہلے یونی آ گئی تا کہ فائزہ کے آنے سے پہلے اپنا کام مکمل کر لے لیکن لائبریری کے بند دروازے کو دیکھ کر اس نے افسوس سے سر جھٹکا اور راہداری کے سرے پر جا کر کھڑی ہوگئی، دیوار سے ٹیک لگائے سامنے وسیع

وعریض لان کو دیکھنے لگی جو بھیگتے ہوئے بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔
اس کی طرح کئی اور اسٹوڈنٹ بھی برستی بارش کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ قدموں کی آہٹ پر اس نے سرسری انداز میں سر گھمایا اور خود سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ثاقب کو دیکھ کر وہ جو دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی ایک دم سیدھی ہوئی۔
''یقیناً آپ بھی لائبریری کے کھلنے کا انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اسے خاموش دیکھ کر ثاقب نے بات کا آغاز کیا۔
''جی۔'' اس کی دھیمی آواز پر وہ ایک نظر اسے دیکھ کر سامنے دیکھنے لگا۔
''میں بھی اس کا ہی انتظار کر رہا ہوں۔ قدیر سر سے بات کر کے آیا ہوں وہ ابھی کچھ دیر میں لائبریری کھلوا دیں گے۔'' ثاقب کے بتانے پر اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
''میں دو دن سے آپ کا ویٹ کر رہا تھا۔'' ثاقب کے کہنے پر اس نے سر گھما کر اسے دیکھا اس کے ماتھے پر بل تھے۔
''دراصل میں اپنی اسائنمنٹ پر کام کر رہا تھا تو آپ کے ٹاپک سے متعلق کچھ پوائنٹس میری نظر سے گزرے مجھے لگا وہ آپ کو ہیلپ دیں گے، میں نے نوٹ کر لیے تھے وہی دینے کے لیے آپ کا ویٹ کر رہا تھا۔ میرے پاس آپ کا نمبر نہیں تھا ورنہ آپ کو وہیں بھیج دیتا۔'' اس کے ماتھے پر بل دیکھنے کے باوجود اس کا لہجہ نارمل اور قدرے نرم تھا، ہالہ کے چہرے کے تاثرات شرمندگی میں ڈھلے تھے۔
''میں فائزہ کو کہہ سکتا تھا بے شک وہ آپ کی بیسٹ فرینڈ ہے لیکن مجھے اس کو کہنا مناسب نہیں لگا۔ مجھے یہ بات بالکل گوارہ نہیں کہ میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف ہو۔'' اس کی اگلی بات پر ہالہ نے بے ساختہ سر جھکایا وہ ہر بار اسے حیران کر دیتا تھا اپنے انداز سے اپنے الفاظ سے۔
''میری پھوپھو آئی ہوئی ہیں بس اسی وجہ سے نہیں آسکی۔'' آخر اسے جواب دینا پڑا۔
''اوہ'' وہ ہونٹ سکیڑ کر بولا۔
''آپ کی فیملی میں کون کون ہے'' اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح مہذب اور شائستہ تھا کہ وہ مزید اپنا لہجہ روکھا نہیں رکھ سکی۔
''میرے بابا، اماں، بوا میرے بھائی۔''
''اور کوئی ریلیٹو نہیں؟''
''پھوپھو ہیں ایک تایا ہیں، چاچو تھے ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔''
''اوہ سن کر افسوس ہوا۔''
''میرے بارے میں تو آپ خود پوچھیں گی نہیں تو میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔'' اس کے شرارتی انداز پر وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔
''میری فیملی میں میرے پاپا مما اور میری ایک بہن ہے۔''
''اور آپ کے ریلیٹیو۔'' ہالہ نے اسی کے انداز میں سوال کیا تو وہ کھل کر ہنسا۔
''پاپا کے ہیں میرے تایا اور پھوپھیاں پر وہ ہم سے کم ملتے ہیں، مما کے بھی ریلیٹیو ہیں پر وہ ہم سے نہیں ملتے۔'' ہالہ نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے مسکرا کر کندھے اچکائے، جیسے اس کے پاس کوئی جواب نہیں تو ہالہ کو بھی مزید پوچھنا مناسب نہیں لگا وہ خاموش ہو گئی۔
''آپ کو ابھی بھی لگتا ہے میں ایک برا انسان ہوں۔'' کچھ دیر خاموشی کے بعد جب ثاقب نے یہ سوال کیا تو ہالہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
''میں نے کبھی آپ کو برا نہیں سمجھا۔'' وہ بے ساختہ بولی تو ثاقب کی نظریں اس کے خوب صورت چہرے پر

ٹھہر گئیں۔ لیکن اس کے نظریں چرانے پر فوراً اس پر سے نظریں ہٹالیں پھر گلا کھنکھار کر دوبارہ بولا۔
"لیکن آپ تو مجھے دیکھ کر ایسے بھاگتی ہیں جیسے میں کوئی بھوت ہوں۔ مجھ سے بات کرنا تک آپ کو پسند نہیں۔"

"آپ نے شاید دیکھا نہیں میں کسی سے بھی زیادہ بات نہیں کرتی، میری نیچر ہی ایسی ہے۔"
"اور مجھے آپ کی یہی ریزرو نیچر بہت پسند ہے۔ لڑکیوں کو آپ کی طرح مضبوط اور محتاط ہونا چاہیے۔" اس کے کمپلیمنٹ پر ہالہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اس کے لہجے میں احترام لیکن آنکھوں میں کوئی اور ہی جذبہ تھا۔ ہالہ نے بے ساختہ ان آنکھوں سے نظریں چرائیں تب ہی اس کی نظر فائزہ اور اس کے ساتھ آئے سرقدیر پر پڑی تو وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی اس کے یوں بھاگنے پر ثاقب اپنی مسکراہٹ ہونٹوں میں دباتا اس کے پیچھے ہولیا۔

☆☆☆

ساری رات وہ سو نہیں سکیں تو اب سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ کمرے سے باہر آئیں تو مکمل خاموشی تھی۔ کچن سے برتنوں کے ساتھ باتوں کی بھی آواز آرہی تھی۔
"ارے شاہانہ اٹھ گئیں تم۔" انہیں دروازے میں کھڑا دیکھ کر نفیسہ مسکرا کر ان کے قریب آئیں۔ "آج کافی دیر سوئی ہو لگتا ہے نیند ٹھیک سے آئی ہے۔" نفیسہ کے کہنے پر انہوں نے بے ساختہ دکھتی آنکھوں کو مسلا۔ "جی بھابھی!" وہ مسکرا کر بولیں۔ "سب بچے کدھر ہیں؟"
"ہالہ یونی ورسٹی گئی ہے، حماد مارکیٹ گیا ہے گروسری لانی تھی اور حارث آفس۔"
"اور بھیا؟"
"وہ اندر ہیں آفس جانے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔"
"اچھا۔" ان کے بتاتے ہی وہ تیزی سے مڑیں۔
"ارے رکو ناشتا تو کرلو۔"
"میں چائے پیوں گی بھابھی، بھائی سے ذرا مل آؤں۔" وہ تیز تیز قدموں سے ان کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ انگلیوں سے ہلکے سے دستک دے کر اندر سے اجازت ملنے پر دروازہ کھولا۔
"ارے شاہانہ!" وہ اسے دیکھ کر مسکرائے۔
"آؤ" وہ ڈریسنگ سے اس کا عکس دیکھتے ہوئے بولے۔
"بھیا، ایک بات کرنی تھی۔"
"ہاں بولو" وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگے۔
"میں زیمل سے ملنا چاہتی ہوں۔"
"ہوں۔" ان کے کہنے پر انہوں نے سنجیدگی سے ہنکارا بھرا۔
"دیکھتے ہیں۔"
"مجھے بھابھی نے بتایا فرحانہ کی شادی کے بارے میں، ٹھیک ہے بھائی، یہ اس کا فیصلہ تھا لیکن اس سب میں زیمل کا کیا قصور ہے وہ صرف فرحانہ کی ہی نہیں ایاز کی بھی بیٹی ہے، ہماری بیٹی ہے آپ کیسے اس کی طرف سے اتنے بے فکر ہو سکتے ہیں ویسے کتنے سال ہو گئے ہیں آپ کو اس سے ملے اور دیکھے۔" وہ اب ناراضی سے ان سے پوچھ رہی تھیں۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ غلام عباس سے سوال کر سکے، اس لیے اتنے سالوں سے کسی نے زیمل کا نہیں پوچھا کیونکہ وہ فرحانہ کی بیٹی تھی جو ان سے رشتہ توڑ چکی تھی۔ لیکن وہ شاہانہ تھیں جو ہمیشہ سے دل میں ہوتا تھا کہہ دیتی تھیں۔
"ایاز کے بعد نہیں ملا۔" ان کے چہرے کی سنجیدگی پھیل گئی تھی۔

"چودہ سال سے؟" وہ دکھ سے بولیں۔ "بھیا، وہ یتیم ہوئی تھی لاوارث تو نہیں تھی۔" شاہانہ کی آواز رندھ گئی جس کو محسوس کرتے ہی غلام عباس نے اضطرابی انداز میں اپنا دایاں ہاتھ بالوں میں پھیرا۔

"وہ اپنی ماں کے پاس ہے ٹھیک ہی ہوگی، ویسے بھی میں اس کی ماں کے اکاؤنٹ میں اس کا ماہانہ خرچ بھیجتا رہتا ہوں۔"

"پیسہ انسانوں کا نعم البدل نہیں ہو سکتا، بھیا، وہ ماں کے پاس ہے لیکن باپ تو سوتیلا ہے۔ پتا نہیں اس کے ساتھ وہاں کیسا سلوک ہوتا ہوگا۔" غلام عباس یہ سن کر بے چین ہوئے تھے۔

"اب جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں کچھ دیر اور انتظار کر لیتے ہیں۔"

"مطلب" شاہانہ نے الجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"حارث سے بات کرتا ہوں کیا نکاح کرنا ہے۔"

"بھیا! اگر حارث نکاح کے لیے نہیں مانے گا تو زیمل کیا وہیں بیٹھی رہے گی۔"

"کیوں نہیں مانے گا۔" جواباً غلام عباس نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"کچھ کہا ہے اس نے تمہیں؟" وہ اب جانچتی نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

"بھیا! میری حارث سے تو کیا کسی سے بھی اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں ہوئی، شادی والا معاملہ بعد میں دیکھیں گے فی الحال مجھے زیمل سے ملوا دیں، میں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر کل رات سو نہیں سکی۔"

غلام عباس نے ان کی شکل دیکھی وہ واقعی مضطرب لگ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے کب چلنا ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولے۔

"ابھی چلتے ہیں میں چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ تیزی سے بولتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ "ابھی بھی اس کا بچپنا نہیں گیا۔" ان کے نکلتے ہی غلام عباس سر جھٹکتے بڑبڑائے تھے۔

☆☆☆

کومل نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اردگرد کا جائزہ لیا۔ اے سی کی ٹھنڈی ہوا ہلکے سروں میں بجتا میوزک ماحول کو کافی مسحور کن بنا رہے تھے۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔" کومل نے اردگرد کا جائزہ لینے کے بعد سامنے بیٹھی نفیسہ عرف رینا کو دیکھا۔

"ڈیٹ ہے میری یہاں" اس کے کہنے پر کومل نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"اپنی ڈیٹ پر تم مجھے کیوں لائی ہو؟"

کیونکہ اکیلے آنے پر امی کو سو وجوہات بتانی پڑتیں۔"

"پر مجھے تو بتا دیتیں کم از کم۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"بتا دیتی تو تم کیا آتیں وہ ہاتھ ہلا کر لاپرواہی سے بولی۔

"یہ جگہ تو کافی مہنگی لگ رہی ہے۔"

"ہاں مہنگی ہے اسی لیے تو یہ جگہ چنی ہے۔ ویسے بھی ہم نے کون سا بل دینا ہے۔" وہ شرارت سے مسکرائی تو افسوس سے سر ہلاتے گلاس وال سے باہر نظر آتی شاندار بلڈنگ کو دیکھنے لگی۔

"یہاں بڑے بڑے آفس ہیں اس لیے ریسٹورنٹ بھی اسی لیول کے ہیں کیونکہ ان دفاتر کے مالک اپنی لوکل اور فارن میٹنگ یہی کرتے ہیں اور یہاں بڑی بڑی آسامیاں آسانی سے مل جاتی ہیں۔" وہ ایک آنکھ دباتے خباثت سے بولی تو کومل ہونٹ بھینچ کر مسکرائی۔

"آج تمہیں بھی اس لیے لائی ہوں ناصر کے ساتھ اس کا دوست بھی آ رہا ہے۔"

pklibrary.com

"یہ ناصر کون ہے، وہ اس کی بات نظر انداز کر کے ناصر کے بارے میں پوچھنے لگی۔
"میرا فرینڈ"۔
"لیکن اویس" وہ کچھ ہچکچا کر بولی۔
"اویس ارے وہ تو پرانی بات ہوگئی، بور کرنے لگا تھا۔" اس کے انداز پر کومل نے ابرو اچکائے۔
"تو اس ناصر میں کیا خاص بات ہے۔"
"اس سے زیادہ امیر بلکہ دل والا ہے، دل کھول کر مجھ پر خرچ کرتا ہے، تمہیں کیا لگتا ہے یہ جو اتنے مہنگے جوتے کپڑے میں پہنتی ہوں، اپنے باپ کے کریانے کی دکان کی آمدنی سے خریدتی ہوں، اس کے کہنے پر کومل نے سر سے پیر تک اس کا بھرپور جائزہ لیا وہ دونوں ایک ہی محلے میں رہتی تھیں بچپن کی دوستی تھی، رضیہ چھ بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھی، کم آمدنی، زیادہ ضرورتیں اور ایسے میں رضیہ کے خواب کافی بلند تھے۔ اور یونیورسٹی جا کر تو یہ خواب اور اونچے ہو گئے، امیر لڑکوں سے دوستی کر کے ان سے مہنگے گفٹ لینا یہ اس کا مشغلہ بن گیا تھا۔
"یہ سامنے جو بلڈنگ دیکھ رہی ہو بہت بڑی کمپنی ہے مختلف شہروں میں ان کی برانچز ہیں، یہاں سیلری جتنی اچھی ہے جاب ملنا اتنا ہی مشکل ہے، ناصر سے دوستی کی ایک وجہ اس آفس میں انٹری کی کوشش بھی ہے۔" اس کے کہنے پر کومل نے پھر اس شان دار بلڈنگ کو دیکھا پھر چونک کر دوبارہ دیکھا۔
"اس کمپنی کے مالک کا نام کیا ہے۔"
اوپر لکھا تو G.H انٹرنیشنل کمپنی اونر مسٹر غلام عباس ہیں لیکن سی ای او کمپنی کے ان کے بیٹے حارث عباس ہیں، میں نے دیکھا ہے بہت ہینڈسم ہے لیکن بہت مغرور اور روڈ بھی ہیں، اس کو پٹانے کی بڑی کوشش کی لیکن انگور کھٹے تھے پھر سوچا مالک نہ سہی ایمپلائے ہی سہی۔" وہ اپنی بات خود ہی انجوائے کرتے ہوئے بولی۔
"حارث عباس کے نام پر کومل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ رضیہ ہمیشہ اپنے قصے سنا سنا کر کومل کو جیلیس فیل کرواتی تھی۔ اس کا دل چاہا ابھی اس کو کیا بلکہ یہاں بیٹھے ہر شخص کو بتائے حارث عباس جو اس شاندار کمپنی کا مالک ہے اس کا کزن ہے۔ لیکن اس نے بمشکل خود پر ضبط کیا کیونکہ وہ بتانا نہیں دکھانا چاہتی تھی کہ جو شخص سب کے لیے ناقابل تسخیر ہے وہ جلد اسے حاصل کرنے والی ہے۔ اور جس کمپنی میں لوگوں کو جگہ مشکل سے ملتی ہے وہ کمپنی اس کی ہوگی۔ وہ تصور ہی تصور میں خود کو سی ای او کی بیوی کی حیثیت سے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

وہ آفس کا راؤنڈ لینے کے بعد اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا جب اس کی جیب میں رکھا موبائل وائبریٹ ہوا اس نے چلتے ہوئے موبائل نکالا۔ اسکرین پر نام دیکھ کر اس کے چلتے قدم رک گئے تھے۔ اس نے فون کان سے لگایا۔
"السلام علیکم" دوسری طرف سے کومل کی آواز سن کر وہ حیران ہوا۔
"وعلیکم السلام خیریت تھی کومل!"
"جی خیریت تھی بس آپ سے ایک فیور چاہیے تھی۔"
"ہاں بولو۔" وہ ایک بار پھر چلنے لگا۔
"کیا آپ آج گھر آ سکتے ہیں۔"
"سب ٹھیک ہے نا"
"جی"
"ایسا ہے کہ کومل آج تو مشکل ہے کیونکہ مجھے کچھ دنوں کے لیے آؤٹ آف سٹی جانا ہے تو بس اس کی تیاری کر کے نکلنا ہے لیکن تم بتاؤ کیا کہنا ہے میں سن رہا ہوں۔"

"حارث! میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔"
"جاب لیکن تم جاب کر رہی تھیں نا" وہ اب آفس میں داخل ہو گیا تھا۔
"کوئی پرابلم ہے تو تم بتا سکتی ہو۔" اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ بولا۔
"میں نے وہ جاب چھوڑ دی ہے سیلری بہت کم دیتے تھے اور کام زیادہ لیتے تھے۔"
"ہوں، تم پریشان نہ ہو میں نیکسٹ منتھ پیسے زیادہ کر دوں گا۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"مجھے پتا ہے حارث! آپ سب کر سکتے ہیں لیکن آپ یہ سب کب تک کر سکتے ہیں۔ آپ کی ذمہ داری اٹھانے سے حالات نہیں بدلیں گے جب تک ہم خود اپنی ذمہ داری نہیں سمجھیں گے۔ میں نے ماسٹرز کیا اتنی محنت کی اس لیے تو نہیں کہ گھر بیٹھ کر مفت کی روٹیاں توڑوں اپنی تعلیم کا کچھ تو فائدہ ہونا چاہیے، عالیہ ابھی پڑھ رہی ہے۔ اس کی شادی کرنی ہے، طاہر اپنا چھوٹا موٹا بزنس کرنا چاہتا ہے پر چھوٹا موٹا بزنس بھی بڑی اماؤنٹ کے ساتھ شروع ہوتا ہے، مجھے آپ کی نیت پر شک نہیں لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں انکل ہمیں پسند نہیں کرتے خالہ اور آپ ہماری مدد کرتے ہیں، ان کے علم میں نہیں اس سے پہلے ان کو پتا چلے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔" وہ خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔
"تم اگر جاب کرنا چاہتی ہو تو وہ الگ بات ہے لیکن ایسا نہیں کہ بابا کو پتا چلے گا تو وہ منع کر دیں گے۔ میرے یا اماں کے اکاؤنٹ سے جو بھی ٹرانزیکشن ہوتی ہے وہ بابا کی نالج میں ہوتی ہے بابا کی پرمیشن ہے تو اماں ایسا کرتی ہیں۔" حارث کا سنجیدہ لہجہ بتا رہا تھا کہ اسے برا لگا ہے۔
"آپ کو برا لگا حارث!"
"نہیں مجھے برا نہیں لگا میں صرف تمہاری غلط فہمی دور کر رہا ہوں۔"
"تو کیا آپ کو میری جاب والی بات بری لگی۔"
"نہیں کومل، مجھے کچھ برا نہیں لگا میں بلاوجہ عورت کے باہر نکلنے کے حق میں نہیں اگر مجبوری نہیں تو یوں دفتروں میں دھکے کھانے کی سینس نہیں بنتی لیکن میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔ اگر تمہیں لگتا ہے تمہارا ایسا کرنا تمہاری فیملی کے لیے اور تمہاری سیلف ریسپیکٹ کے لیے ضروری ہے تو شیور تمہیں کرنا چاہیے۔" اس کے اتنی جلدی اور آسانی سے مان جانے پر کومل کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ خوش ہو یا پریشان۔
"میں تمہارے لیے کوئی جاب دیکھتا ہوں جہاں کا ماحول اچھا ہو۔"
"حارث!" وہ ایک دم جلدی سے بولی۔ "کیا مجھے آپ کے آفس میں جاب نہیں مل سکتی، آپ میرے ارد گرد ہوں گے تو تحفظ کا احساس رہے گا۔" اس کی بات پر حارث ہونٹ بھینچ گیا۔
"مجھے نہیں لگتا، یہاں جاب کرنا تمہارے لیے مناسب ہوگا۔ میرے دوست کی بہن کی کمپنی ہے اس سے بات کر کے تمہیں ایڈریس سینڈ کروں گا وہاں تمہیں جاب مل جائے گی۔ اب مجھے نکلنا ہے خالہ کو میرا سلام دینا۔" عجلت بھرے انداز میں کہہ کر اس نے فون بند کر دیا جبکہ کومل کتنی دیر خاموشی سے فون کو دیکھتی رہی۔
"میں نے منع کیا تھا نا کہ حارث سے نوکری کی بات نہ کرنا مجھے پتا ہے اس کے گھر کا ماحول وہ آزاد خیال لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا۔" ناہید کو اپنی عقل مند بیٹی پر جی بھر کر غصہ آ رہا تھا۔
"اور آپی! کیا ضرورت تھی اتنی غیرت دکھانے کی، اب اگر حارث بھائی نے پیسے دینے بند کر دیے تو کیا بنے گا ہمارا" عالیہ نے بھی خفگی سے بہن کو دیکھا۔
"افوہ، تم لوگ تو چپ کرو کوئی قیامت نازل نہیں ہوئی۔ میں نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے، میں نے کوئی آزادی نہیں دکھائی۔ سیلف ریسپکٹ دکھائی ہے اور مجھے اندازہ ہے حارث کو خود اعتماد لڑکیاں پسند ہیں جو میں ہوں، اس لیے تو انہوں نے مجھے جاب سے منع نہیں کیا۔"

''لیکن انہوں نے اپنے آفس میں بھی تو جاب نہیں دی۔'' عالیہ کا انداز چڑانے والا تھا۔
''بے فکر رہو وہاں میں ایمپلائی نہیں مالکن بن کر جاؤں گی۔'' وہ گردن اکڑا کر بولی تو عالیہ مسکرا دی لیکن ناہید اب بھی کچھ فکر مند تھیں، انہیں ہر مہینے آنے والی لکشمی جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

☆☆☆

بظاہر وہ گاڑی سے باہر آتے جاتے مناظر پر نظریں گاڑھے ہوئے تھیں لیکن ان کے ذہن میں ماضی ایک فلم کی طرح چل رہا تھا، ابھی کل کی ہی بات لگ رہی تھی جب وہ لوگ ایاز کی بارات لے کر یہاں آئے تھے، ابا جان ناراض تھے لیکن وہ خوش تھی کیونکہ ان کا بھائی خوش تھا، گاڑی رکنے پر یادوں کا سلسلہ بھی رکا تھا۔ انہوں نے چونک کر سامنے دیکھا سامنے نظر آتی جگہ ان کے لیے اجنبی تھی انہوں نے گردن گھما کر غلام عباس کی طرف دیکھا جو باہر کھڑے ڈرائیور اور گارڈ کو کچھ سمجھا رہے تھے، ان کے آگے بڑھتے ہی وہ دوبارہ اردگرد کا جائزہ لینے لگیں یہ جگہ وہ تو نہیں تھی جہاں فرحانہ کے ماں باپ کا گھر تھا۔ گارڈ نے واپس آ کر انہیں کچھ بتایا تو انہوں نے سر ہلا کر شاہانہ کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ ان کے پیچھے چلتے ہوئے وہ ایک پرانے لیکن بڑے سے مکان کے سامنے آ کر رکے۔
دستک دینے کے بعد وہ منتظر نظروں سے دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگے، دروازہ ایک عمر رسیدہ عورت نے کھولا اور اجنبی چہروں کو حیرت سے دیکھنے لگی۔
''ہمیں فرحانہ بی بی سے ملنا ہے۔'' فرحانہ کے نام پر اس عورت نے عجیب نظروں سے غلام عباس کو دیکھا تو شاہانہ فوراً آگے آئی۔
''میں فرحانہ کی رشتہ دار ہوں اور یہ میرے بھائی ہیں کافی سالوں سے میں ملک سے باہر تھی۔ اب آئی تو سوچا فرحانہ سے مل لوں کیا ہم اندر آ جائیں'' اس کے اتنا فر فر بولنے پر وہ عورت سائیڈ پر ہو گئی اور ان دونوں کو ایک بڑے سے کمرے میں بیٹھا کر وہ خود چلی گئی۔ وہ دونوں اب اس کا انتظار کر رہے تھے تھوڑی دیر بعد فرحانہ ایک بڑی سی چادر لپیٹے کمرے میں داخل ہوئی اور ان دونوں کو دیکھ کر وہ حیرت کے مارے وہیں رک گئی۔
''السلام علیکم فرحانہ بھا'' شاہانہ اسے بھابھی کہتے کہتے رکیں تو فرحانہ جیسے ہوش میں آئیں انہوں نے ایک نظر سر جھکائے غلام عباس پر اور دوسری نظر شاہانہ پر ڈالی اور سلام کرتی ہوئی شاہانہ کی طرف بڑھیں۔
''کیسی ہو'' ان سے گلے لگتے ہوئے پوچھا۔
''میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں۔''
''تمہارے سامنے ہوں۔'' وہ زبردستی مسکرا کر بولیں تو شاہانہ نے ان کا چہرہ دیکھا وہ کتنی بدل گئی تھیں، پژمردہ چہرے والی عورت وہ تو نہیں تھیں جس کا حسن ایک مثال تھا۔
''مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ آپ نے شادی کر لی ہے۔''
''اچھا'' وہ دل گرفتی سے مسکرائیں۔
''اگر پتا ہوتا تو تم بھی باقیوں کی طرح مجھ سے منہ موڑ لیتیں'' انہوں نے شکوہ کرتی نظروں سے غلام عباس کو دیکھا تب ہی انہوں نے بھی اس کی طرف دیکھا۔
''ہونہہ'' غلام عباس نے استہزائیہ انداز میں ہنکارا بھرا۔
''تم جانتی تھیں ایاز تم سے کتنی محبت کرتا تھا اور ایسا جھوٹا دعویٰ تم نے بھی کیا تھا لیکن اس کے مرنے کے کچھ سال بھی تم انتظار نہیں کر سکیں کم از کم اپنی بیٹی کا ہی سوچ لیتیں۔''
''کیا بیوہ عورت کا دوسری شادی کرنا گناہ ہے بھیا!'' وہ بھیگی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔
''آپ تو مجھے اپنی چھوٹی بہن مانتے تھے لیکن ایک بار بھی آپ نے مجھ سے آ کر نہیں پوچھا فرحانہ اتنے

بڑے قدم کی وجہ کیا ہے۔"

"وجہ پوچھنے آیا تھا تو تم نے کتنی بدلحاظی کا مظاہرہ کیا تھا۔"

"میں اس کے لیے شرمندہ ہوں اور معافی مانگتی ہوں۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولیں تو شاہانہ نے فوراً ان کے ہاتھ تھام لیے، فرحانہ نے شاہانہ کی طرف دیکھا۔

"میں بھی بھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، میں نے کوئی جھوٹا دعویٰ نہیں کیا تھا میں واقعی ایاز سے بہت محبت کرتی تھی اور اب بھی کرتی ہوں لیکن نہ کہہ سکتی ہوں اور نہ ہی بتا سکتی ہوں۔ کیونکہ اب میں کسی اور کی بیوی ہوں، ایاز کی ڈیتھ کے بعد بھائی اور امی مجھے اپنے ساتھ لے آئے ظاہری بات ہے میں اکیلے تو نہیں رہ سکتی تھی زیمل بھی بہت چھوٹی تھی۔"

"میں آیا تھا تمہیں لینے" غلام عباس نے غصے سے یاد دلایا۔

"جانتی ہوں لیکن بھائی نے دھمکی دے کر مجھے جانے سے روک دیا کہ اگر میں آپ کے ساتھ گئی تو وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے رشتہ توڑ دیں گے نہ میں اپنی ماں سے مل سکوں گی اور نہ بہن بھائی سے، میں اس وقت بہت ڈری ہوئی تھی، مجھے کسی پر اعتماد نہیں تھا۔ شروع میں دو سال سب ٹھیک رہا پھر حالات بد سے بدتر ہونے لگے، بھائی اور بھابیوں کو میں اور زیمل بوجھ لگنے لگے بات بات پر مجھے ذلیل کیا جانے لگا۔ زیمل کو چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترسایا جاتا، ایسے میں بھائی کے ایک دوست نے اپنا رشتہ میرے لیے بھیجا، میرے بدلے وہ بھائی کو بزنس میں شراکت داری دے رہا تھا۔

اس کی پہلی بیوی مر چکی تھی مجھے اس سے کیا کسی سے بھی شادی نہیں کرنی تھی۔ میرے منع کرنے پر بھائی نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا مجھے بھوکا پیاسا رکھا گیا، میں تب بھی نہ مانی تو زیمل کو ٹارچر کرنے کی دھمکی دی تو میں مجبور ہو گئی لیکن میں نے ایک شرط رکھی کہ مجھ سے نکاح کرنے کے لیے، اسے زیمل کو قبول کرنا ہوگا مجھے بھائی نے امی نے کہا کہ اسے میری شرط منظور ہے، لیکن شادی کے دوسرے دن جب میں نے زیمل کو لانے کی بات کی تو عبدالقدوس نے صاف لفظوں میں مجھے منع کر دیا کہ وہ میری بیٹی کو نہیں اپنا سکتا اور نہ ہی اس تک میری شرط پہنچائی گئی تھی اور نہ اس نے ایسا کوئی وعدہ کیا تھا۔ مجھے دھوکا میرے اپنوں نے دیا تھا، میرے پاس سوائے رونے اور صبر کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

وہ خاموش ہوئیں تو کہنے کے لیے شاہانہ اور غلام عباس کے پاس بھی کچھ نہیں بچا تھا۔

"بھابی! میں زیمل سے مل سکتی ہوں۔"

"زیمل میرے پاس نہیں وہ بھائی کے ساتھ رہتی ہے، جب تک امی زندہ رہیں مجھے کچھ تسلی تھی پر امی کے بعد زیمل کو بہت پریشانی ہو رہی تھی، اتنے سال ہو گئے تھے مجھے لگا عبدالقدوس کو کچھ تو میری قربانیوں کا لحاظ ہوگا، اسی بھروسے پر میں زیمل کو اپنے ساتھ یہاں لے آئی لیکن......" ان کی لیکن پر شاہانہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"یہاں بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوا بلکہ یہاں تو عزت کا بھی خطرہ ہو گیا تھا۔" کہہ کر وہ رونے لگیں تو غلام عباس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

"کیا آپ کے شوہر نے" شاہانہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ان کے بڑے بھائی، پتا نہیں کب سے اسے پریشان کر رہے تھے، وہ ڈری سہمی رہتی تھی مجھے اندازہ ہی نہیں ہو سکا کوئی ایسی بھی بات ہو سکتی ہے۔ اس دن میں اچانک کچن میں گئی تو وہ اس کا بازو دبوچے اسے دھمکا رہے تھے، میں اگر عبدالقدوس کو ان کے بھائی کے بارے میں بتاتی تو وہ کبھی نہ مانتے الٹا مجھے ہی ذلیل کرتے تو مجبوراً مجھے زیمل کو واپس بھائی کے پاس بھیجنا پڑا۔"

وہ اب سر جھکائے رو رہی تھیں۔

"آپ کے اور بھی بچے ہیں" شاہانہ نے ترحم سے ان کی بے بسی دیکھی۔

''ایک بیٹا اور بیٹی۔''

اسکول گئے ہیں۔'' وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولیں۔

''چلو شاہانہ، ہمیں نکلنا ہے۔'' غلام عباس کو وہاں ٹھہرنا اب مشکل لگ رہا تھا۔

''مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں ناں'' ان کے اٹھنے پر فرحانہ نے بازو تھام کر انہیں روکا۔

''نہیں بھابھی! میں بالکل ناراض نہیں، میں آپ کی مجبوری سمجھتی ہوں اور دوسری شادی آپ کا حق تھا آپ دل برا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔'' ان کے گلے لگنے پر شاہانہ ان کی پیٹھ تھپتھپانے لگیں جوان کے گلے لگ کر پھوٹ کر رو دی تھیں۔

''زیمل کو وہاں سے لے جاؤ شاہانہ!'' وہ ان کے کان میں دھیمے سے بولیں تو شاہانہ نے ان سے الگ ہو کر ان کا چہرہ دیکھا اور سر ہلا کر باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

شاہانہ نے سر گھما کر غلام عباس کی طرف دیکھا جو ٹانگ پر ٹانگ رکھے، بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ فرحانہ کے گھر سے لے کر یہاں تک وہ بالکل خاموش تھے اور وہ جانتی تھی وہ اپنا غصہ ضبط کر رہے ہیں۔

''آپ کچھ لیں نا۔'' انہیں یوں سنجیدہ ہاتھ روکے بیٹھا دیکھ کر، وحید نے سامنے میز کی طرف اشارہ کیا جہاں پڑی چائے اور کباب ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

''نہیں بہت شکریہ زیمل کو بلا دیں ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' غلام عباس سامنے لگی کھڑکی کو دیکھ کر بولے ان کا انداز اتنا پتھریلا تھا کہ وہ گھبرا کر باہر نکلا۔

''مجھے نہیں جانا پلیز مامی چھوڑیں مجھے۔'' وہ دونوں اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھے جب انہیں باہر سے دھیمی اور روہانسی آواز سنائی دی۔

''کیوں نہیں جانا تمہارے رشتے دار آئے ہیں۔''

''نہیں جانا۔'' وہ شاید اب زور لگا کر خود کو چھڑوا رہی تھی، غلام عباس ماتھے پر بل ڈال کر کھڑے ہوئے۔

''اندر جا کر کوئی الٹی سیدھی بات کی تو یاد رکھنا چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گی۔'' ایک کرخت نسوانی آواز پر شاہانہ کا پارہ بھی چڑھا تھا۔ اس سے پہلے غلام عباس دروازے کی طرف بڑھتے، وہ دونوں اندر داخل ہوئے ان کے درمیان ایک لڑکی تھی جس کا سر جھکا تھا ان دونوں نے سختی سے اس کو بازوؤں سے تھام رکھا تھا۔ غلام عباس کی نظریں اس پر جمی تھیں جو سر جھکائے ہلکا ہلکا لرز رہی تھی۔

''زیمل آنے سے انکار کر رہی تھی دراصل یہ بہت شرمیلی ہے لوگوں سے ملتی نہیں۔'' غلام عباس کی شکل دیکھ کر وحید تیزی سے بولا۔

''زیمل'' غلام عباس کی آواز پر اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا اس کی سہمی آنکھوں میں پہلے بے یقینی اتری پھر آنسو۔

''بابا!'' وہ سختی سے ان سے لپٹی ان کو پکارتی رو رہی تھی۔ انھوں نے اسے بازو کے گھیرے میں لے کر اس کے سر کو چوما۔

''میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔'' وہ بہت آہستہ بول رہی تھی۔

''میں دیر سے آنے کے لیے شرمندہ ہوں میرے بچے۔'' وہ بھی جھک کر اسی کے انداز میں بولے۔

''آپ بالکل میرے بابا جیسے ہیں۔'' اس کے کہنے پر غلام عباس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

''بھائی صاحب، آپ بیٹھیں آرام سے بات کرتے ہیں۔'' زیمل کو یوں غلام عباس کے قریب کھڑا دیکھ کر وحید اور اس کی بیوی پریشان ہوئے تھے۔

''زیمل!'' نسوانی آواز پر اس نے نظریں گھما کر دائیں طرف دیکھا۔

''جاؤ بیٹا، تمہاری پھوپھو ہیں۔'' وہ ایک شاہانہ سے جا کر لپٹ گئی اور اسے گلے لگائے وہ بری طرح رو پڑی تھی، خود سے الگ کر کے انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اپنے سامنے کیا تو دنگ رہ گئیں۔

''اتنی خوب صورتی۔'' ان کے منہ سے بے ساختہ ماشاء اللہ نکلا تھا۔

''ہم زیمل کو لینے آئے ہیں، جاؤ بیٹا، اپنا ضروری سامان پیک کر لو۔'' غلام عباس کے کہنے پر وحید اور اس کی بیوی نے پریشانی سے ایک دوسرے کو اور پھر غلام عباس کو دیکھا۔

''زیمل آپ کے ساتھ کیوں جائے گی اس کی ماں نے اس کی ذمہ داری ہمیں دی ہے۔''

''اس کی ماں سے پوچھ کر آئے ہیں اور ویسے بھی میں اس کا تایا ہوں باپ کی جگہ اس کا سرپرست۔''

''اچھا۔'' وحید کی بیوی استہزائیہ مسکراتی آگے آئی۔

''یہ سرپرست تب کہاں تھا جب اسے اور اس کی ماں کو ضرورت تھی اس کے باپ کے مرنے کے بعد سارے سرپرستوں نے منہ پھیر لیا تھا۔ آج جب وہ سونا کا انڈا دینے والی مرغی بن گئی تو۔'' غلام عباس کے ساتھ شاہانہ نے بھی الجھ کر اسے دیکھا جبکہ ان کے گرد زیمل کی گرفت مزید سخت ہوئی۔

''چپ کرو احمق عورت۔'' وحید نے غصے سے اس کا بازو جھپٹ کر اسے پیچھے کیا۔

''زیمل ہماری ذمہ داری نہیں ہماری بیٹی کی طرح ہے اور فرحانہ نے ہمیں پورا اختیار دیا ہے اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اور اتنے سال ہم نے اسے پالا پوسا، پڑھایا ہمارا اس پر پورا حق بنتا ہے اس لیے ہم نے اس کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ تین مہینے بعد اس کی شادی ہے۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا، تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس کا رشتہ طے کرنے کی، کیا تم جانتے نہیں وہ ہماری ہونے والی بہو ہے۔''

''بہو ہوتی تو ساتھ رکھتے اتنے سالوں پتا نہیں کہاں تھے اب آ گئے بڑے سرپرست۔'' وحید کی بیوی منہ ٹیڑھا کر کے بولی وہ کچھ زیادہ ہی بدتمیز عورت تھی غلام عباس کو ایسا لہجہ سننے کی عادت نہ تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس عورت کا منہ توڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دیں۔

''کون روکے گا ہمیں۔'' غلام عباس کی سرد آواز گونجی تو وحید کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھوڑا گھبرا کر انہیں دیکھنے لگے۔

''عباس بھائی! آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ میں زیمل کا دشمن نہیں میری بھانجی ہے، بیٹی کی طرح ہے، بازل رانا اس علاقے کا بہت بڑا آدمی ہے۔ وہ بڑی چاہت سے رشتہ مانگنے آیا تھا لاکھوں کا حق مہر، بنگلہ، زیور وہ حق مہر میں دے رہا ہے اور کیا چاہیے ایک لڑکی کو۔''

''تمہیں کتنا دے رہے ہیں۔'' اس کے کہنے پر غلام عباس کرختگی سے بولے تو وہ نظریں چرانے لگا، غلام عباس استہزائیہ مسکرائے۔

''ایسے ہی فائدے کے لیے تم نے اپنی بہن کا بھی سودا کیا تھا لیکن زیمل کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا، وہ لاکھوں کا حق مہر دے رہا ہے، میں زیمل کا کروڑوں کا حق مہر لکھواؤں گا زیمل ہماری بیٹی ہے اور ہماری ہی رہے گی چلو زیمل، سامان لے آؤ اپنا۔''

''یہ نہیں جائے گی عباس صاحب۔'' وحید زیمل کی طرف بڑھا تو وہ مزید شاہانہ کے ساتھ چمٹ گئی۔

''پھوپھو! مجھے یہاں سے لے جائیں مجھے یہاں چھوڑ کر مت جانا۔،، اس کے کہنے پر غلام عباس نے چونک کر دیکھا جبکہ وحید اور اس کی بیوی نے خوں خوار نظروں سے گھورا۔

''تم ہمارے ساتھ جاؤ گی میری جان، بے فکر رہو۔'' شاہانہ نے اس کے گرد اپنا حصار مزید سخت کرلیا اور کھا جانے والی نظر سامنے کھڑے میاں بیوی پر ڈالی۔

''زیمل کو ہاتھ بھی مت لگانا وحید! ورنہ کتے کی طرح گھسیٹ کر ماروں گا۔''

''آپ امیر ہوں گے تو اپنے گھر میں ہوں گے یہ ہمارا علاقہ ہے، میں ابھی بازل صاحب کو فون کرتا ہوں۔'' غلام عباس نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر مکا جڑ دیا وہ کراہ کر زمین پر گرا۔

''غفور!'' ان کے زور سے آواز دینے پر ان کے ساتھ آئے تین گارڈز فوراً اندر آئے۔

''اس آدمی کی زبان بہت چل رہی ہے اسے ذرا اچھی طرح لگام ڈالو۔'' ان کے کہنے کی دیر تھی وہ اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے اس کے پیچھے اس کی چیختی ہوئی بیوی تھی۔

''چلو میں پیکنگ میں تمہاری ہیلپ کرواتی ہوں۔''

پندرہ منٹ بعد، جب وہ باہر آئی وحید زخمی حالت میں کرسی پر بیٹھا تھا جبکہ اس کی روتی ہوئی بیوی اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''تمہیں زندہ اور چلنے کے قابل اس لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں کیونکہ تم نے ہماری بہو کو اتنے عرصے اپنے گھر رکھا کھلایا، پلایا پڑھایا۔'' انہوں نے بہو پر زور دے کر کہا ''زیمل اور فرحانہ کی وجہ سے تمہارا لحاظ کیا ہے ورنہ بہن بیٹیوں کا سودا کرنے والے لوگ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتے۔،، کہہ کر انہوں نے شاہانہ اور زیمل کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

جس طرح آتے ہوئے گاڑی میں مکمل خاموشی تھی جاتے ہوئے بھی ویسی ہی خاموشی تھی، بس فرق یہ تھا اب کی بار شاہانہ کی سوچوں کا مرکز ماضی کی یادیں نہیں بلکہ اپنے پہلو سے لگا وجود تھا۔ خوب صورتی ان کے خاندان کی پہچان تھی۔ عورتوں سے لے کر مرد تک اپنی مثال آپ تھے لیکن زیمل کے چہرے پر، حسن کے ساتھ معصومیت اتنی زیادہ تھی کہ دیکھنے والا حیران رہ جائے۔ انہیں جانے کیوں حارث کے فیصلے پر افسوس ہوا اس نے دیکھے بنا ایک ہیرے کو ٹھکرا دیا تھا وہ جانتی تھیں۔ اگر عباس بھائی ضدی ہیں تو حارث بھی ان کا بیٹا تھا۔

وہ باپ بیٹے کی ضد میں اس معصوم کی زندگی برباد نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے سوچ لیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ رکھیں گی بلکہ اپنے ساتھ کینیڈا لے جائیں گی۔ اس کا حق تھا اسے چاہا جائے اگر عباس بھائی نے، زبردستی اسے حارث کے پلے باندھنے کی کوشش کی تو وہ ایسا نہیں ہونے دیں گی۔ ان کی شہزادی کے لیے ضرور ایک شہزادہ ہوگا جو اسے سر آنکھوں پر بٹھائے گا، اسے اتنی عزت محبت دے گا کہ وہ اپنے دکھ بھول جائے گی۔

انہوں نے پیار سے اس کے گرد اپنے بازو کا گھیرا مضبوط کیا اور اس کے سر کو چوما۔ وہ سوچ چکی تھیں وہ اسے کینیڈا لے جائیں گی اس سوچ نے جیسے انہیں پرسکون کر دیا تھا۔ اب وہ نہیں جانتی تھیں وہ شہزادہ کون ہے پر یہ یقین تھا کہ وہ ضرور ہوگا۔

☆☆☆

لانگ کوٹ پہنے، مفلر کو گردن پر لپیٹے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں گھسائے وہ تیز تیز قدموں سے چلتا اسٹیشن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سردی اس قدر تھی کہ ناک کے ساتھ کان بھی سرخ ہو گئے تھے جبکہ آنکھوں میں مرچیں لگ رہی تھیں، اس نے جیب سے ہاتھ نکال کر مفلر کو ناک اور ہونٹوں کے گرد لپیٹ لیا۔ ٹرین آ چکی تھی اس کے قدموں میں مزید تیزی آ گئی اور اگلے ہی منٹ، وہ بھاگ کر ٹرین میں سوار ہوا اس کے سوار ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا اس نے بے ساختہ شکر ادا کیا۔ ایک لمحے کی تاخیر اسے لیٹ کروا سکتی تھی اگلی ٹرین آدھے گھنٹے بعد تھی اور

ٹرین سے اتر کر بھی اسے پندرہ منٹ مزید چلنا تھا، سیٹ پر بیٹھ کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ روز کے وہی مخصوص نظارے وہی سڑکیں وہی عمارتیں۔

وہ بے خیالی میں ہر گزرتے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ تب ہی اس کے سامنے والی سیٹ پر کوئی آ کر بیٹھا تو اس نے سرسری نظر سامنے ڈالی لیکن اس پر نظر پڑتے ہی اس کی نظر، ایک پل کے لیے ٹھہری تھی اس کے یوں چونکنے پر سامنے بیٹھی لڑکی مسکرائی اور اخلاق کا تقاضا یہی تھا کہ وہ بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیتا جواباً وہ ہلکا سا مسکرا کر، دوبارہ باہر دیکھنے لگا لیکن اب کی بار باہر کے آتے جاتے نظاروں پر اس کا انہماک قابل دید تھا۔

دو ہفتوں سے ایسا ہو رہا تھا کہ اس کے بیٹھتے ہی پتا نہیں یہ لڑکی کہاں سے نکلتی بالکل اس کے ساتھ یا سامنے والی سیٹ پر براجمان ہو جاتی تھی اب پتا نہیں یہ اتفاق تھا یا اس لڑکی کا کوئی پلان پر جو بھی تھا وہ بہت ان کمفرٹیبل محسوس کرتا تھا۔ اس لڑکی نے ایک دو بار اس کی طرف دیکھا لیکن اس کو مسلسل باہر دیکھتا پا کر وہ سر جھٹک کر اپنے فون میں مصروف ہو گئی۔

ٹرین سے نکل کر پھر اسی سردی نے اس کا استقبال کیا جو ہڈیوں میں گھس رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا آفس کی بلڈنگ کے قریب پہنچتے ہی اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھا ، ابھی آفس ٹائم میں پندرہ منٹ تھے۔ وہ آفس میں داخل ہونے کی بجائے سامنے بنے کیفے میں آ گیا۔ اپنے لیے ایک کافی اور سینڈوچ کا آرڈر دے کر، وہ گلاس ڈور کے پاس کھڑا ہو کر باہر کے سرد موسم کو دیکھنے لگا تب ہی اس کا موبائل بجا اس نے چونک کر کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا اور اسکرین پر نظر آتا نمبر دیکھ کر سر کو جنبش دیتے ہوئے موبائل کو آن کیا، اس کے ہیلو بولتے ہی دوسری طرف سے وہ شروع ہو گیا۔

"کہاں ہو تم، ٹائم دیکھا ہے۔"

"پتا ہے مجھے۔" وہ اکتا کر بولا۔

"میں پہنچ گیا ہوں سامنے کیفے میں ہوں۔"

"وہاں پر کیا کر رہے ہو۔" دوسری طرف سے حیرت سے پوچھا گیا۔

"گانا لگا ہے اس پر ناچ رہا ہوں۔" اس کے جلے ہوئے انداز پر وہ مزے لیتا بولا۔

"اچھا واقعی واہ، کیا نظارہ ہو گیا تو وہی رک میں بس ابھی آ رہا ہوں۔" ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ ضامن نے افسوس سے سر ہلایا اور کاؤنٹر سے سینڈوچ اور کافی کا کپ اٹھا کر، باہر دروازے تک آیا جب شیشے کے دروازے کے پار سے اسے فرقان تیز تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا۔

"اگر پیٹ پوجا کا پروگرام تھا تو مجھے بھی بتا دیتا۔" وہ اسے گھورتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔ جب وہ اپنا سینڈوچ اور کافی لے کر آیا ضامن اپنا سینڈوچ ختم کر چکا تھا۔ فرقان اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا وہ بڑے بڑے نوالے لیتا اپنا سینڈوچ ختم کر رہا تھا "فرقان آہستہ کھاؤ کوئی تمہارے پیچھے پڑا ہے کیا۔" ضامن نے الجھن سے اسے بڑے بڑے بائٹ لیتے دیکھ کر ٹوکا۔

"یہی سمجھ لو۔" فرقان نے کہنے کے ساتھ کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف اشارہ کیا جہاں پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ وہ دونوں اپنے کافی کے مگ لیے تیزی سے چلتے آفس بلڈنگ میں داخل ہوئے۔ لفٹ میں داخل ہوتے ہی ضامن نے ففتھ فلور کا بٹن دبایا۔

"آج تمہاری پریزینٹیشن تھی۔" فرقان نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں یار، اسے بناتے ہوئے ہی رات ہو گئی لیٹ سویا تو صبح بمشکل آنکھ کھلی ناشتا بھی اسکیپ کرنا پڑا تب ہی تو یہاں آ کر سینڈوچ لیا۔" اس نے بچی ہوئی کافی کا لمبا سا سپ لے کر خالی کپ قریب رکھے ڈسٹ بن میں پھینکا۔

pklibrary.com

''شام کا کیا پروگرام ہے۔'' اپنے کیبن کی طرف جاتے ہوئے فرقان نے ضامن سے پوچھا۔
''میرا تو کوئی پروگرام نہیں' کیوں تمہارا کوئی پروگرام ہے۔'' وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔
''ہاں مووی کا موڈ ہو رہا تھا۔''
''آج مشکل ہے یار۔'' اس نے معصوم سامنہ بنا کر اسے دیکھا تو فرقان مسکرا کر اپنے کیبن کی طرف مڑ گیا۔ پینتالیس منٹ کی پریزینٹیشن کے بعد جب وہ کانفرنس روم سے باہر نکلا تو وہ بہت ریلیکس تھا۔ پریزینٹیشن اس کی امید سے زیادہ اچھی ہوئی تھی۔ وہ زیرلب گنگناتا ہوا ان کے روم میں داخل ہوا اور اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے، ریلیکس ہو کر سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ لیکن یہ وقفہ چند لمحوں کا تھا۔ اس کے موبائل کی بیل بجی تو اس نے آنکھیں کھول کر اسکرین کی طرف دیکھا۔ جہاں علیزہ کا نام جگمگا رہا تھا اس نے مسکرا کر انگلی سے اسکرین کو ٹچ کیا۔
''ہیلو۔''
''کیسے ہو اور پریزینٹیشن کیسی رہی۔'' وہ پوچھ رہی تھی۔
''بہت اچھی۔'' وہ خوشی سے بولا۔
''او تھینکس گاڈ ورنہ کل تو تم اتنے ٹینس تھے کہ میں بھی ٹینس ہو گئی۔ خیر اب اس بات پر ڈنر تو بنتا ہے اور پلیز کوئی بہانہ نہ کرنا۔'' وہ واقعی اسے منع کرنے کے لیے کوئی بہانہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے ٹوکنے اور اتنے درست اندازے پر وہ مسکرا کر بولا۔
''او کے شام کو سات بجے'' اسے ٹائم اور جگہ بتا کر اس نے فون بند کر دیا اور لیپ ٹاپ آن کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ گلاس ڈور ناک ہوا تو اس نے اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر سامنے دیکھا جہاں فرقان کھڑا تھا۔
''ابھی بزی ہو۔'' اسے ہنوز لیپ ٹاپ پر کام کرتا دیکھ کر اس نے پوچھا۔
''نہیں بس بند کر رہا تھا۔'' وہ جلدی سے لیپ ٹاپ بند کر کے بیگ میں رکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ٹیبل پر پڑا موبائل اٹھا کر اس نے سائیڈ پر ہینگ کوٹ اتار کر اپنے بازو پر رکھا اور فرقان کے ساتھ باہر آ گیا۔
''مووی کا کیا پروگرام ہے۔'' اس کے پوچھنے پر فرقان نے ترچھی نظروں سے اسے گھورا۔
''خود ہی تو منع کر دیا تھا۔''
''ہاں پر اب میرا موڈ بن گیا ہے۔''
''واہ عالی جاہ، کیا بات ہے آپ کے موڈ کی۔'' فرقان نے جیسے اس کا مذاق اڑایا۔
''یہ ہم جا کہاں رہے ہیں۔'' میٹرو کی بجائے جب ضامن نے ٹیکسی رکوائی تو فرقان نے حیران ہو کر پوچھا
''مووی دیکھنے لیکن پہلے علیزہ کو پک کرنا ہے۔''، فرقان نے اب تپ کر اسے دیکھا۔
''تم نے علیزہ کے ساتھ مووی دیکھنی تھی تو مجھے کیوں ساتھ لے کر جا رہے ہو۔'' وہ چیخ کر بولا تو ضامن نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔
''اس میں اتنا چیخنے والی کیا بات ہے وہ تمہیں کھا تو نہیں جائے گی دوست ہے ہماری۔''
''ہاں دوست ہے اور تمہاری وہ دوست سے زیادہ ہے تو تم اپنی اس رومانٹک ڈیٹ میں مجھے کیوں ہڈی بنا کر لے جا رہے ہو۔'' فرقان کو ضامن کا یہ پلان بالکل پسند نہیں آیا تھا۔
''علیزہ میری دوست ہے بقول تمہارے میری خاص دوست ہے لیکن اس کی یا کسی اور کی وجہ سے میں خود کے قریبی رشتوں کو اگنور کر دوں یہ ممکن نہیں تم اچھی طرح جانتے ہو میرے لیے ڈیڈی، ماما اور تم میری لائف میں

سب سے اہم ہو کسی اور کے آنے سے ہمارے رشتے میں فرق نہیں پڑنا چاہیے۔" اب کی بار ضامن کا انداز اور لہجہ اتنا قطعی اور سنجیدہ تھا کہ فرقان اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے یار، لیکن لڑکیاں ذرا اس معاملے میں حساس ہوتی ہیں، ہوسکتا ہے وہ کچھ ٹائم تمہارے ساتھ الگ سے گزارنا چاہتی ہو میرا یوں درمیان میں رہنا اچھا نہیں لگتا اور میں کون سا دور ہوں' ہر روز ہم ساتھ ہی ہوتے ہیں۔" فرقان نے اسے کچھ سمجھانا چاہا کیونکہ آخری دو ملاقاتوں میں اس نے محسوس کیا تھا۔ علیزہ کو ہر جگہ اس کا ضامن کے ساتھ رہنا اچھا نہیں لگتا۔

"جس کو اچھا نہیں لگتا وہ نہ ملے مجھ سے۔" ضامن دوٹوک لہجے میں کہہ کر بات ختم کر گیا تو فرقان نے گہرا سانس لیا۔ گاڑی سے اترتے ہی فرقان نے دور سے ہی علیزہ کو دیکھ لیا جو بلیو جینز پر پیلا ٹاپ اور کالا کوٹ پہنے یقیناً ضامن کی منتظر تھی۔ ان دونوں کو آتا دیکھ کر علیزہ کی مسکراہٹ ایک پل کے لیے سکڑی تھی۔ لیکن ان کے قریب پہنچنے پر وہ خوش دلی سے ملی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں تھا کہ فرقان بھی تمہارے ساتھ آرہا ہے۔" ضامن جو اپنے موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا چونک کر علیزہ کو دیکھا۔

"کیوں تمہیں اچھا نہیں لگا۔" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں ایسا تو کچھ نہیں ویسے ہی پوچھا ہے۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"دیکھو میں بالکل کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا یہ زبردستی مجھے ساتھ لے کر آیا ہے۔" فرقان نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی صفائی دی۔

"خیر مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہاری رومانٹک ڈیٹ خراب ہوگئی۔" فرقان کا انداز شرارتی تھا۔ عائزہ نے ایک جتاتی نظر ضامن پر ڈالی لیکن وہ اب بھی موبائل پر بزی تھا۔ تو وہ طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر فرقان کو دیکھنے لگی۔

"بے فکر رہو جیسا تم سوچ رہے ہو ویسا کچھ نہیں تم اگر یہاں نہ بھی ہوتے تو بھی موصوف ایسے ہی پائے جاتے۔" اس نے اس کے مسلسل موبائل پر گم ہونے پر چوٹ کی۔

"ویسے میں بھی حیران ہوں اتنی خوب صورت لڑکی کے ہوتے کوئی اتنا لاتعلق کیسے ہوسکتا ہے۔" فرقان نے ضامن کی طرف کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے جیسے علیزہ کو بھڑکایا تھا۔

"یہ بات تم اپنے دوست کو سمجھاؤ۔" اس نے بھی جیسے خود کو اگنور کرنے کی شکایت فرقان کو لگائی تھی۔

"خیر میں تمہیں ایک پتے کی بات بتاتا ہوں۔" فرقان نے قدرے آگے ہو کر رازداری والا انداز اپنا کر سسپنس پھیلایا۔

"یہ شروع سے ہی ایسا ہے بدذوق، اتنی خوب صورت لڑکیاں اس کی کلاس فیلو تھیں، بلکہ اس سے دوستی بھی کرنا چاہتی تھیں لیکن۔" فرقان نے برا سا منہ بنایا۔

"اور ہمارے آفس میں لزا، انڈیا سے جوہی، پاکستان کی اقرا اتنی حسین لڑکیاں ہیں۔ سب اسے گھاس ڈالنے کو تیار ہیں لیکن موصوف کو گدھا بننا منظور نہیں۔" وہ مایوسی سے بولا تو اب کی بار علیزہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اس کا مطلب ہے میں لکی ہوں۔" وہ اترا کر بولی۔

"آف کورس۔" فرقان نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"لیکن پھر بھی میرا مشورہ ہے ایک بار سوچ لو۔" اب کی بار وہ پھر شرارت سے بولا۔

"سوچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ گہری نظروں سے ضامن کو دیکھتے ہوئے بولی۔ تب ہی ضامن

نے گہرا سانس لے کر موبائل بند کیا۔
"اگر تم لوگوں کی باتیں ختم ہوگئی ہوں تو چلیں مووی شروع ہونے والی ہے۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا تو علیزہ بھی پرس کندھے پر ڈال کر اس کے ساتھ چلنے لگی جبکہ فرقان مسکراتا ہوا ان کے پیچھے تھا۔

☆☆☆

جس وقت وہ لاہور کی حدود میں داخل ہوئے مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ زیمل کی آنکھ کھل چکی تھی وہ اب حیرت اور دلچسپی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی، پھر تھک کر اس نے دوبارہ رخ موڑ کر شاہانہ کو دیکھا۔ اس کے دیکھنے پر شاہانہ نے پیار سے اس کا چہرہ سہلایا۔
"نیند پوری ہوگئی۔"
"تھوڑی سی پھوپھو، گھر کب آئے گا؟"
"لو آ گیا ہے۔" اس نے سر گھما کر دیکھا' گاڑی کے ہارن دیتے ہی گیٹ کھلا اور گاڑی وسیع و عریض ڈرائیو وے میں داخل ہوئی شان دار عمارت اس کے سامنے تھی، باہر نکلتے ہی نظر دور تک پھیلے خوب صورت لان پر گئی۔ اتنا بڑا شان دار گھر دیکھ کر اس نے گھبرا کر تھوک نگلا۔
"آؤ بیٹا۔" اسے یونہی کھڑا دیکھ کر شاہانہ نے اس کا ہاتھ پکڑا جو بالکل ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔
"گھبرانے کی بات نہیں یہ تمہارا گھر ہے یہاں سب تمہارے اپنے ہیں۔" ان کے کہنے پر اس نے دوبارہ سامنے نظر ڈالی اس نے سنا تھا کہ اس کے ددھیال والے بہت امیر ہیں لیکن اسے ان کی امارت کا اندازہ نہیں تھا، وہ ہمیشہ کسمپرسی کی حالت میں رہی تھی اتنے بڑے گھر نے، اس پر دہشت قائم کر دی تھی پتا نہیں اس میں رہنے والے اس کو قبول کریں گے یا نہیں وہ سو وسوسے لیے گھر کے اندر داخل ہوئی۔
کمرے سے نکلتے نفیسہ کی نظر اندر آتے غلام عباس پر پڑی۔
"السلام علیکم خیریت سے پہنچ گئے آپ۔" وہ آگے بڑھیں تب ہی ان کی نظر غلام عباس کے پیچھے شاہانہ اور ان کے بازو سے لگی لڑکی پر پڑی۔ اس کو دیکھ کر ایک پل کے لیے وہ حیران ہوئیں، اگلے ہی پل وہ مسکراتی ہوئیں آگے بڑھیں۔
"بھابھی پہچانا!" شاہانہ نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔
"میں تو دیکھتے ہی پہچان گئی تھی اپنی زیمل کو۔" انہوں نے کہتے کے ساتھ اس کا ماتھا چوما، وہ اتنی محبت پر سامنے کھڑی اس شفیق عورت کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔
"یہ تمہاری تائی ہیں۔" شاہانہ نے اس کی مشکل آسان کی۔
"زیمل، اب یہیں ہے جی بھر کر باتیں کر لینا فی الحال کھانا لگواؤ۔" غلام عباس کے کہنے پر نفیسہ نے سر ہلا کر شاہانہ کو دیکھا۔
"ہم فریش ہو کر ابھی آتے ہیں بھابھی، چلو زیمل پہلے فریش ہو جاؤ پھر سب سے مل لینا۔" شاہانہ کے کہنے پر وہ ان کے پیچھے چل دی۔ باتھ لینے کے بعد وہ خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی، نم بالوں کو چوٹی میں باندھ کر اس نے اچھی طرح دوپٹہ سر پر اوڑھا اور ارد گرد دیکھتے ہوئے شاہانہ کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔ بیڈ پر بیٹھی وہ ہر چیز کو بہت اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ دروازہ کھلنے پر وہ جلدی سے کھڑی ہوئی۔
"بھوک لگی ہوگی تمہیں" ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے بالوں میں برش کرتے ہوئے شاہانہ نے پوچھا تو اس نے جلدی سے سر ہلایا اسے واقعی بہت بھوک لگی تھی۔
"چلو بھئی کھانا کھاتے ہیں یقیناً انوری آپا نے کچھ مزے کا بنایا ہوگا۔" وہ ڈائننگ روم میں آئیں تو نفیسہ

pklibrary.com

کے ساتھ سرور اور گلشن کھانا لگوا رہی تھیں۔ شاہانہ کے ساتھ آتی زیمل کو دونوں نے چونک کر دیکھا ان کے یوں گھورنے پر نفیسہ نے گلہ کھنکھارا تب ہی غلام عباس صاحب نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
''جی بابا۔'' اسے گھر واقعی بہت پسند آیا تھا۔
''اچھی بات ہے اب تمہیں یہیں رہنا ہے۔'' ان کے کہنے پر زیمل نے سر ہلایا جبکہ شاہانہ نے سنجیدہ نظر بھائی پر ڈالی جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔
''حارث کا فون آیا تھا۔'' حارث کے نام پر زیمل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔
''آیا تھا کہہ رہا تھا کام زیادہ ہے کچھ دن اور لگ جائیں گے، آپ کو بھی فون کیا تھا پر آپ سے رابطہ نہیں ہو سکا۔''
''ہاں وہاں سگنل کا ایشو تھا۔'' تب ہی ہالہ اور حماد سلام کرتے ایک ساتھ اندر داخل ہوئے، وہ دونوں معمول کی طرح اپنی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئے لیکن سامنے نظر پڑتے ہی حیران ہوئے۔
''یہ زیمل ہے اور زیمل، یہ ہالہ ہے اور یہ حماد تمہارے کزن۔'' عباس صاحب کے تعارف کروانے پر زیمل نے نظر اٹھا کر سلام کیا لیکن پھر فوراً نظر جھکا لی کیونکہ وہ دونوں اسے دیکھ کم اور گھور زیادہ رہے تھے۔
''کھانا شروع کرو۔'' ان کے یوں دیکھنے پر عباس صاحب کی تنبیہی آواز گونجی تو وہ دونوں فرماں برداری سے اپنی پلیٹوں پر جھک گئے۔ لیکن دونوں کے دل میں کھد بد مچی تھی لیکن حماد کی زبان میں پھر بھی بڑی شدت سے کھجلی ہو رہی تھی اسے صرف عباس صاحب کے اٹھنے کا انتظار تھا۔
''یہ سرور کو کتنی دفعہ کہا ہے۔ کپڑے نیچے صحن میں سکھانے کے لیے ڈالا کرو، پر مجال ہے یہ عورت کوئی بات دھیان سے سن لے۔ اب اتنی رات کو مجھے سیڑھیاں چڑھ کر آدھا گھنٹہ لگا کر کپڑے اتارنے پڑے ہیں۔'' انوری بوا ہمیشہ کی طرح، دور سے ہی بولتی ہوئی اندر داخل ہوئیں پھر سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر ابرو اچکائے۔
''اب یوں گھور کیا رہے ہو مجھے کچھ غلط کہا ہے میں نے۔'' سب پر باری باری غصیلی نظر ڈالتے ان کی نظر زیمل پر گئی تو پھر ٹھہر سی گئی۔
''یہ۔'' وہ کہتے دو قدم آگے ہوئیں شاہانہ نے شرارت سے ان کا حیران چہرہ دیکھا۔
''یہ ایاز کی بیٹی ہے۔'' انہوں نے قریب آتے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا، زیمل کی آنکھیں اتنی محبت پر بے ساختہ نم ہوئیں، یہاں آتے ہوئے دل میں سو طرح کے وسوسے تھے۔ ممانی نے ہمیشہ یہی کہا تھا۔ اس کے ددھیال والے اس سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی اور وہ کبھی اسے نہیں اپنائیں گے۔ لیکن جب سے وہ ان سب سے ملی تھی حیران ہو رہی تھی۔
''نفیسہ! یہ تو بالکل اپنی ہالہ کی کاپی ہے بس انیس بیس کا فرق ہے۔'' انہوں نے اس کی سبز آنکھیں دیکھنے کے بعد خود ہی انیس بیس کی وضاحت کر دی تو ہالہ کے ساتھ حماد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
''چلو اچھا ہے نا انور، تمہارے پاس دو دو گڑیا ہوں گی۔'' نفیسہ بھی شرارت سے بولیں تو انوری بوا نے ایک نظر ہالہ کو دیکھا اور مسکرا کر اس کی طرف بڑھیں۔
''بے شک وہ بھی میری گڑیا ہے لیکن میری لاڈو تو یہی ہے۔'' انہوں نے ہالہ کا ماتھا چوما تو ہالہ ان سے لپٹ گئی۔
''میری بوا۔'' وہ حماد کو منہ چڑھا کر بولی۔
''فکر مت کرو تمہارے اکلوتے لاڈلے ہونے کے دن ختم ہو گئے۔ تمہاری جوڑی دار آ گئی ہے۔'' حماد نے

آنکھ سے زیمل کی طرف اشارہ کیا جو اشتیاق سے سب کو دیکھ رہی تھی، ہالہ خود اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

''زیمل! کون سی کلاس میں پڑھتی ہو۔'' ہالہ کے سوال پر وہ گھبرا گئی تھی۔

''میں نے ایف اے کے ایگزیمز دیئے تھے۔ پاس بھی ہو گئی تھی۔''

''کون سے کالج سے۔''

''پرائیویٹ دیئے تھے، ماموں نے کہا۔ کالج کی فیس کے پیسے نہیں، ساتھ والے گھر میں صفیہ آنٹی کی بیٹی تھی اس کے پاس جو بکس تھیں۔ ان ہی سے پیپرز دیئے تھے۔'' وہ نارمل انداز میں بتا رہی تھی پر وہاں سب افسردہ ہو گئے تھے۔

''اوہ یہ تو بہت اچھی بات ہے، اس کا مطلب ہے تم بہت انٹیلی جنٹ ہو۔ اس طرح کالج جائے بغیر ایگزیمز دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

''واقعی۔'' ہالہ کے کہنے پر اس نے نظریں اٹھا کر اشتیاق سے پوچھا۔ ایک دم آنکھوں کے ساتھ اس کا چہرہ بھی جگمگانے لگا تھا۔

''پھوپھو، یہ تو غضب کی خوب صورت ہے بھائی کی تو بیٹھے بیٹھائے لاٹری نکل آئی۔'' حماد نے ان کے کان میں سرگوشی کی تو پہلے انہوں نے زیمل کو دیکھ کر ماشاء اللہ کہا اور پھر ایک زوردار چپت حماد کے بازو پر ماری۔

''اب اس کے سامنے کوئی فضول بکواس نہ کرنا۔''

''کیوں غلط کیا ہے، ہماری ہونے والی بھابھی ہے۔''

''ہاں ہونے والی پر ہوئی نہیں، قبل از وقت بات کرنے کی ضرورت نہیں ابھی اسے یہاں سیٹ ہونے میں ٹائم لگے گا۔ جب وقت آئے گا تب دیکھیں گے تم بھی پلیز اپنی چونچ بند رکھنا۔'' حماد تو ہنس کر بات ٹال گیا تھا لیکن پاس بیٹھی نفیسہ نے چونک کر شاہانہ کو دیکھا لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔

''پھوپھو، اب میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔'' تکیے پر سر رکھتے زیمل نے پوچھا تو موبائل پر میسج کرتی شاہانہ نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

''اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو ضرور میری جان تم رہ سکتی ہو۔''

''میں سمجھی نہیں پھوپھو۔'' وہ الجھ کر انہیں دیکھنے لگی۔

''میرا گھر کینیڈا میں ہے ابھی تمہارے انکل یہاں شفٹ ہونے کا سوچ رہے ہیں، گھر لیا ہے یہاں پر ابھی کچھ کام ہو رہا ہے، جب کام مکمل ہو جائے گا جنید اور بچے آ جائیں گے تو میں اپنے گھر شفٹ ہو جاؤں گی۔''

''اور میں'' ان کے جانے کا سن کر وہ روہانسی ہوئی۔

''وہ بھی تمہارا گھر ہے لیکن تمہارا اصل گھر یہ ہے عباس بھائی کبھی بھی تمہیں میرے ساتھ جانے نہیں دیں گے۔ پھر یہاں سب ہیں تمہاری تائی نفیسہ، بہت اچھی ہیں۔ انور آپا، ہالہ، حماد سب بہت اچھے ہیں۔'' انہوں نے حارث کا نام نہیں لیا تھا۔

''اور میں بھی آتی رہوں گی اگر پھر بھی تمہارا دل نہیں لگا تو میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گی پر میرے بچے ایان اور رجا بہت شرارتی ہیں۔'' ان کی بات سن کر وہ مسکرائی'' اب سو جاؤ میں تمہارے انکل کو فون کر کے آتی ہوں۔''

ان کے اٹھنے پر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کتنے عرصے بعد، وہ یوں پرسکون ہو کر لیٹی تھی کوئی ڈر نہیں تھا اسے جو ڈر تھے وہ یہاں آتے ہی بھاگ گئے تھے۔ جس طرح سب لوگوں نے اسے اتنی محبت سے اپنایا تھا اسے یقین تھا، جس کے ساتھ اس کا سب سے قریبی رشتہ ہے وہ بھی اسے اپنی زندگی میں اتنی ہی خوشی سے ویل کم

کرے گا۔ اسے اب حارث کا انتظار تھا۔ نیند میں اترنے سے پہلے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، وہ جب فون سن کر آئیں تو زیمل گہری نیند میں تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ لیٹ گئیں۔ اس کے بال سہلاتے ہوئے وہ بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگیں وہ واقعی ہالہ سے بہت ملتی تھی انیس بیس کا فرق تھا۔ انوری آپا کی بات سوچ کر مسکرا دیں ہالہ کی آنکھیں ہیزل براؤن تھیں ویسے ہی براؤن کرلی بال، تیکھی ناک، گورا رنگ، درمیانہ قد خوب صورت متناسب جسامت جبکہ زیمل کی آنکھیں سبز کا ہی مائل تھیں۔ بال براؤن تھے پر ریشمی چمک دار، ناک نہ موٹی تھی اور نہ پتلی، رنگ گورا، بھرے بھرے گال قد اس کا ہالہ جتنا تھا لیکن ہالہ کے مقابلے میں، وہ دبلی پتلی تھی اس کا گال چوم کر وہ سیدھی لیٹ گئیں۔ بیٹیاں تو ساری پیاری ہوتی ہیں بس مقدر خوب صورت ہونے چاہیے۔ وہ ہلکے سے بڑبڑائیں اور آنکھ میں آنے والی نمی صاف کر کے گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

رات شاید کافی سکون سے سوئی تھی شاید اسی لیے آنکھ دیر سے کھلی، اس کی نظر پہلے کمرے پر پڑی تو وہ تیزی سے اٹھی لیکن پھر ساتھ لیٹی شاہانہ کو دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا۔ نظر سامنے لگی گھڑی پر پڑی جہاں صبح کے آٹھ بج رہے تھے، اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ اس کی فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی بلکہ کل سے روٹین کے ساتھ جیسے ساری زندگی بھی بدل گئی تھی۔ وہ فریش ہو کر باہر آئی تو شاہانہ اب بھی سو رہی تھیں۔ وہ باہر آئی تو اسے لگا سب ابھی سو رہے ہوں گے لیکن اس کے اندازے کے برخلاف وہ سب اٹھے ہوئے تھے اس پر سب سے پہلی نظر غلام عباس کی پڑی۔

''آؤ زیمل!'' ان کے پکارنے پر وہ سلام کرتی ان کے سامنے بیٹھ گئی وہ چائے پی رہے تھے اور تیار تھے شاید کہیں جا رہے تھے۔

''ہالہ نے آج تمہارے لیے چھٹی کی ہے اس کے ساتھ سارا دن گزارو، گھر دیکھو، کسی بھی چیز کی ضرورت ہو اپنی تائی سے کہہ سکتی ہو اور ایک دن آرام کرو، اس کے بعد پرسوں حماد کے ساتھ کالج جا کر اپنا ایڈمیشن کرواؤ، سبجیکٹ جو تمہیں پسند ہوں اگر سمجھ نہ آئے تو ہالہ یا حماد سے مشورہ کر لینا۔ ایک بات اور۔'' انہوں نے اس کی اڑی رنگت دیکھی۔

''میری طرف سے کوئی پابندی نہیں سوائے اس کے کہ کبھی تمہاری وجہ سے میرا سر جھکنا نہیں چاہیے، باہر جب تم نکلتی ہو تو یہ یاد رکھنا تمہارے ساتھ ہماری عزت جڑی ہے جس کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔ کالج تم پڑھائی کرنے جاؤ گی اور بس وہی کرو گی فضول کی دوستیاں مجھے پسند نہیں یہ بات میں نے ہالہ سے بھی کی تھی اور تم سے بھی کہہ رہا ہوں، ہالہ نے مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا اور امید کرتا ہوں تم بھی ایسا ہی کرو گی۔''

''جی۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''چلتا ہوں، نفیسہ حماد اٹھا کہ نہیں۔''

''جی بابا، میں ریڈی ہوں۔'' وہ ڈریس پینٹ اور کوٹ میں تیار ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''ہاں چلو اور کل زیمل کا فارم لے آنا اور کلاسیں شروع ہونے سے پہلے اس کا ایڈمیشن ہو جانا چاہیے۔''

''جی بابا۔'' اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔ ان کے باہر نکلتے وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تو وہ بے ساختہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''بھابھی! یہ کام آپ کے شوہر نامدار کے کرنے والے تھے جو بابا مجھ پر ڈال رہے ہیں، تمہارے شوہر کی وجہ سے مجھ پر بہت ظلم ہوتے ہیں اب آ گئی ہو تو کچھ میرے لیے کرو، دیور بعد میں پہلے تمہارا کزن اور بھائی بھی ہوں۔'' اس کی تیز چلتی زبان پر وہ ہکا بکا، اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”کرو گی میری مدد اپنے شوہر نامدار کے خلاف۔“
”میں کیسے آپ کی مدد کر سکتی ہوں میرے تو کوئی شوہر نامدار نہیں۔“
وہ اتنی شرمندہ ہو کر بولی کہ حماد نے بے ساختہ اپنا سر پیٹا جبکہ ہالہ، جو کب سے اسے دیکھ رہی تھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
”اللہ یہ تو بالکل عقل سے پیدل ہے۔“ وہ افسوس کرتا باہر نکل گیا تو زیمل نے روہانسی ہو کر ہالہ کو دیکھا۔
”میں نے کچھ غلط کہا ہے۔“
”نہیں اس کی عادت ہے وہ ایسے ہی مذاق کرتا ہے تم ناشتا کرو گی یا پہلے گھر دیکھنا ہے۔“
”میں پہلے گھر دیکھوں گی۔“ وہ اشتیاق سے بولی سارا گھر دیکھنے کے بعد وہ کچن میں آئیں جہاں انوری بوا پہلے سے موجود تھیں۔
”آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے۔“ زیمل کے کہنے پر ہالہ نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا ”یہ ہمارا گھر ہی نہیں تمہارا بھی، تم بھی ہماری فیملی کا حصہ ہو۔“
”جی۔“ وہ ایک بار پھر ہاتھ مسلنے لگی۔
”چندا، کیا ناشتا کرو گی۔“
”میں۔“ زیمل نے حیران ہو کر انوری بوا کو دیکھا۔
”میں خود بنا لوں گی۔“ وہ آگے بڑھی تو انوری بوا نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔
”میں آپ کی مدد کر دیتی ہوں۔“ ان کی حیرت دیکھ کر اسے لگا کہ وہ برا مان گئی ہیں۔
”جیتی رہو بیٹا، آگے تم نے ہی سب سنبھالنا ہے ابھی اپنی بوا کے ہاتھ کا کھاؤ بتاؤ کیا بناؤں۔“ انہوں نے پیار سے اس کے گال کو چھوا۔
”جو آپ کا دل چاہے۔“
”چلو ٹھیک ہے پھر ہالہ کے لیے آملیٹ بنا رہی ہوں تمہارے لیے بھی وہی بنا دوں۔“
”جی۔“ وہ سر ہلا کر بولی۔
”ہالہ! میں آپ کو ہالہ بول سکتی ہوں۔“ زیمل نے آملیٹ کھاتے ہوئے ہالہ سے پوچھا تو اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
”جو تمہیں اچھا لگے زیمل! ہالہ، باجی، آپی۔“ اس کے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
”میرے جتنی ہو آپ۔ جی نہیں دو سال بڑی ہوں آپ سے۔“
”لیکن میں ہالہ کہوں گی۔“
”جیسے تم خوش“ ہالہ نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔
”ایک اور بات بھی کرنی تھی۔“
”ہاں بولو۔ بابا نے کہا مجھے کالج میں ایڈمیشن لینا ہوگا۔“ زیمل کے کہنے پر ہالہ نے سوالیہ نظروں سے اس کا گھبرایا چہرہ دیکھا۔
”تم آگے پڑھنا نہیں چاہتیں۔“ ہالہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا انوری بوا بھی سب چھوڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔
”نہیں ایسا نہیں ہے مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ لیکن مجھے ڈر لگتا ہے۔ ویسے بھی میں پڑھائی میں کچھ خاص اچھی نہیں ایف اے میں انگلش میں، میں بمشکل پاس ہوئی تھی۔“ وہ سر جھکا کر شرمندگی سے بولی تو ہالہ نے

pklibrary.com

انوری بوا کو دیکھا جو بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"ارے لڑکیوں سے کیا ڈرنا میں یونی ورسٹی میں پڑھتی ہوں، وہاں لڑکے بھی ہوتے ہیں پر مجھے تو ڈر نہیں لگتا کیونکہ انسان کو خود پر یقین ہونا چاہیے۔"
"مجھے خود پر یقین نہیں مجھے ڈر لگتا ہے لڑکیوں سے بھی۔" ہالہ کتنی دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔
"ہم سب تمہارے ساتھ ہیں تمہیں بالکل ڈرنے کی ضرورت نہیں اور رہی بات پڑھائی کی، حارث بھائی کا میتھ، انگلش، اکنامکس، ہسٹری سب بہت اچھا ہے حماد کی انگلش بہت اچھی ہے اور پھر میں ہوں اپنی تعریف میں خود نہیں کروں گی۔" اس کے شرارتی انداز پر وہ مسکرا اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔
"آپ بہت بہادر ہیں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہیں۔" اس نے آنکھیں بڑی کر کے یوں اسے دیکھا جیسے وہ لڑکوں کے ساتھ نہیں بلکہ خلائی مخلوق کے ساتھ پڑھتی ہو۔
"زیمل!" شاہانہ کی آواز پر وہ فوراً اٹھی۔
"آئی پھوپھو!" وہ فوراً بھاگی۔
"یہ بچی بہت معصوم ہے۔" انوری بوا نے اس کو جاتے دیکھ کر کہا۔
"اور بچی بھی۔" ہالہ نے مسکرا کر کہا اور اپنی چائے پینے لگی۔
☆☆☆
ہفتہ اتوار کو وہ ضرور جاگنگ کے لیے جاتا تھا لیکن چونکہ کل وہ گھر لیٹ آیا تھا، اسی لیے سویا بھی لیٹ تھا اور جب وہ اٹھا تو صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ سامنے لگی گھڑی پر نظر پڑتے وہ تیزی سے اٹھا۔ فریش ہو کر وہ نیچے آیا تو لاؤنج خاموش تھا جبکہ بیک یارڈ سے نور جہاں کی سریلی آواز آرہی تھی۔ ایک خوب صورت مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔ لیکن وہ وہاں جانے کے بجائے کچن میں آ گیا۔ اپنے لیے کافی بنا کر وہ اپنا مگ لے کر بیک یارڈ کی طرف آ گیا جہاں ہاشم علی پائپ لیے پودوں کو پانی دینے کے ساتھ نور جہاں کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔
"گڈ مارننگ۔" وہ ان کے بالکل پیچھے جا کر زور سے بولا تو وہ ایک دم اچھل کر مڑے نتیجتاً ان کے ہاتھ میں پائپ سے نکلتا پانی اسے کافی حد تک بھگو گیا اور اب کی بار وہ اچھل کر پیچھے ہٹا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
"یہ جو آپ نور جہاں کے ساتھ وقت گزار رہے ہیں یقیناً مما گھر پر نہیں ہیں۔" ضامن نے ان کی پشت دیکھتے ہوئے طنز کیا جو پائپ والا نل بند کر رہے تھے۔
"تمہیں گھر کی پر سکون فضا سے اندازہ نہیں ہو رہا کہ لیڈی ہٹلر گھر میں نہیں ہیں۔" وہ گیلے ہاتھ بالوں پر پھیرتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئے۔
"پر اتنی صبح کہاں گئی ہیں۔" وہ کافی کا سپ لیتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"برخوردار! صبح تمہارے لیے ہے، میڈم کے لیے تو آدھا دن ہو گیا تھا وہ یوگا کرنے کے بعد مجھے لیکچر دینے کے بعد بیوٹی سیلون کی طرف جا چکی ہیں۔" ضامن نے سن کر ابرو اچکائے۔ اس کے لیے نیا کچھ نہیں تھا وہ بچپن سے اپنی ماں کی یہی روٹین دیکھ رہا تھا وہ بہت ایکٹیو خاتون تھیں اور سب سے بڑھ کر انہیں خود کو مین ٹین رکھنے کا بہت شوق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس عمر میں بھی وہ جب ان کا بیٹا جوان تھا وہ اس کی بڑی بہن لگتی تھیں جبکہ ان کے برعکس، اس کے پاپا ایک سادہ اور شریف النفس انسان تھے۔
وہ شریف شوہروں کی طرح سارا دھیان اپنی بیوی پر، بیوی کی فرمائشوں پر دیتے تھے اور ان کو ناراض کرنا گویا گناہ سمجھتے تھے اور وہ یعنی ضامن علی ان کا اکلوتا سپوت وہ ان دونوں کا مکسچر تھا، ماں کی طرح خوب صورت تھا،

باپ کی طرح سادہ اور شریف تھا لیکن پھر بھی اسے لگتا تھا وہ مختلف تھے کیسے یہ وہ ابھی تک خود دریافت نہیں کر پایا تھا۔ اس کے ماں باپ دونوں تھوڑے تھوڑے ضدی تھے۔ لیکن وہ اکلوتا ہونے کی وجہ سے دونوں کی ضد ماننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف ماں ہوتی تھی اور دوسری طرف باپ وہ دونوں کو خوش رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے آج تک اس نے کبھی اپنی مرضی نہیں کی تھی" ہوا نا سیدھا سادا شریف النفس لڑکا۔"

"کیا سوچ رہے ہو۔" اسے خاموش دیکھ کر ہاشم علی نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی۔ "کچھ نہیں شام کے لیے کچھ پلان کر رہا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں برخوردار! اس کا انتظام تمہاری ماں کر چکی ہے۔"

"مطلب۔" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"پارٹی ہے شام میں، تمہاری چنکی پنکی منکی آنٹیاں آ رہی ہیں۔"

"او گاڈ۔" وہ جیسے کراہا۔

"ناٹ اگین ڈیڈی۔" وہ روہانسا ہو کر انہیں دیکھنے لگا جواباً وہ کندھے اچکا کر خود کو بری الذمہ قرار ہو گئے گئے۔ اس کا کافی کا مگ واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔ سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔ ہاشم علی نے اس کا چہرہ دیکھا تو مسکرا دیے۔

"یار، اس میں منہ بنانے والی کیا بات ہے تمہاری آنٹیوں کے علاوہ تمہاری ماں کی کچھ دوستیں اور ساتھ ان کی بیٹیاں بھی آ رہی ہیں انجوائے کرنا۔"

"ڈیڈی! پلیز آپ کو پتا ہے مجھے یہ سب نہیں پسند۔"

"پتا نہیں تم اتنے بدذوق کس پر گئے ہو۔" ہاشم علی نے برا سا منہ بنا کر کہا تو وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"مجھے تو لگا میں اس معاملے میں آپ پر گیا ہوں۔" "غلط فہمی ہے تمہاری برخوردار میں اپنی جوانی میں بڑا خوش دل اور رنگین مزاج آدمی تھا۔ یہ تو تمہاری ماں سے شادی کے بعد میرے اندر کا خوش دل مرد اپنی موت آپ مر گیا۔" ان کے افسردہ انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اس کا مطلب ہے کافی افیئر ز ہوں گے آپ کے۔" وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔

"بہت سی لڑکیاں مرتی تھیں مجھ پر۔" وہ فرضی کالر اٹھا کر بولے۔

"مما کو پتا ہے۔" وہ ابرو اچکا کر بولا۔

"توبہ کرو زندگی عذاب کرنی ہے میں نے اور تم بھی ماں کے چمچے اپنا منہ بند رکھنا۔" وہ اب اس سے بات کر کے دل ہی دل میں پچھتا رہے تھے۔

"خیر میری چھوڑو میں تو تمہاری ماں سے شادی کر کے پھنس گیا ہوں، تم بتاؤ تمہارے کیا ارادے ہیں۔"

"میرے ارادے نیک ہیں۔" وہ ان کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"مسکراہٹ سے لگ رہا ہے کسی کو پسند کرتے ہو۔" وہ شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" اس نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے کپ دوبارہ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"باپ ہوں تمہارا بیٹا جی۔" انہوں نے آنکھیں سکیڑ کر اسے گھورا تو اس نے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"دیکھو اگر کسی کو پسند نہیں کرتے تو کر لو اس سے پہلے کہ تمہاری ماں تمہیں کسی چنکی منکی کے چکر میں پھنسا دے۔"

"او پلیز ڈیڈی!" وہ بے ساختہ جھرجھری لیتا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''اگر سچ میں تمہیں کوئی پسند نہیں تو میری نظر میں ایک دو اچھی لڑکیاں ہیں۔''
''اچھا تو کون ہیں وہ اچھی لڑکیاں۔'' وہ شرارتی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔
''میرے رشتے دار ہیں پاکستان میں۔'' ''او پلیز پلیز ڈیڈی'' وہ ایک دم ہاتھ اٹھا کر بولا۔
''آپ کے رشتے دار مما کو جانتے ہیں نا طوفان اٹھا دیں گی اور جہاں تک مما کے رشتے دار ہیں وہ آپ کو پسند نہیں مجھے کسی رشتہ دار سے شادی نہیں کرنی اور پاکستانی لڑکی سے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''
''کیوں پاکستانی لڑکی میں کیا پرابلم ہے۔'' وہ ناراضی سے پوچھنے لگے۔
''آپ کو میرے دوست شرجیل کا حال یاد نہیں کتنے شوق سے پاکستانی لڑکی لے کر آیا تھا۔ دو ماہ میں ہی بات لڑائی جھگڑوں تک پہنچ گئی اور چار ماہ بعد ڈائیورس، وہاں کی لڑکی یہاں سیٹ نہیں ہو سکتی نہ ہمارے ماحول کو سمجھ سکتی ہے ہم جہاں کام کرتے ہیں وہاں لڑکے لڑکیاں سب برابر ہیں ہماری دوستی لڑکوں سے بھی ہے اور لڑکیوں سے بھی جو وہاں کی لڑکیاں سمجھ نہیں سکتیں چھوٹے دماغ ہوتے ہیں ان کے۔'' وہ تنفر سے بولا۔
''ماں والی سوچ کا مظاہرہ نہ کرو ان کا دماغ چھوٹا نہیں ہوتا۔ شریف ہوتی ہیں وہاں کی لڑکیاں اور کوئی بھی بیوی دوسری عورت کو برداشت نہیں کرتی۔ چاہے وہ دوست ہی کیوں نہ ہو اور اس کو چھوٹا دماغ نہیں بیوی کی پوزیسونس کہتے ہیں اسے محبت کہتے ہیں۔''
''اچھی محبت ہے شک کر کے سوال کر کے آدمی کا دماغ ہلا کر رکھ دو۔'' وہ اب بھی ان سے متفق نہیں تھا۔
''اپنی ماں کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا وہ تو یہیں کی پیدائش ہے لیکن پھر بھی اتنا چھوٹا سا دماغ ہے اس کا۔'' انہوں نے انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ذرا سا فاصلہ رکھ کر بتایا۔
''گرل فرینڈ تو دور کی بات ہے وہ تو میرے ماں باپ کو برداشت نہیں کر پائی، وہ بے چارے میرے انتظار میں دنیا سے ہی چلے گئے۔ یہاں کی لڑکیاں می اینڈ مائی فیملی کے فارمولے پر یقین رکھتی ہیں جس میں صرف شوہر اور بچے شامل ہیں جبکہ ماں باپ، بہن بھائی فیملی کا حصہ نہیں ہوتے۔ جبکہ تم ہماری اکلوتی اولاد ہو ہمیں ایسی لڑکی چاہیے جو گھر کی فضا کو خوش گوار بنائے رشتوں کو جوڑ کر رکھے، ساس، سسر کو عزت دے شوہر کو شوہر سمجھ کر عزت دے نہ کہ ملازم سمجھ کر ٹریٹ کرے جیسے تمہاری ماں مجھے ٹریٹ کرتی ہے۔''
وہ بڑے ہنس مکھ انسان تھے۔ ہمیشہ مما کی بدتمیزی کو بھی ہنس کر ٹال جاتے تھے۔ لیکن جب بھی انہیں اپنے ماں باپ یاد آتے تو وہ تلخ ہو جاتے تھے۔ وہ ان کا درد سمجھتا تھا تب ہی اٹھ کر انہیں گلے لگا لیا انہوں نے نم آنکھوں کے ساتھ اس کا گال تھپتھپایا۔
''ڈیڈی! آپ پلیز سیڈ نہ ہوں میں آپ کی پسند سے شادی کروں گا اور کبھی آپ کو اور مما کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔''
''چل پگلے، رولائے گا۔'' ان کے کہنے پر وہ ہنستے ہوئے پیچھے ہوا۔
''تمہیں میری یا اپنی ماں کی چوائس کے درمیان لٹکنے کی ضرورت نہیں، زندگی تمہیں گزارنی ہے تو لڑکی بھی تمہاری پسند کی ہونی چاہیے۔ میری پسند کی ہوئی لڑکی تمہاری ماں کو پسند نہیں آئے گی اور اس کی پسند کی ہوئی لڑکی مجھے۔ پچھلے سال سے یہی ہو رہا ہے اور اب اگر تم چاہتے ہو کہ آنے والے سالوں میں تم کنوارے نہ رہو تو اپنی پسند بتا دو کیونکہ تمہاری پسند پر ہم دونوں اتفاق کر لیں گے۔'' وہ ٹھوڑی کو ہتھیلی پر ٹکائے آنکھوں میں شرارت لیے بڑی دلچسپی سے انہیں دیکھ اور سن رہا تھا۔
''اور اگر میری پسند کی ہوئی لڑکی آپ دونوں کو پسند نہ آئی تو پھر زیادہ فل چانسز ہیں کہ میں کنوارہ رہ جاؤں

''تمہاری ماں کا تو پتا نہیں پر میں تمہاری خوشی میں خوش ہو جاؤں گا۔'' ان کے احسان کرنے والے انداز پر اس نے سمجھنے والے انداز میں ابرو اچکائے۔

''نوازش ہے آپ کی ڈیڈی!'' وہ بھی جواباً بڑی عاجزی سے بولا۔

''اب کہاں جا رہے ہو۔'' اسے اٹھتا دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

''میں اکیلا نہیں آپ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔'' وہ ان کا بازو تھامتے ہوئے بولا۔

''کہاں جانا ہے۔'' وہ بھی آرام سے کھڑے ہو گئے۔

''مما اگر پارلر جا سکتی ہیں تو میرے ڈیڈی کیا کسی سے کم ہیں ہم باپ بیٹا بھی سیلون چل رہے ہیں۔ شام کی پارٹی میں میرے ڈیڈی کو سب سے خاص لگنا چاہیے۔'' اس کے آنکھ مارنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''کپڑے بدل کر آتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں فرقان کو بھی فون کر دیتا ہوں۔'' وہ تیزی سے اٹھا تو انہوں نے نم آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں سے اس کی پشت کو دیکھا۔

گاڑی سے اترتے ہی اس کی نظر روڈ پر کھڑی گاڑیوں پر پڑی تو گہرا سانس لے کر باہر نکلا۔

''لگتا ہے پارٹی شروع ہو گئی ہے۔'' ڈگی سے سامان نکالتے فرقان نے ہنسی دباتے اپنے دوست کا بےزار چہرہ دیکھا، جواب اس کے ساتھ سامان نکال رہا تھا۔

''ویلکم مائی چارمنگ۔'' اندر داخل ہوتے ہی ربیعہ خالہ نے زور سے گلے لگایا اور چٹاچٹ اس کا منہ چوما اور ہمیشہ کی طرح وہ اتنے پیار پر شرما کر رہ گیا اس نے دزدیدہ نظروں سے، دائیں صوفے کی طرف دیکھا جہاں مما کی سہیلی اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھی بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''آنٹی! میں اب بڑا ہو گیا ہوں۔'' ان سے الگ ہو کر اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے دونوں گال رگڑے جہاں یقیناً لپ اسٹک لگی تھی۔

''میرے لیے تو تم چھوٹو سے رہو گے۔'' وہ ایک بار پھر اس کا گال کھینچ رہی تھیں۔

''آنٹی! میں بھی ہوں۔'' سامان ہاتھ میں پکڑے فرقان بھی آگے آیا۔ چٹکی سے جان چھڑوا کر وہ منکی کی طرف بڑھا۔

''ہیلو مشی آنٹی۔''

''ارے میرا گڈا۔'' وہ بھی حسب توقع اس کے گلے لگیں اور پیار سے اس کے سلکی بال بگاڑ کر رکھ دیے اس نے صبر کا گھونٹ پی کر ہاتھ میں پکڑا سامان ڈائننگ ٹیبل پر رکھا۔

''ہیلو برو۔'' فری پنکی منکی خالہ کی چھوٹی بیٹی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیا ہے اس میں۔'' ہیلو کرنے کے بعد اس نے اگلی بات کی زحمت کیے بغیر اس کے ہاتھ سے شاپر لیا جس میں پیٹیز تھیں۔

پیٹیز دیکھ کر اس نے نعرہ لگایا تھا اور جلدی سے دونوں ہاتھوں میں پیٹیز پکڑ کر واپس مڑی۔

''لگتا ہے کھانے کی خوشبو کھینچ لائی تھی اسے۔'' پیچھے سے آتے فرقان نے فری کے سائز پر چوٹ کی وہ دس سال کی تھی لیکن وزن، عمر سے کہیں زیادہ تھا اور بیٹی کے ساتھ ماں کو بھی کوئی پرواہ نہیں تھی وہ گہرا سانس لے کر مڑا۔

''تم ذرا ڈیڈی کی ہیلپ کروا دینا میں ذرا اپنے کپڑے پریس کر لوں۔''

''مجھے پھنسا کر کہاں جا رہے ہو۔'' فرقان نے بےچاری سی شکل بنا کر اس کا بازو تھاما۔

"وہ میری آنٹی ہیں چڑیل نہیں۔"

"مجھے تو کچھ ایسا ہی خیال آتا ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"اور بیٹا جی میں تم سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔ ہاشم علی جو ابھی ادھر آئے تھے دل سے فرقان کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"ڈیڈی! پلیز اب آپ شروع مت ہو جانا پھر یہاں اور ہی سچویشن بن جائے گی۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا تو فرقان اور ہاشم علی نے ایک دوسرے کو دیکھ کر کندھے اچکائے تو وہ گہرا سانس لیتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

نیچے سے آتی میوزک اور تیز باتوں کی آواز کے ساتھ قہقہوں کی آواز بھی شامل تھی، اس نے گہرا سانس لے کر استری کو قمیض پر پھیرنا شروع کیا، یہ نہیں تھا کہ اسے پارٹیز پسند نہیں تھیں وہ پارٹی لوور اور یہ عادت اسے اپنی ماں سے ملی تھی پر بے زاری کی وجہ نیچے بیٹھی خواتین تھیں جو اس کی خالائیں تھیں۔ یہ نہیں کہ اسے ان سے پیار نہیں تھا لیکن اسے ان کے پیار کرنے کے انداز سے چڑ تھی۔ گھر کے اندر تک تو یہ لاڈ ٹھیک تھے پر باہر بھی وہ اس سے ایسے بچوں کی طرح بی ہیو کرتی تھیں کہ وہ بے چارہ تڑپ کر رہ جاتا تھا۔ پاپا کی طرف سے کوئی خاص رشتہ نہ تھا۔ دادا دادی اب اس دنیا میں نہ تھے۔ تایا کی بھی ڈیتھ ہو چکی تھی بس ایک پھوپھو تھیں جن سے ڈیڈی کا رابطہ تھا لیکن شائنہ کو چونکہ ان سے زیادہ ملنا پسند نہ تھا تو وہ بھی پھوپھو اور ان کے بچوں سے زیادہ قریب نہ تھا جبکہ مما کی طرف سے اسے رشتے میں تین خالائیں ملی تھیں جنہیں پاپا پنکی چنکی اور منکی کہتے۔ مما اور ان کی تینوں بہنیں یہیں کینیڈا کی پیداوار تھیں اب پتا نہیں ماں باپ نے ایسی پرورش کی تھی یا یہ ان کی خود کی چوائس تھی کہ وہ بس نام کی مسلمان بن کر رہ گئی تھیں۔

شبنم خالہ عرف پنکی سب سے بڑی بہن تھیں ماں باپ نے اپنی مرضی سے شادی کی، اپنے رشتہ داروں میں لڑکا پاکستان کا تھا۔ دس سال شادی رہی پھر دونوں الگ ہو گئے کیونکہ خالہ کا ہمیشہ یہ احساس دلاتا رویہ کہ میری وجہ سے آج تم کینیڈا میں ہو، انکل کو ہرٹ کرتا تھا انہوں نے خالہ کو طلاق نہیں دی پر الگ ہو گئے۔ خالہ کے دو بچے خالد بھائی اور نشاء باجی دونوں شادی شدہ اور ماں سے زیادہ باپ کے قریب ہیں۔ خالہ چونکہ آزاد ہیں جاب کرتی ہیں تو دل کھول کر خود پر خرچ کرتی ہیں۔

ربیعہ عرف چنکی بہن کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی مرضی سے، اپنے کلاس فیلو سے شادی کی ان کی شادی چل رہی تھی لیکن لنگڑا کر کیونکہ گاڑی کے دونوں پہیے پنکچر تھے۔ پسند کی شادی اب بیزاری میں بدل چکی تھی۔ ان کی ایک بیٹی تھی پھر مشی خالہ عرف منکی وہ مما سے چھوٹی تھیں فی الحال ان کی شادی ٹھیک جا رہی تھی۔ ان کے شوہر آدھے پاکستانی اور آدھے کینیڈین تھے، خالہ کے ساتھ ان کی اچھی انڈرسٹینڈنگ تھی دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے تھے اور اسپیس بھی دیتے تھے، اسی لیے تیرہ سال سے شادی کامیابی سے چل رہی تھی ان کی دس سال کی بیٹی فری اور آٹھ سال کا بیٹا تھا۔

اور رہی اس کی مما تو ان کی ملاقات، ایک پارٹی میں ڈیڈی سے ہوئی تھی جو پاکستان سے یہاں جاب کرنے آئے تھے۔ ملاقات کے بعد دوستی ہوئی اور دوستی پسندیدگی میں بدلی، ڈیڈی کو اپنے ماں باپ سے بہت محبت تھی وہ ان کے بغیر شادی نہیں کرنا چاہتے تھے مما کو ڈیڈی سے اتنی محبت ہو چکی تھی کہ ان کے ساتھ نہ صرف پاکستان آ گئیں بلکہ ڈیڈی کی خاطر یہاں رہنے کو تیار ہو گئیں لیکن وہی ماحول کا فرق۔ دادی ذرا پرانے خیالات کی تھیں۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نازنین فردوس

تم جنوری جیسی ہو

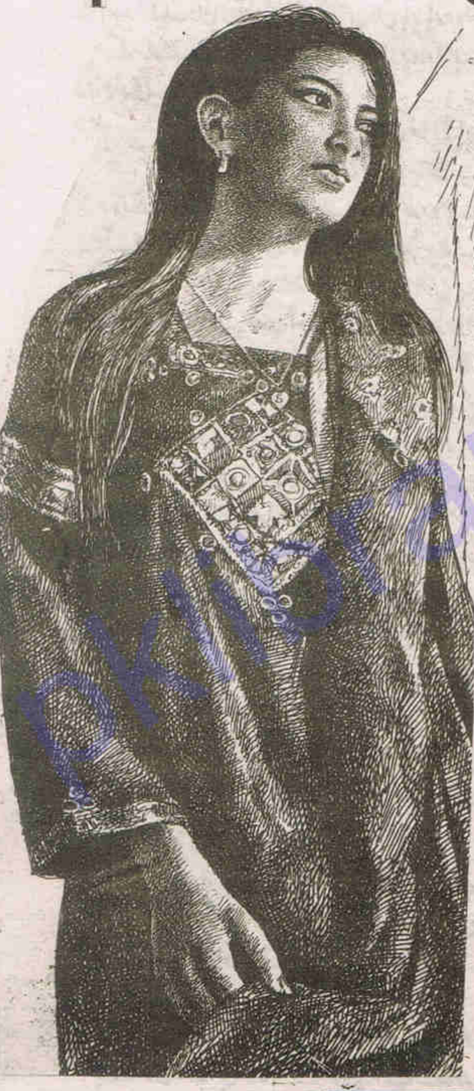

"دیکھا تم نے اپنے بیٹے کا رزلٹ، یہ نمبر ہوتے ہیں مسابقتی امتحانات میں پاس ہونے کے، ایسا لگ رہا ہے کوئی چلر فروش کی دکان کا بل دیکھ رہا ہوں۔ دس بیس دس بیس نمبر۔ تف ہے ایسی اولاد پر۔" ابا نے اپنے چشمہ کو اس کے رزلٹ کارڈ کے ساتھ ہی ٹیبل پر پٹخ دیا۔ وہ چپ کھڑا رہا۔ سر جھکائے نظریں نیچے کیے یہ تو ہر آئے دن ہوتا تھا اس میں نئی بات تو کوئی نہیں تھی۔

"ثمینہ، ثمین۔" باریک سی آواز کے ساتھ عینا صاحبہ ان کے آنگن میں تشریف لا چکی تھیں اور یہ بھی نئی بات جو اسے سخت ناگوار لگنے لگی تھی۔

"آنٹی! ثمین،" ایک نظر سر جھکائے ندیم کو دیکھتی وہ اب اماں سے مخاطب تھی جوان باپ بیٹے کے بیچ ہمیشہ موجود رہتی تھیں لیکن کسی کی حمایت میں زبان کھولنا آداب کے خلاف سمجھتی تھیں۔

"ثمین ...... ثمین! عینا آگئی ہے جلدی آؤ۔" اماں اب ثمین کو آواز دینا شروع ہو گئی تھیں۔

ثمین تو کبھی وقت پر تیار نہیں ہوتی تھی تو آج کہاں سے ہوتی۔ وہ اندر یقیناً اپنا اسکارف ڈھونڈ رہی ہوگی جو کہ وہ اکثر لاپرواہی سے کالج سے آنے کے بعد یہاں وہاں ڈال دیا کرتی تھی۔

جھکے سر کے ساتھ ندیم کی اپنے دماغ سے گفتگو یوں ہی چلتی تھی۔

عینا امی کی دی ہوئی کرسی پر بیٹھ جاتی تھی اور ندیم اور ابا کی جو کارروائی رک گئی تھی، وہ دوبارہ شروع ہو جاتی تھی۔ اور یہی ندیم کو برا لگتا تھا۔ سب کچھ طے ہوتا تھا جیسے ٹھیک نو بجے، ابا کا اس کو ڈانٹنا، اس کا دیر سے

pklibrary.com

اٹھنا، عینا کا اسی وقت آنا اور ابا کا شاندار غیر سنسر شدہ لیکچر۔ اس نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی طرح یہ روٹین بدل جائے۔ کسی دن وہ جلدی اٹھ جائے اور ابا کی ڈانٹ نو کے بجائے آٹھ بجے ہی کھالے تاکہ کم از کم عینا کے سامنے خوار ہونے سے بچ جائے۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔

ایک دن وہ جلدی اٹھا تھا اس دن بار بار وہ ان کے سامنے سے گزرا کہ وہ جو ڈانٹنے والا پروگرام ہے جلدی سے نمٹا دیں۔

کئی بار خواہ مخواہ ان کے آس پاس کھڑا رہا دیر تک مگر انہوں نے اسے دیکھا تک نہیں۔ سات بجے وہ اٹھے اور باتھ روم کا رخ کیا۔ جب باتھ روم سے آئے تو وہ ان کے بالکل سامنے آئینہ میں بال جمائے کھڑا تھا مگر وہ قرآن پڑھنے لگے۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا۔ تلاوت کا دورانیہ جب آدھے گھنٹے سے اوپر ہوا تو وہ بوریت سے ادھر ادھر تانک جھانک کرنے لگا۔ جیسے ہی ابا کا پڑھنا ختم ہوا اماں جھٹ دستر خوان بچھا چکی تھیں اور اس کے منہ پر بارہ بج گئے۔ اب وہ کس امید پر بیٹھتا کہ ابا تو کھانا کھاتے ہوئے کسی سے بات ہی نہیں کرتے تھے تو اب ڈانٹتے کیسے۔

وہ پھر اپنے کمرے میں آگیا۔ جب کچھ دیر ہوئی تو باہر جا کر دیکھا تو ابا کھانا ختم کر چکے تھے اور اماں انہیں چائے دے کر جا چکی تھیں اور وہ اخبار اور چائے کا لطف بیک وقت لے رہے تھے۔ وہ پھر اپنے کمرے میں آگیا کہ اب چائے ختم ہونے تک کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ تب تک گھڑی نو بجانے لگی تھی۔

”ندیم ندیم!“ ابا کی مخصوص آواز بلکہ چنگھاڑتی آواز پر وہ اچھلا۔

”کہاں مر گیا یہ کم بخت! صبح سے تو آگے پیچھے جانے کس خوشی میں پھر رہا تھا۔ اب دیکھو کمرے میں جا مرا ہے۔ ندیم او ندیم۔“ وہ پورے موڈ میں تھے۔ اب وہ بھی باہر آگیا۔

”جی ابو!“ اس کے جی کہنے کی دیر تھی۔ ابا کو نجانے کون سے اس کے ناکردہ گناہ یاد آنے لگے اور وہ ایسے آن ہوئے کہ آف ہونا بھول گئے۔

ندیم اس سب کے لیے تیار ہی تھا لیکن عین وقت پر عینا کی آمد کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔ وہ بھی ٹھیک نو ساڑھے نو کے درمیان آجاتی۔ ندیم کو لگا ساری تیاری رائیگاں ہی گئی۔ وہ جلدی اٹھا ہی اس لیے تھا کہ ابا اپنے ڈانٹنے کا کوٹہ صبح صبح پورا کرلیں۔ اور عینا کے سامنے اس کی بے عزتی نہ ہو۔ مگر آہ قسمت۔

اس دن بھی ثمین کے تیار ہونے تک عینا وہیں بیٹھی رہی تھی اور ابا اس کی آدھے گھنٹے کی کلاس لے کر ہی نکلے تھے۔

”صاحب زادے کو نوکری نہیں کرنی بزنس کرنا ہے۔ واہ! بزنس تو جیسے چٹکی بجانے کا کام ہے۔ یہاں عمر کھپا دی تب عزت کے دو پیسے کمانے لائق ہوئے ہیں۔ مگر ہمارے زمانے اور اس زمانے کی بات کریں تو اب بزنس میں وہ دم خم ہی نہیں رہا مگر ایک بھوت سر پر چڑھا ہوا ہے کہ نوکری کے بجائے بزنس ہی کرنا ہے۔ بزنس کے لیے ایک کثیر رقم درکار ہوتی ہے وہ کہاں سے لائیں گے برخوردار، دوست تو شیخ چلی کے خواب دکھاتے رہتے ہیں۔ اور یہ ہیں کہ واقعی شیخ چلی بننے چلے ہیں۔“ ابا کی زبان کو تو رکنا تھا نہیں۔

وہ سر جھکائے چپ چاپ سن رہا تھا۔

”انکل! ثمین۔“ عینا نے بروقت مداخلت کی تھی۔

”ثمین ثمین! یہاں بچی آکر کھڑی ہے اور تم اب تک وہیں ہو۔ جلدی آؤ۔“ انہوں نے بھی فوراً ثمین کو آواز دینی شروع کی تھی۔

”تو ابا بٹھا دیں نا۔ میں آرہی ہوں۔“ اندر سے ثمین صاحبہ کی آواز آئی تھی۔

”بیٹھو بیٹے! وہ کچھ دیر میں آجائے گی۔“ ابا نے عینا کو دیکھ کر کہا۔

”ہیں تو کیا ابا ثمین کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے۔ پہلے ہی بٹھا دیتے۔ آرام سے بیٹھ کر میری بے عزتی دیکھتی۔“ وہ کرسی کے ایک ہتھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ لیکن اندر شدید احساس بے عزتی تھا۔

pklibrary.com

"اچھا، میں جا رہا ہوں۔" ابا نے ایک قہر آلود نظر اس کے حوالے کی تب ہی ثمین بھی آ گئی اور وہ دونوں کالج کے لیے نکل گئیں۔ اور وہ بھی ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ اپنے دوستوں سے ملنے نکل گیا۔

☆☆☆

ندیم کے ابا کی اپنی دکان تھی وہ پچھلے پچیس سال سے یہ دکان چلا رہے تھے۔ دکان سے اتنی گزر بسر ہو رہی تھی کہ کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ لیکن ابا کی خواہش تھی کہ ندیم پڑھے لکھے اور نوکری حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ جبکہ ندیم کو سرکاری نوکری کا حصول عذاب لگتا۔ اس کا خواب ایک بڑے بزنس کا آغاز کرنے کا تھا۔ اس لیے وہ پڑھائی میں بھی بہت زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اور اس بات کی وجہ سے ابا اسے کافی سناتے رہتے تھے۔

"آپ کو نہیں لگتا آپ کے ابا صحیح کہہ رہے ہیں۔ آپ کو بزنس پر غور کرنے کے بجائے تعلیم پر توجہ دینی چاہی۔ یقیناً آپ کامیاب ہوں گے۔"

آج بھی ابا اسے ڈانٹنے ڈپٹنے کے بعد دوکان چلے گئے تھے اور عینا حسب معمول وہاں موجود تھی۔ ثمین ابھی نہیں آئی تھی۔ اماں باورچی خانہ میں تھیں۔ اور وہ اب یہاں سے اٹھنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔

"مجھے نوکری کے لیے دھکے کھانا پسند ہی نہیں۔ اور ابا کو میری مرضی، میری خواہش کی فکر نہیں۔ اگر میں نوکری نہیں کرنا چاہتا تھا وہ مجھ پر کیوں زبردستی اپنی مرضی تھوپ رہے ہیں۔ کیا فرق پڑے گا اگر میں بزنس لائن میں آؤں۔ مجھ سے چھوٹا عظیم بھی تو ہے۔ کروائیں اس سے نوکری وہ خوشی خوشی کرلے گا۔ میرے پیچھے لٹھ لے کر کیوں پڑے ہیں۔"

ندیم اس وقت بھرا بیٹھا تھا۔ عینا کی بات پر وہ پھٹ ہی پڑا تھا۔

"آپ نے کبھی سوچا کہ وہ صرف آپ کو ہی پڑھنے کے لیے کیوں کہتے ہیں عظیم کو نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کون سا بیٹا کیا کرسکتا ہے۔ انہیں پتا ہے آپ تعلیم میں آگے جاسکتے ہیں عظیم نہیں۔ کیونکہ وہ آپ کے باپ ہیں۔ اور ایک باپ کی نظر سے اپنے بیٹے کی قابلیت کبھی چھپ نہیں سکتی۔ انہیں آپ سے امید ہے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ آپ ہی ان کی یہ اس امید کو پورا کریں گے عظیم نہیں۔" وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہی تھی۔

"میں پڑھائی میں ایوریج ہوں۔ کبھی ٹاپ ٹین میں بھی نہیں رہا۔" وہ کچھ دھیما ہو کر بولا۔

"ایوریج اس لیے ہیں کیونکہ آپ نے پڑھائی پر محنت نہیں کی۔ اگر آپ محنت کریں گے تو ٹاپ کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔

آپ نے کبھی سوچا۔ ایک بزنس اسٹارٹ کرنے کے لیے لاکھوں رقم کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ لاکھوں کی خطیر رقم کہاں لے سے آئے گی۔ آپ کے ابا بھی قرض لے کر ہی دیں گے۔ ظاہر ہے گھر کے اخراجات وغیرہ سب نکالنے کے بعد ان کے پاس اتنی بڑی رقم کہاں سے پس انداز ہوگی کہ وہ آپ کو بزنس کے لیے دیں۔ انہیں دکان یا گھر ہی بیچنا ہوگا۔

آپ نیا بزنس شروع کریں گے جبکہ کسی بھی بزنس کو سیٹ ہونے میں تین سے پانچ سال لگتے ہیں اور ان سالوں میں آپ کے ابا کو اپنی تین بیٹیوں کی شادی بھی کرنی ہوگی۔ اگر ان سالوں میں آپ کے بزنس نے ترقی نہیں کی تو یہ بہت بڑا دھچکا ہوگا کہ ایک طرف شادیاں کرنی ہیں اور دوسری طرف بزنس ٹھپ۔ کہاں سے لائیں گے وہ پیسہ اور ان سالوں میں تو آپ اپنی تعلیم کی طرف بھی نہیں جاسکتے۔ تب قرضوں میں ڈوبے آپ کے ابا گھر بیچ دیں گے اور کسی طرح شادیاں کریں گے۔ لیکن پھر بھی آپ اور عظیم کی ذمہ داری بھی ان پر ہی ہوگی۔ وہ یہ سب کیسے مینیج کریں گے۔ ان کی کمر تو قرض کے بوجھ تلے جھک جائے گی۔ آپ کی اماں سر کے سفید بالوں کے ساتھ رو رہی ہوں گی۔ اور گھر مفلوک الحالی میں ڈوبا ہوگا۔ آپ نے کبھی اس سب کے بارے میں سوچا۔"

وہ یہ کہتے پر جوش تھی۔ ندیم تو آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

آپ نے بزنس پر مضامین نہیں پڑھے ہوں گے۔ اگر پڑھتے تو پتا چلتا کہ آج کل بڑے بڑے شاپنگ مالز مارٹ وغیرہ بزنس کی وجہ سے پریشان ہیں وہ معمولی منافع پر بزنس کررہے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ انویسٹمنٹ بڑی ہوتی ہے اس لیے انہیں دقت پیش نہیں آتی لیکن آپ جیسے نوآموز جنہیں بزنس کی اے بی سی کا بھی پتا نہیں وہ نقصان میں پڑجاتے ہیں۔ ان کے لیے تو شاپ کا کرایہ نکالنا بھی بڑا مرحلہ بن جاتا ہے۔"

وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر اسے بزنس کی باریکیاں بتارہی تھی۔ تب ہی ثمین آگئی اور وہ دونوں چلی گئی تھیں۔

"کیا کہہ گئی ہے یہ۔" وہ حیران ہوا۔ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور عینا کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ "بات تو صحیح کہہ رہی تھی وہ۔ بزنس کرنا اتنا آسان نہیں جتنا میں نے سمجھ لیا ہے۔ اور ایسے موقع پر جب بہنوں کی شادیاں کرنی ہیں چھوٹے بھائی کی تعلیم ہو۔ ایسے وقت اس طرح کا رسک لینا دانش مندی نہیں۔ مجھے محفوظ طریقہ اپنانا ہوگا جس سے کچھ نقصان نہ ہو۔

اور محفوظ طریقہ تو یہی ہے کہ امتحان دوں اور کسی اسکول کی سرکاری نوکری کرلوں۔ ہر ماہ ایک فکس رقم آنے کی ضمانت تو ہوگی اور اسے عینا کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"میرے لیے اتنی فکر لیکن کیوں کیوں؟" اس نے آس پاس دیکھا۔ ایسا لگنے لگا یہاں وہاں رنگین آنچل لہرارہے ہوں، جن میں کہیں عینا چھپی ہو۔ ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر چھوگئی تھی۔

☆☆☆

"ابا میں ایک سال کی کوچنگ لوں گا اور ہاسٹل میں رہوں گا امتحانات کی تیاری کے لیے۔" وہ آج ابا کے سامنے مضبوط ارادے کے ساتھ کھڑا تھا۔

"اپنا بزنس نہیں کرنا" ابا نے گھور کر دیکھتے سوال کیا۔ وہ چپ رہا۔ "چلو کچھ عقل تو آئی ورنہ ایسا لگ رہا تھا کہ بھینس کے آگے بین بجارہا ہوں۔"

"اگر وہ آپ کی بات مان ہی رہا ہے تو اس پر بھی آپ ناراضی......" اماں نے آج بیٹے کی حمایت میں زبان کھول ہی لی تھی۔

"میں کب منع کررہا ہوں میں تو چاہتا ہی یہی تھا مگر جناب کو عقل ہی نہیں آرہی تھی۔ اب جانے کیسے عقل آگئی۔"

ابا نے دوبارہ اس کی عقل پر شک کیا تو وہ بس پہلو بدل کررہ گیا۔

☆☆☆

یوں وہ ہاسٹل آگیا تھا۔ یہاں آکر اسے حیرانی ہوئی تھی کل تک اسے لگتا تھا آج کی اس دنیا میں محنت کوئی نہیں کرتا۔ گورنمنٹ سیٹ کسی کو نہیں ملتی۔ گورنمنٹ جاب لگنا ناممکن ہے اور جانے کیا کیا۔ لیکن یہاں محنت کرنے والے ایسے بچے بھی ملے تھے جو اپنے مستقبل کی وجہ پریشان تھے۔ دن رات محنت کررہے تھے۔ اسٹڈی شیڈول بنا کر پڑھتے تھے۔ اس نے بھی پہلی بار اسٹڈی شیڈول بنایا تھا اور اسے ان تین مہینوں میں ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ اسے کیا پہلے پڑھنا ہے اور کس سبجیکٹ پر فوکس زیادہ کرنا ہے۔ اور کیسے آگے نکلنا ہے۔ اب وہ اپنی منزل پانے کے لیے تیار تھا اور اسے بس اب بھاگنا تھا اور صرف بھاگنا۔

اس کی محنت رنگ لانے لگی تھی اس کے امتحانات کا رزلٹ اس کا گواہ تھا۔ ایسے میں وہ گھر کی طرف رخ بھی نہیں کرپارہا تھا تھا خیریت پوچھتا اور بس ایک سال تو یوں گزرا جیسے پر لگ گئے ہوں۔ اور کچھ رنگین پر اس کے ہاتھ میں بھی تو تھے۔ جنہیں تھام کر وہ نجانے کن وادیوں میں سیر کرتا تھا۔ پورے ایک سال کی جانفشانی سے کی گئی محنت رنگ لاچکی تھی۔ وہ سلیکٹ ہوگیا تھا گورنمنٹ ٹیچر کے طور پر پہلی سیلری ہی کافی معقول تھی۔ وہ مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھا مسکرارہا تھا۔ اس نے پہلی بار عینا کو میسج کیا تھا۔ جس کا نمبر بڑی منت سماجت کرنے کے بعد ثمین نے اسے دیا تھا۔

"تم نے تاریک راہوں۔ کے مسافر کو روشن راہ دکھائی تھی۔ اب ایک اور اجالا میری زندگی میں بھی

کر دو۔ تم میری زندگی میں شامل ہو جاؤ۔ یقین مانو میری حقیقی کامیابی وہی ہو گی تھینک یو۔"

اس میسیج کے کافی دیر بعد ایک میسیج آیا تھا جس نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

"آئی ایم انگیجڈ۔"

☆☆☆

تم جنوری جیسی ہو۔ ہلکی ہلکی دھوپ، نم سی شاموں اور خزاں کا آخری پیغام، کیا کہوں تمہیں، تم نے ایک بھٹکتے مسافر کو راہ دکھائی تھی۔ چراغ بن کر اندھیرے دور کیے تمہارے آنے سے خزاں جانے کہاں چلی جاتی ہے۔

ایک نئے سال کا پیغام دیتی ہو تم
جنوری جیسی ہو تم

وہ کھڑکی کے ایک پٹ سے لگا اسے دیکھ رہا تھا۔ باہر ہلکا ہلکا اجالا پھیل رہا تھا۔ ایک حسین صبح جس میں وہ دونوں ایک ساتھ موجود تھے۔

تمہارا وہ مذاق جان ہی لے لیتا اگر ثمین فوراً نہ بتاتی۔ میں تو ایک سال سے ان کچھ لمحوں کو تھام کر جانے کہاں تک چلا گیا تھا۔ ہر راہ میں تم ہی ساتھ تھیں۔ ہر منزل تمہارے بغیر ادھوری۔

تمہاری وجہ سے ایک صحیح سمت میں، میں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ گورنمنٹ ٹیچر ہونے کے بعد احساس ہوا اس فیلڈ میں کتنے کام کرنے ہیں مجھے۔ کتنے بچے ایک اچھے استاد کو ترس رہے ہیں۔ ان کی صلاحیتوں کو پہچان کر ان کو صحیح سمت میں لے جانا استاد کا ہی تو کام ہوتا ہے۔ اور آج ایک اچھے استاد کا ایوارڈ ملا ہے تو وہ تمہاری وجہ سے آج عزت ملی اس کے۔ بارے میں کبھی سوچا نہیں تھا۔

آج مجھ سے تعلیم حاصل کر کے جب بچے ڈاکٹر انجینئر بن کر میرے پاس آتے ہیں اور مجھے بے پناہ عزت سے مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے اس قابل بنایا ورنہ ہم پتا نہیں کہاں ہوتے تو سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ ٹیچر ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ سالوں سے ابا کی دکان کو بھی وقت دینے کے لیے مجھے تم نے مجبور کیا جب میں نے اس پر توجہ دی تو میرے اندر کا وہ شوق ابھر کر آ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابا کی وہ چھوٹی دکان اب ایک بڑے اسٹور میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اور اس میں ابا کو صرف کیش کاؤنٹر دیکھنا ہوتا ہے۔ دو ملازم ان کے پاس ہوتے ہیں اور وہ خوشی سے ہر آئے گئے کے سامنے میری تعریفیں کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت جب میں بزنس کی طرف جانا چاہ رہا تھا تم نے مجھے تعلیم کی راہ پر لگایا لیکن پھر تم نے مجھے دوبارہ اس شوق کی جانب دھکیلا، حیران ہوں تم نے ایسا کیوں کیا۔"

"ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے میرے بھولے سرتاج! اس وقت آپ کا بزنس کرنا صحیح نہیں تھا لیکن ایک اچھے مقام پر پہنچنے کے بعد، آپ اپنے شوق کے لیے وقت نکال سکتے تھے۔ یہ مستقبل میں آپ کے لیے کارآمد ہو گا۔ جب آپ ریٹائر ہوں گے تو ایک بنا بنایا جما جمایا بزنس آپ کا منتظر ہو گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ کبھی نہیں بتایا کہ آخر میرے لیے کب فکر مند ہونا شروع کیا تھا۔"

"وہی نو ساڑھے نو بجے جب میں آئی تھی اور آپ انکل سے آپ ڈانٹ کھا رہے ہوتے تھے۔" وہ دھیمے انداز میں ہلکی مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے پہلی بار بولی تھی۔

"اچھا، تو وہ جو وقت تھا وہی حاصل زیست ٹھہرا۔" اسے ہنسی آ گئی کہ وہ اس وقت ہی سب سے زیادہ نادم رہتا تھا۔

"شکریہ میری زندگی کی جنوری۔"

وہ وہی مسکراہٹ کے ساتھ باہر جانے لگی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"دیوار سے لٹکنے، اب جنوری ہو تو کیلنڈر میں ہی اچھی لگوں گی نا۔"

"ہاہاہا...... میں پھر تمہارے پیچھے مارچ بن کر رہوں گا۔"

"ہاں، مارچ جتنا سڑیل تو کوئی نہیں۔"

وہ ہنس کر آگے بڑھ رہی تھی۔ اور وہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ ان دونوں کی محبتوں کے موسم میں کوئی دسمبر نہیں آنے والا تھا۔ ان کی زندگی کا موسم ہمیشہ پر بہار رہنے والا تھا۔

☆☆

pklibrary.com

سمیرا حمید

کچھ بھی نہ کہا

ناولٹ

دہلی گیٹ سے اس طرف ایک سکھ زمین دار کی بہت بڑی حویلی ہوا کرتی تھی۔ مدتوں تو تعمیر ہوتی رہی تھی۔ اب تو وہ یارانہ ہی نہ رہا تھا۔ وقت بدلتے وقت ہی کتنا لگتا ہے۔

اب اسی حویلی میں کئی غیر زمین دار خاندان آباد ہو چکے تھے۔ تین اطراف کمرے اور ان کے آگے برآمدے بنے تھے۔ درمیان میں کھلا احاطہ تھا۔ جس میں اب سب کی سائیکلیں کھڑی ہوتی تھیں۔ شادی بیاہ مرگ جنم یہیں تھا۔ یہ بڑا محرابی پھاٹک تھا۔ دروازہ نہیں رہا تھا۔ محراب کھلی پڑی تھی۔ حویلی کے سامنے سے گزریں تو اندر کا ہر گھر دکھائی دیتا تھا۔

تین اطراف سے سیڑھیاں نکلتی تھیں۔ مراد، اسی زمین دار حویلی کا پہلا لڑکا تھا جو دیال سنگھ کالج میں پڑھنے کے بعد پڑھانے لگا تھا۔ جو لڑکے دیال سنگھ کالج پڑھنے جاتے تھے، وہ اسے ماسٹر جی کی حویلی کہتے تھے۔ اونچا لمبا گورا چٹا ماسٹر جی تھا ان کا۔ رعب کے لیے چشمہ لگاتا تھا، ورنہ لڑکے شانے پر ہاتھ رکھ کر راز و نیاز کرنے لگتے تھے۔

مراد کے دادا کے حصے کے تین کمرے تھے۔ ایک ابا کے زمانے میں بک گیا، ایک پر ابا کے بعد قبضہ ہو گیا۔ بڑا کمرا بچارہ گیا تھا، اسی میں کونے میں چھوٹا سا باورچی خانہ نکال لیا تھا۔ شادی کے پندرہ سال بعد پیدا ہوا تھا اور اکلوتا ہی رہ گیا تھا۔ ابا دمے میں نکل گئے۔ اماں ابا کی یاد سے نہ نکل سکیں۔ جو عورت رات دن گنگناتی تھی، آنکھ میں کاجل لگاتی تھی، وہ گھر کے کونے میں سمٹ کر رہ گئی۔

وہ منہ اندھیرے اٹھتا، اپنا بستر سمیٹتا، آٹا گوندھتا، ناشتے کی تیاری کرتا۔ اماں کا ہاتھ منہ ہاتھ دھلوانے میں مدد کرتا۔ پھر میز اماں کے سامنے لے جا کر سجاتا، اور دونوں ماں بیٹا مل کر ناشتہ کرتے۔ جانے سے پہلے برتن دھوتا، صفائی کرتا، پینٹ کوٹ پہنتا، ٹائی لگاتا، اور اماں کے سر پر کھڑے ہو کر دوا کھلا کر نکلتا۔

گھر واپسی پر تازہ سبزی ورنہ گوشت لیتا ہوا

آتا۔ سالن بناتا، روٹی پکاتا، اور اماں کے ساتھ کھانا کھاتا۔ ویسے اماں ٹھیک تھیں لیکن کبھی کبھی یادوں کو سر پر سوار کر لیتی تھیں۔ ساری رات بڑبڑاتی رہتیں۔ وہ اماں کو بڑے پیار سے سمجھاتا، سونے کے لیے کہتا۔

چھٹی کے دن اپنے اور اماں کے کپڑے دھوتا، سکھاتا، کوئلے دہکا کر استری کر کے تار پر لٹکا دیتا۔ ماں کے ناخن تراشتا، سر میں تیل ڈالتا، بال بناتا۔ کچھ فرصت رہتی تو انار کلی کی طرف نکل جاتا۔ ایک سے دوسری میز کی طرف کھسکتا، فٹ پاتھ پر جھکتا، ورق گردانی کرتا، اور خریدی ہوئی کتابیں، کپڑے کے تھیلے میں ڈال کر، سائیکل پر لٹکا کر لے

آتا۔ اس کی زندگی سادہ تھی اور مکمل بھی۔ یا وہ مکمل دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حویلی سے باہر وہ بڑا لائق فائق اُستاد مشہور تھا۔ حویلی کے اندر فرماں بردار بیٹا۔

حویلی سے اگلی گلی میں اماں کی خالہ زاد بہن رہتی تھیں، وہ دن میں کئی چکر لگا جاتی تھیں۔ اماں کو دیکھ لیتی تھیں۔ مدت گزری جب اس نے گھر کے کام کرنے شروع کیے تو خالہ بہت ناراض ہوئی تھیں۔ لیکن اس نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ بوجھ تنکے برابر ہی کیوں نہ ہو، مستقل رہے تو پہاڑ جتنا لگنے لگتا ہے۔ اس نے گھر کے اور اماں کے کام کسی کو نہ کرنے دیے۔ میٹرک کے بورڈ کے دنوں میں بھی اس کا یہی معمول رہا۔ رات گئے تک پڑھتا، صبح سارا کام سمیٹ کر، اماں کو ناشتہ کروا کے پرچہ دینے جاتا۔ ایم اے میں گولڈ میڈل لیا تو دیال سنگھ کالج میں نوکری کی پیش کش قبول کر لی کہ گھر سے نزدیک ہے۔ پروفیسر صاحب اسے کراچی یونیورسٹی کسی کے نام خط دے کر بھیج رہے تھے، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ وہ اسے پسند کرتے تھے۔ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرنا چاہتے تھے۔

ایک شام چائے پر گھر آئے تھے۔ حویلی دیکھ کر ذرا گھبرا گئے تھے۔ وہ ڈیفنس میں رہتے تھے۔ چھوٹی گلیوں کو تو جانتے تھے لیکن اتنے چھوٹے گھروں کی سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ کہ ان ڈربوں میں گرہستی کیسے آباد ہو سکتی ہے۔ کوئی خاندان جھلائے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔

اندر آؤ تو ایک جہاں کھلا ملتا ہے۔ ہر طرف چھوٹے بڑے گھر، بچے، عورتیں۔ کتنی دنیا آباد تھی یہاں۔ بڑے بوڑھے احاطے میں بیٹھے گپیں لگا رہے ہیں۔ بچے ہنگامہ مچا رہے ہیں۔ ایسی جگہ لوگ کیسے رہ لیتے ہیں؟

تین گھروں کے سامنے سے گزر کر آؤ پھر اپنے گھر پہنچو۔ ہاں سب شریف لوگ ہیں، لیکن پردے داری بھی کوئی چیز ہے۔ شاید وہ پرائیویسی بھی کہنا چاہتے تھے۔ پروفیسر صاحب وضع دار آدمی تھے، چہرے پر کوئی تاثر نہیں آنے دیا۔ روسی ادیب یاد آ گئے کہ وہ یہاں پیدا ہوتے تو کیسی معرکتہ الآرا کہانیاں لکھ جاتے۔

"دکھوں کے مارے لوگ......" وہ زیر لب خود سے کہہ کر سلیقے سے مسکرا دیے۔

ان کے کمرے کے آگے کھلا برآمدہ تھا۔ اس پر لکڑی کا منقش چوکھٹا لگا تھا۔ ان ہی کے گھر کے آگے بچا رہ گیا تھا، باقیوں نے اکھاڑ پھینکا تھا۔ دیواریں اُٹھالی تھیں، دروازے لگا دیے تھے۔ وہ سال دو سال میں اسے پالش کروا لیتا تھا۔ اسے یہ منقش محراب پسند تھی۔ وہ دیال سنگھ کالج میں پڑھا تھا، پھر وہیں استاد ہو گیا۔ پرانی حویلی میں رہا تھا، نئی چیزوں سے انسیت نہ بنا سکا۔ وہ سائیکل پر جاتا تھا، ورنہ سڑک سے تانگہ لے لیتا تھا۔ گاڑی کا جھنجھٹ نہیں پال سکا۔ اسے اپنی حیثیت بلند کرنے سے ڈر رہا۔ وہ اس زندگی سے مطمئن تھا یا پھر وہ کسی اور سلسلے میں پھنسا ہوا تھا، وہ سمجھ نہیں سکا۔

گرمیوں میں کھلے برآمدے میں چق ڈال لیتا تھا۔ یہیں پھول پودے گملے سجے رکھے تھے۔ یہیں وہ کرسی رکھ کر اخبار پڑھتا تھا۔ سامنے اماں بیٹھ جاتی تھیں۔ یہیں پروفیسر صاحب اور وہ بیٹھ کر چائے پیتے رہے تھے۔ وہ سوٹ بوٹ ٹائی میں ہوتے تھے۔ لیکن وہ زمین دار کی حویلی سے نکلنے کا چارہ نہیں کر رہا تھا۔ ابا پرانی قدروں کے لوگ تھے۔ گھر کو ضرورت کے لیے نہیں چھوڑتے تھے۔ در و دیوار سے لپٹی یادوں کو تنہا چھوڑ جانے کے لیے تیار نہ تھے۔

گھر کے مکین بھی تھے اور گھر ان کے دل کے مکین بھی تھے۔ اس کے ساتھی استاد کہتے کہ وہ ضد کر رہا ہے، بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ نہیں چل رہا۔ وہ پیچھے رہ جائے گا۔ کئی رشتے اسی وجہ سے چھوٹ گئے تھے۔

"تم جہاں رہو، میں تمہارے سنگ ہوں......"

اماں تک نے کہہ دیا تھا۔ لیکن نہ جانے کیسے وہ جان گیا کہ یہاں سے نکلتے ہی اماں بھی یہاں سے نکل جائے گی۔ ٹالسٹائی کی کتابوں کو حفظ کر لینے والے کا یہ وہم اختر عباس کی کہانیوں جیسا تھا۔ بہت

پہلے وہ جان چکا تھا، کہ آمنا کرنینا کتنا ہی کہے کہ وہ اپنے نئے فیصلے سے خوش ہے، لیکن وہ خوش نہیں رہ پائے گی۔ وہ ٹرین کے راستے میں جا کھڑی ہو گی۔اماں بھی یہی کریں گی۔اماں جھوٹی ہیں۔ یہاں سے نکلتے ہی وہ مر جائیں گی۔

اسی اماں کے پلنگ کے قریب، وہ نیچے اپنا بستر بچھا لیتا تھا۔کونے میں ایک میز رکھی تھی۔ کتابوں کی ایک الماری بھی تھی۔ دو کرسیاں باہر بالکنی میں پڑی تھیں۔اتنے سے گھر میں کوئی کسی ہیرے کے لیے بھی، کیوں اپنی بیٹی دینے آئے گا۔

پھر بھی کچھ تھا جو وہ راضی تھا۔ تانگے میں بیٹھتے، سائیکل چلاتے، کتابیں چھانتے، وہ سکون کے سنگ بہہ رہا تھا۔جیسے بہت پہلے ہی کچھ پا چکا ہے۔یا کوشش پر بھی ہاتھ سے نکل جانے والا ہے۔

وہ ان دو کے بیچ، اطمینان میں تھا۔اپنی زندگی کے تانگے اس نے کچھ اس طرز پر بٹھا لیے تھے کہ کسی اور تانگے کی ضرورت نہیں رہنے دی تھی۔شادی کے خیال سے بیوی کا خیال آ جاتا۔دل کو بیوی کی نہیں، ساتھی کی تمنا تھی۔وہ کمی اس نے کتابوں سے پوری کر لی۔ وہ مان چکا تھا کہ اچھے ساتھی صرف اچھی کتابوں میں مل سکتے ہیں۔باقی انسان کی زندگی صرف رات سے دن کرتے کٹ جاتی ہے۔اماں سو جاتیں تو وہ بتی بجھا کر باہر آ جاتا۔رات گئے تک باہر بیٹھا پڑھتا رہتا۔احاطے کے ہر گھر کے دروازے بند ہو جاتے۔محرابی چوکھٹ کی اوٹ سے اس کا کتاب میں گم چہرہ دکھائی دیتا رہتا۔حویلی کے کھلے پھاٹک کے سامنے سے گزرنے والے اسے ایسے دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے۔جیسے کسی نے اسے وہاں پینٹ کر دیا ہو۔اکثر اس کے اسٹوڈنٹ تبصرہ کرتے کہ وہ پرانے عہد کا آدمی ہے، جو غلطی سے اس عہد میں آ گیا، اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔

☆☆☆

اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔

لیکن کہاں؟

اس دن وہ گھر آیا تو خالو اماں کے سامنے بیٹھے باتیں بنا رہے تھے۔انہیں دیکھتے ہی وہ چائے بنانے لگا۔

''اسی چائے کی پیالی کے انتظار میں بیٹھا تھا میں......'' خالو چہک رہے تھے۔ضرور پھر کوئی رشتہ لائے تھے۔

''کھانا کھایا؟'' اماں ہر روز پوچھتیں جیسے وہ کالج سے کھا کر آتا ہو۔

''مراد! تمہاری اماں تو مان گئی اب تم بھی مان جانا...... بڑے مان سے آئے ہیں کہا کہ ہمارا بیٹا ہے، ضرور لائیں گے۔''

وہ نا سمجھی سے خالو کی طرف دیکھنے لگا۔''اب کیا لڑکی والوں کے یہاں اسے لے کر جائیں گے۔''سوچا۔

''تم اپنی تیاری کرو، رات کی گاڑی سے نکلنا ہے۔''اماں بھی چہک رہی تھیں۔بس یہی کمال تھا خالو کا۔

''کہاں بھگا کر لے جا رہے ہیں مجھے۔'' وہ ہنستے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''دو گلی چلو ہمارے ساتھ...... صاحب ہیں میرے......دس سال کام کیا ہے ان کے ساتھ...... بیٹی کی شادی ہے، بلایا تھا کہ کام بہت ہے۔میں نے کہا۔ابھی حاضر ہوتا ہوں۔آدمی بھیجا تھا......آنے جانے کا سارا خرچا پکڑا گیا ہے۔''

وہ ہنس دیا۔''میرا خرچ بھی بھیجا ہے۔''

''بھیا! یہی سمجھو......بٹیا کو پڑھنے کا شوق ہے، ان کے ماسٹر جی بیمار پڑ گئے، بڑے ہسپتال میں ہیں، کہا کسی اچھے اُستاد کو جانتے ہو تو ساتھ لیتے آؤ۔''

''مجھے کیسے جانتے ہیں......''

''سب جانتے ہیں......کئی بار بتایا ہے کہ ہمارا لڑکا کالج میں بہت بڑا پروفیسر ہے۔''

''بہت بڑا پروفیسر نہیں ہوں خالو......''

''تو کیا چوکیدار ہو؟'' ناراضی سے منہ بنا کر

""گریڈ اور تجربے کا فرق ہے...... میں کہاں اور پروفیسری کہاں۔" انکساری سے کہا۔
""اچھا بھیا! جو بھی ہو...... تم تیاری کرو رات کو نکلنا ہے۔"
اس نے خالو کی طرف دیکھتے ہوئے دلچسپی سے چائے کی چسکی بھری۔ "آپ چائے تو لیں......"
""دیکھا آپا! دیکھا اپنے لڑکے کو...... یہ ہے ان کے انکار کا طریقہ...... جاؤ ہم نہیں پیتے چائے وائے......"
اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔اماں نے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا۔
""میں گھر کو تالا لگا کر رضیہ کے یہاں جا رہی ہوں...... تم جاؤ اپنے خالو کے ساتھ۔ بوڑھی ہوں بیمار ہوں پر اتنا گناہ گار نہ کرو۔ مجھ سے چھپتے ہوئے ہو۔ شادی کر کے نہیں دے رہے۔ کہا میاں! چلو یہ گھر بدل لیں، کسی اچھے گھر میں رہیں لیکن تمہاری ضد نہیں جاتی۔ وقت بدل رہا ہے، کچھ تم بھی بدلو۔ نئی سے نئی کتاب لاتے ہو، کسی کو دل میں بھی لاؤ۔"
وہ اماں کی لفاظی پر حیران رہ گیا۔ بس یہی اماں کا کمال تھا، وہ جھٹ پٹ اتنا بدل جاتی تھیں کہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ سچ بڑبڑاتی تھیں اور جھوٹ دے دے کر مارتی تھیں۔ اپنی زبان پر آجاتیں تو کتنوں کو خاموش کروا دیتی تھیں۔
""تمہیں گھن لگتے دیکھ رہے ہیں، رات گئے باہر بیٹھے کتابیں پھونکتے رہتے ہو۔ لکھنے پڑھنے کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ میرے لیے دال دلیہ نہ کرنا، مجھے بھی یہ کتاب کھلاؤ۔ دوا کیوں دیتے ہو کتاب دو۔ ڈاکٹر کے کیوں لے جاتے ہو، انارکلی لے جایا کرو، وہاں میں بھی کتابیں چنا کروں گی۔"
اس کی ہنسی نکل گئی۔ غیر محسوس دیر تک ہنستا رہا۔ یہی کمال تھا خالو صاحب کا، جب آتے اماں کو بھڑکا جاتے تھے۔ کچھ ہی دیر میں رضیہ خالہ بھی آگئیں۔ اماں جیسے تیسے اٹھیں، الماری دیکھی، اس کے سارے اچھے کپڑے نکالے۔ کاج بٹن دیکھا اور پھر چمڑے کے بیگ میں رکھنے لگیں۔ اب وہ جھنجھلانے لگا۔ اماں کو منانا چاہا، لیکن اماں اس کا ہاتھ جھٹکتی رہیں۔
""چار دن اس گھر سے باہر رہ لو گے تو ہم مر نہیں جائیں گے۔ ہمیں اپنے سر کا بوجھ نہ بتاؤ ورنہ منہ موڑ کر مر جائیں گے۔ خالو کے ساتھ جاؤ، کوٹلی گھومو...... شادی میں کوئی پوچھے تو کہنا ہاں ہمارا گھر بدل لیں گے...... جو ایسا نہ کہا تو پھر مجھے ماں نہ کہنا۔"
اس نے ایک ناراض سی نظر خالو پر ڈالی۔ خالو گردن مٹکا کر چائے کی چسکی بھر کر قریب پڑا اخبار اٹھا کر دیکھنے لگے۔
""اماں! کالج سے چھٹی نہیں ملے گی۔"
""سب...... جب میں بڑے ہسپتال میں بیمار پڑی تھی تو تم نے کوئی پرچہ لکھ کر بھیجا تھا۔ بس وہی پرچہ لکھ دو، رضیہ کا لڑکا کالج دے آئے گا۔ صابن کی ٹکیہ اور تمہارے سر کا تیل بھی رکھ دیا ہے۔ جاؤ تیار ہو جاؤ، رات کی گاڑی سے نکلنا ہے۔"
☆☆☆
رات کی ریل کار سے وہ نکل آئے تھے۔
خالو برتھ پر پڑ کر سوتے رہے، وہ نیچے بیٹھا کتاب پڑھتا رہا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے زندگی میں سہانے سپنے نہیں دیکھے تھے لیکن ایک دن اسکول سے گھر آیا تو ماں کو بڑا چپ دیکھا۔ عورتیں رلانے کی کوشش کرتی رہیں لیکن رلا نہ سکیں۔ اسے البتہ سینے سے لگا لیا۔ ماں کے دل کی دھڑکن بھی چپ تھی۔ اب اسے کون رلاتا۔ گھر میں وہ ایک ہی عورت کو جانتا تھا۔ ماں کو، اور ماں کو ایسے خالی خالی دیکھا تو دکھی ہو گیا۔ یہی پہلا دکھ تھا جو اس کے دل کو جا لگا تھا۔ ماں نے ساری عمر کوئی خاص زیور نہیں پہنا تھا لیکن پھر بھی لگتا اس کا سارا گہنا لٹ گیا۔ اس کی سفید آنکھوں میں پھر کاجل نہ لگا۔ ہارسنگھار جاتا رہا۔ اس کا باپ گیا تھا، لیکن اماں کا شاید سب کچھ چلا گیا تھا۔
وہ عورت بڑی جلدی بوڑھی ہوئی تھی۔ جو آنکھوں میں کاجل ڈالتی تھی گیت گنگناتی تھی۔ شادی

کے پندرہ سال تک بے اولادی کے بوجھ سے گزری۔ ماں بنی تو پھر بیوگی سے جا ملی۔ جھولی میں ایک چیز گرتی ہے تو دوسری نکل جاتی ہے۔ چھید ہوتا ہے شاید۔ بے اولادی کے باوجود ابا نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ گھر کی ہوا میں خالص محبت رچی تھی، پھر وہ ایسے کیسے شادی کر لیتا۔ اس نے فوراً ابا والی جگہ سنبھال لی۔ اگلے دن قل تھے، خاندان کے بزرگوں سے پوچھ پوچھ کر کام کرتا رہا۔ اسی دن ابا کی سائیکل شیڈ میں کھڑی کی، اس کا تالا چیک کیا۔ نا جانے کیوں اس پر اماں کی تنہائی آشکار ہو گئی۔ پہلے لوگ انہیں بانجھ کہتے تھے، لیکن اسے لگا کہ ابا کے جانے کے بعد، اس کے ہوتے ہوئے بھی وہ بانجھ ہو گئیں۔ محبت سے بانجھ۔

یہ ان دونوں کی محبت کا اثر تھا جو اس کے خون میں آیا تھا کہ زمین دار کی حویلی سے نکلتے، کالج جاتے، راستے میں کئی چقیں کھسک جاتیں، کچھ آوازیں سنائی دیتیں، کچھ پیغام دیے جاتے، لیکن اس کا دل نہیں اٹھ سکا۔ خواب میں بنجارہ ہوا دل، کسی دہلیز پر اپنا دل چھوڑ آیا تھا۔ اسے بھی نشان نہیں دیتا تھا۔

پروفیسر صاحب اپنی بیٹی کی باتیں کرتے تھے۔ ایک بار بھی اس کا دل اس لاڈلی سے ملنے کے لیے نہیں مچلا۔ وہ ان کے گھر بھی گیا تھا، اس کی آواز بھی سنی تھی، لیکن ایک نظر دیکھ لینے کی چاہ تک نہ ہوئی۔

وہ قناعت پسند نہیں تھا۔ پر یہ دل شاید کسی لمحے سے عہد کر بیٹھا تھا۔ وہ اسی عہد میں جی رہا تھا۔ کالج میں اس سے مذاق کیا جاتا تھا کہ ”کسی دن شادی کا بلاوا لے کر آئیے۔ ہم بھی آپ کا ولیمہ کھائیں۔“

”ماسٹر جی آئے ہیں؟“

ٹرین سے اترتے ہی اسے یہ آواز سنائی دی تھی۔ خالو نے قہقہہ لگایا تھا اور پلٹ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”دیکھو، کتنا لمبا چوڑا ماسٹر لایا ہوں...... بیٹا ہے اپنا......“

چادر کی بکل مارے، سر پر اونی ٹوپی پہنے اس کا پوچھنے والا، اسے دیکھتے ہی لپک کر اس کی طرف آیا۔ ہاتھ پیشانی تک لے کر سلام کیا۔ کوٹلی میں اچھی خاصی ٹھنڈ تھی۔ سردی اس کی ہڈیوں میں گھس رہی تھی۔ اس نے سامان اٹھانا چاہا تو چھوٹے نے لپک کر اس کا سوٹ کیس جھپٹ لیا۔

”ماسٹر جی...... ہم سے اپنی جوتیاں سیدھی کروائیں......“

اونی ٹوپی اس کی آنکھوں پر گرتی تھی۔ سفید دانت چمکتے تھے۔ اس کے پیچھے دھند کا دھواں تھا۔ اسے لگا وہ شرت چندر جی کی کہانی کے کسی منظر میں آ گیا۔ اسٹیشن پر کوٹلی کا بورڈ ہندی اور اُردو میں لکھا تھا۔ اس نے دلچسپی سے بورڈ پڑھا۔ لڑکا اس کے پیچھے کھڑا تھا کہ وہ آگے چلے تو وہ پیچھے آئے۔

”تم چلو...... میں آتا ہوں......“ اس نے پلٹ کر مسکرا کر کہا۔

”آپ سے پہلے......؟“ وہ حیران ہوا۔

اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ”پڑھتے ہو؟“

سر نفی میں ہلایا۔ کھینچ کر ٹوپی کو اوپر گھسیٹا لیکن وہ پھر واپس لوٹ آئی۔

”آپ پڑھا دیں گے؟“

”میرے ساتھ شہر چلنا...... پڑھا دوں گا......“

اس نے سر جھکایا۔ ”پھر تو پڑھ لیے ہم......“

آس پاس کا منظر دیکھ کر اس کا دل بہل گیا۔ اس نے سوچا پروفیسر صاحب کو یہاں سے خط لکھے گا سارا منظر بتائے گا۔ کچھ ریل کار کی باتیں بھی تھیں۔ وہ پہلی بار اتنے لمبے سفر پر آیا تھا۔ رات کی تاریکی میں چھک چھک کرتی ٹرین میں کتاب پڑھی تھی۔ خالو اپنی لالٹین ساتھ رکھتے تھے۔ بس وہ جلتی رہی اور یہ پڑھتا رہا۔ اسے اتنا اچھا لگا کہ جی چاہا سفر طویل ہو جائے۔

اسے جیپ میں آگے بٹھایا گیا تھا۔ چھوٹے نے جیب سے صاف رومال نکال کر سیٹ صاف کی تھی۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ماسٹر جی

سا تھ بیٹھے ہیں، ڈرائیو نے بڑی تمیز سے گاڑی چلائی تھی۔ یہ بڑا سا مکان تھا جس کے آگے جیپ رکی تھی۔ اس نے کبھی اتنے بڑے مکان نہیں دیکھے تھے۔ وہ اسے کیا کہے، حویلی، محل، کوٹھی، یا پھر قلعہ۔ کیا ہے یہ...... پھاٹک سے اندر تک جیپ بھاگتی چلی گئی۔ اسے لگا وہ پہلے بھی یہاں آچکا ہے۔ پر کب...... کیسے؟

خالو لپک کر اترے اور جو جو ملتا گیا اسے بھینچ ہی تو لیتے۔ وہ یہاں دس سال رہ کر گئے تھے۔ ان کی آواز کی ٹون ہی بدل گئی تھی۔ بات بات پر قہقہے تھے۔ بڑھ بڑھ کر سینے سے جا لگتے تھے۔ وہ تمیز سے اتر رہا تھا۔ رات بھر کے سفر میں بھی، کپڑوں پر ایک سلوٹ نہیں پڑنے دی تھی۔ سلیقے سے ٹرین میں بیٹھا رہا۔ طریقے سے برتھ پر دو گھڑی کمر سیدھی کرلی۔ ایسے جیسے یہیں قریب سے آیا ہو۔ پینٹ شرٹ پر چمڑے کی جیکٹ پہن لی تھی۔ یہ جیکٹ ایک ساتھی پروفیسر نے تحفتاً دی تھی۔

رات کو بڑے صاحب اس سے ملنے آئے۔ وہ کھڑکی کے قریب رکھی میز کرسی پر بیٹھا پروفیسر صاحب کو خط لکھ رہا تھا۔ باہر اونچے نیچے پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ دھند ہی دھند تھی۔ وہ کسی ٹھنڈے علاقے میں پہلی بار آیا تھا۔ کمرے میں آتش دان روشن تھا۔ خاصا گرم تھا۔ خالو پیچھے ہی تھے۔

"مراد ہے...... کالج میں بہت بڑا پروفیسر ہے...... بہت لائق ہے...... گولڈ میڈل لیا تھا۔ کالج والے گھر سے آکر لے کر گئے ہیں کہ میاں ہمارے یہاں پروفیسری کرو۔ یہ بڑی بڑی یونیورسٹیاں اسے پروفیسری دینا چاہتی تھیں، پر لڑکے نے کہا، ماں کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا...... اپنے ہاتھ سے نوالے بنا کر ماں کو کھلاتا ہے۔"

خالو نے بھی اماں والا کام کیا تھا۔

اپنی جگہ سے فوراً کھڑے ہو کر اس نے سلام کیا۔ جواب میں صاحب نے اس کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ کا شکریہ پروفیسر صاحب...... میں ممنون ہوں...... بیٹی کو زبان دی تھی......" اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں۔

دونوں آتش دان کے قریب رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"میں بہت بڑا پروفیسر نہیں ہوں۔ زیادہ لائق بھی نہیں ہوں، سمجھ لیں۔ کام چلا رہا ہوں۔"

خالو صاحب چلے گئے تو اس نے انکساری سے سچ بتا دیا۔

انہوں نے اپنے مہمان کی طرف محظوظ ہو کر دیکھا۔ "انگلش پڑھا دیں گے۔"

اس نے سر ہلا دیا۔

"والدہ کو خط لکھ رہے ہیں...... ہمارے گھر میں ٹیلی فون ہے...... آپ استعمال کر سکتے ہیں۔"

"اپنے پروفیسر صاحب کو لکھ رہا ہوں...... انہیں خط و کتابت پسند ہے۔"

کمرے سے نکلنے سے پہلے دوبارہ اس کے کندھے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھ دیا۔

"اتنا سچ بولیں گے تو ہم آپ کو یہاں سے جانے نہیں دیں گے۔"

☆☆☆

صبح ناشتے کے بعد وہ علاقہ گھومتا پھرتا رہا۔ سب اسے ماسٹر جی ماسٹر جی کہہ کر سلام کرتے رہے۔ چھوٹے لڑکے نے اسے خاصا مشہور کروا دیا تھا۔ وہی اسے لے کر گھومتا رہا۔ دو بار مراد نے ہاتھ بڑھا کر اس کی اونی ٹوپی سر پر ٹھیک سے جما کر بٹھائی کہ آنکھوں پر نہ گرے۔ لیکن ٹوپی اور ٹوپی والا، دونوں کو گرنے، اٹھنے کا مشغلہ پسند تھا۔ وہ تیسری بار گری تو اس نے حقیقت قبول کرلی اور ہنس ہنس کر چھوٹے کی باتوں کے جواب دیتا رہا۔

رات کو اسے بچی کو پڑھانا تھا۔ دن میں شادی کی کوئی رسم ہوتی رہی تھی۔

☆☆☆

"السلام علیکم......" بچی نے سلام کیا۔

وہ میز پر رکھے انگریزی اخبار کو الٹ پلٹ رہا تھا کہ وہیں سے سر اٹھا کر دیکھا اور......

"آپ لاہور سے ہیں......آداب کہنا ہو گا؟" سلام کا جواب نہیں آیا تو معصومیت سے پوچھا۔

وہ اس کے سامنے رکھی کرسی کی پشت پر کھڑی تھی۔ وہ اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گیا۔ بوکھلا گیا۔ جیسے اچانک عہدوں کا راز کھل کر سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ سارے خیال بے خیال ہو چکے تھے۔ چھوٹا کتابیں پکڑے کھڑا رہا۔ پھر جھک کر میز پر رکھ دیں۔

"آداب......"

سلام کا جواب نہیں آیا تو اس نے آداب بھی کہہ دیا۔

وہ بے ادبی سے اس کا جواب بھی نہیں دے سکا۔ بڑی مشکل سے اس کی نظریں کتابوں پر آ کر ٹھہر گئیں۔ اتنے بڑے گھر کی نشست گاہ تھی۔

وہ عین درمیان میں رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ بیچ میں ایک میز بھی تھی، بس۔ آس پاس گھر والے، اور گھر کے ملازم بھاگے دوڑے پھرتے تھے۔ رات کے کھانے کا انتظام تھا۔ شور تھا لیکن کان بڑی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ سمجھا تھا سب بچی بچی کہہ رہے ہیں تو وہ کوئی بچی ہو گی، لیکن وہ یہ تھی......دلہن......پندرہ دن بعد اسی کی شادی تھی۔ آٹھ دن بعد اس کا انگریزی کا پرچہ تھا۔ اسی کی تیاری کرنی تھی۔ دُور سامنے اس کے والد، اس مکان کے صاحب، حسابی کتابی طرز کے آدمیوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ کسی ایک نے بھی گردن گھما کر بھنویں اچکا کر، اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ گھر بہت بڑا تھا، ہوادار اور روشن تھا۔ یہ وہ پہلے دن ہی جان گیا تھا۔ لیکن گھر کا ماحول اتنا ہوادار ہو گا، اسے اب اندازہ ہو رہا تھا۔

دلہن کی اماں آئیں۔ قہوہ اور خشک میوہ اپنی نگرانی میں رکھوا گئیں۔ وہ خاموش بیٹھا سب دیکھتا رہا۔ اخبار سمیٹ کر رکھ دیا۔ دور بیٹھے حساب کتاب والوں کی حسابی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ کانوں میں کچھ شور سا تھا۔ اماں کے گنگنانے کی آواز بھی کہیں سے آتی تھی۔ اس کی ہتھیلیوں پر پسینہ آ رہا تھا۔ شاید کچھ پیشانی پر بھی تھا۔ جیب سے رومال نکال کر غیر محسوس طور پر صاف کیا۔

وہ سامنے بیٹھ چکی تھی۔ کتاب ہاتھ میں پکڑ چکی تھی۔ گرم چادر کو شانوں پر پھیلایا تھا۔ اس رنگ کی شال اس نے پہلی بار دیکھی تھی۔ کیا رنگ ہے یہ؟ شاید عنابی؟ یا گلابی......شاید اناری......اس نے گرم موزے اور چپل پہنی تھی۔ ہاں سردی بھی تو بہت تھی۔ اس کی نظر اس کی شال کے کناروں سے ہو کر، گرم موزوں اور پھر واپس کتابوں پر آ کر ٹھہر گئی۔

"کہاں سے پڑھنا ہے؟" وہ اتنا ہی پوچھ سکا۔

وہ کتاب کو نرمی سے الٹتی پلٹتی رہی۔ جیسے اصل داستان تک پہلے ہی پہنچ چکی تھی لیکن اب اس کا بھرم رکھ رہی تھی۔ کسی آخری صفحے پر رک گئی اور ایک جگہ ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ پوئم سمجھا دیں۔ مجھے اس کی سمری لکھنی ہے۔"

وہ پوئم پڑھنے لگا لیکن الفاظ اس کی پکڑ میں نہیں آ رہے تھے۔ وہ ماسٹرز کر چکا تھا۔ سات سالوں سے کالج میں پڑھا رہا تھا، یہ پوئم اسے لفظ بہ لفظ یاد تھی لیکن اب ایک بھی لفظ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کتاب سامنے پھیلا کر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ وہ خود ہی سمری لکھنے لگی۔ ماسٹر جی نے کچھ کہا نہیں تھا لیکن وہ سمجھ گئی کہ جیسی تیسی سمری لکھ کر دکھا دینی چاہیے۔ نئے ماسٹر کی سمجھ آتے آتے آئے گی۔

☆☆☆

وہ اچھی خاصی لائق تھی، لیکن باپ بیٹی میں وعدہ تھا کہ جب تک اس کا آخری پرچہ نہیں ہو جاتا، اسے ماسٹر کی پوری توجہ ملے گی۔

اس نے باپ سے اصرار کیا، سمجھایا کہ اس کی

pklibrary.com

تیاری مکمل ہے، وہ امتحان پاس کر لے گی لیکن زبان کے عہد کی پاس داری میں پندرہ دن کا رخنہ بھی کیوں آتا۔ جو سلسلہ کئی سالوں سے چل رہا تھا، اس میں پندرہ دن کا بال انہیں گوارا نہ ہوا۔ اسے خاص لاہور سے بلوایا تھا۔

جہاں باپ بیٹی میں زبان کی ایسی پاس داری تھی، وہ کتابیں پڑھنے والا کس خواب وخیال میں تھا۔ وہ اس سے تھوڑا بہت پڑھ کر کہ اسے اپنا آنا بے کار نہ لگے، دوسری کتابوں کی باتیں کرنے لگتی تھی۔ وہ اتنی شفیق، نرم خو اور صاف نیت تھی کہ اس سے بات کرنے میں کوئی جھجک نہ رہتی۔ کسی ملازم کو آواز دے کر بلاتی، سبز چائے منگواتی، اس کے سامنے رکھواتی، اور بات جاری رکھنے کے لیے کہتی۔

دو دن ایسے گزرے تھے کہ وہ صرف دو دن نہیں لگتے تھے۔ اتنا تو وہ لاہور میں نہیں جیا تھا جتنا یہاں جی لیا تھا۔

☆☆☆

وہ اسے پروفیسر صاحب کے طویل خطوط کے کچھ حصے پڑھ کر سنانے لگا۔ یہ اس کا پہلا سفر تھا، وہ کچھ سنکی ہو گیا تھا شاید۔ کتابوں کے ساتھ پروفیسر صاحب کے خطوط بھی رکھ لایا تھا۔ وہ یونان کے قصے بڑی دلچسپی سے سنتی رہی۔ اور اس میں تھیٹر پلے پر دیر تک سوال کرتی رہی۔

"تھیٹر تو لاہور میں بھی کلاس کا ہوتا ہے لیکن یونان کی بات ہی اور ہے۔" اس نے خود ہی تبصرہ کر دیا۔

وہ افسوس سے سر ہلانے لگی۔ "مجھے دونوں سے مطلب نہیں رکھنا چاہیے۔"

وہ مسکرانا چاہتا تھا لیکن اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ لاہور آئیے گا۔" کہہ نہ سکا۔

"آپ یونان جائیں تو مجھے خط ضرور لکھیں...... اماں کو یہاں چھوڑ جایئے گا۔"

اس نے ایسے اماں کہا جیسے وہ ہمیشہ سے اس کی اماں بھی تھیں۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا تمہارا میاں اجازت دے گا کہ میں تمہیں خط لکھوں۔ لیکن اس نے اپنی بات چیت میں اس غیر متعلقہ، غیر مطلوب انسان کو لانا مناسب نہیں سمجھا۔ گیارہ دن بعد وہ ویسے ہی ہمیشہ کے لیے آجانے والا تھا۔

"آج تک ابا سے جو کہا۔ انہوں نے کر دیا، اب ان پر یونان کا بوجھ ڈالنا ٹھیک نہیں ہوگا۔"

باپ بیٹی سچائی کے ساتھ چلتے تھے، پھر درمیان میں خواہش نہیں لاتے تھے۔ ایک دوسرے کا اتنا مان رکھا تھا کہ مان توڑنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

"لاہور میں کتابیں بھی تو بہت ہوتی ہیں۔ وہاں بڑی بڑی لائبریری ہیں۔ آپ کے کالج کی لائبریری کا بھی بہت سنا ہے۔"

"دیال سنگھ کالج کی لائبریاں میں بہت نایاب کتابیں ہیں...... جو آپ کو صرف وہیں ملیں گی......"

اس طرز پر شیخی اس نے پہلی بار ماری تھی۔

اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ کیسا بچکانہ رویہ دکھا رہا ہے۔ پر وہ جانتا تھا کہ یہ کتابیں اس سے وفا ضرور نبھائیں گی۔ اس سے بات چیت میں یہی تھیں جو اس کا سہارا تھیں۔ وہ متاثر ہو کر سنتی رہی۔

"اگر میں روز ایک کتاب پڑھوں تو لائبریری کی کتابیں کب تک ختم ہو جائیں گی...... میرے مرنے تک؟"

"یہ منحصر ہے کہ آپ کا مرنا کب تک متوقع ہے۔" وہ ایسی بات نہیں کہتا تھا لیکن کہہ دی۔ اب تو سب کچھ ہوتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"فرض کریں ساٹھ سال تک......"

"کتاب اخبار کی طرح نہیں ہوتی کہ اسے ایک دن میں مکمل کر لیا جائے۔ اگر کتاب واقعی میں اچھی ہے تو ایک دن میں مکمل نہیں کی جا سکتی۔ وہ اپنے ساتھ جس سفر پر لے کر جائے گی، وقفے وقفے سے رکوائے گی، غور کروائے گی، نئے خیال کی بنت ہو گی، کچھ سوال جگائے گی۔ ان کے جواب کی تلاش ہو گی...... وہ سفر ہی کیا جو رکنے پر مجبور نہ کرے۔ یہ ایک دن میں کیسے ہو گا؟"

pklibrary.com

وہ متاثر کن نظروں سے ماسٹر جی کی طرف دیکھتی رہ گئی۔اسے اندازہ ہوا کہ کتابیں پڑھنا بھی عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔انہیں پڑھ تو ہر کوئی سکتا ہے،لیکن ان میں اتر کوئی کوئی سکتا ہے۔

''فرض کریں، میں پڑھ لوں......''

اسے ایک دم سے ایک خیال آیا کہ انسان ہر شے فرض کرواتا ہے، فرض کرو میں مر جاؤں، فرض کرو میں دولت مند ہو جاؤں، فرض کرو میں پہاڑ چڑھ جاؤں......لیکن وہ ''فرض کرو میں تم سے محبت کر بیٹھوں''......فرض نہیں کرواتا۔اس پر ابھی ابھی یہ حقیقت آشکار ہوئی تھی کہ محبت کو فرض کروانے والے، پہلے ہی محبت فرض کر چکے ہوتے ہیں۔ دوسری صورت میں یہ فرض بھی نہیں کرواتے۔

''فرض کریں، آپ کو ایسی کتاب پڑھنے کے لیے مل جائے جو آپ کو دل کی تکلیف سے ہم کنار کر دے۔اس کے بعد کوئی اور کتاب پڑھی نہ جا سکے۔نہ دل لبھا سکے، نہ دل میں آسکے۔کیا آپ اس کتاب کو پڑھیں گی؟''اس نے اپنا سوال فرض کروا دیا۔

اس نے ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا اور سوچا۔''کچھ عجیب بات ہے۔''

''ہاں......عجیب بات ہے......''اس نے اقرار کرلیا۔

''فرض کریں ماسٹر جی......''اس نے واپس اپنے سوال کی تکرار واپس کی۔

''پھر بھی آپ کو کئی زندگیاں چاہیے ہوں گی۔''

''جو زندگی ملی ہے، اس میں کچھ کیا جائے......
آپ اگلی بار آئیں تو کچھ کتابیں لیتے آیئے گا۔''

''اگلی بار......''اس نے خود کلامی کی۔اسے اگلی بار آنا ہے۔کیا وہ آسکے گا؟

''آئیں گے؟''

اتنی جلدی یہ فیصلہ کیسے ہوگا۔

''انسان کتابوں کے ساتھ نہیں جی سکتا۔''

اماں کی کہی بات آج اس کی زبان سے پھسل گئی۔اپنے نہ آنے کی وجہ بتادی۔انکار کردیا۔تم بھی کتابوں کے سہارے نہ رہنا، جتا دیا۔

''کوٹلی کے چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والی کتابوں میں جی سکتی ہے۔چھوٹی جگہ پر رہنے والے بڑے جہانوں کے خواب دیکھتے ہیں۔انہیں اتنی اجازت ملنی چاہیے۔''

بڑے مکان میں رہنے والی اپنے گاؤں کو چھوٹا کہہ رہی تھی۔وہ اپنے اُستاد کا بھرم رکھ رہی تھی۔

''میں بھی چھوٹے گھر میں رہتا ہوں۔''اس نے پہلی بار اپنے گھر کی حیثیت کسی پر آشکار کی تھی۔

''پر آپ بڑے شہر کے بڑے کالج میں پڑھاتے ہیں۔''وہ بضد تھی کہ وہ بہت بڑا انسان ہے۔

''مجھے اس جگہ کی زندگی اچھی لگی۔''

وہ اصرار کررہا تھا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔اتنی کہ اس تک عام فہم خیال تک نہیں پہنچ سکتا۔وہ اسے کیسے بتاتا کہ اس کا شہر، اس کا مکان، اس کا باپ اور وہ خود، کتنے خوب صورت ہیں۔ان کی حیثیت کتنی ارفع ہے۔

وہ دھیمے سے ہنس دی۔''پھر آپ یہیں رہ جایئے......ہمارے پاس......''

اس نے کیسے ہی کہا ہو لیکن ماسٹر جی نے ایسے سنا کہ:

''یہیں رہ جایئے......میرے پاس......
میرے ساتھ......''

''پھر آپ یہیں رہ جایئے...... یہیں......
یہیں......''

☆☆☆

رات تک یہ تکرار اس کے اندر باہر گونجتی رہی گنگناتی رہی۔وہ مسکراتا رہا۔لڑکی کی شادی سر پر کھڑی تھی اور وہ مسکرا رہا تھا۔گرم مردانہ شال جو مہمان کو تحفے میں دی گئی تھی اس کو اپنے گرد لپیٹ لیا۔اندر سے شادی کے گیتوں کی آواز آرہی تھی۔وہ

پھر بھی خوش رہا۔ گھر کے ملازموں کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ ان کی الٹی سیدھی باتوں پر ہنستا رہا۔

رات ڈھل گئی تو وہ جھنجھلانے لگا۔ سر جھٹکتا رہا۔ اسے خود پر غصہ بھی آیا کہ یہ کیا بات ہوئی۔ رات کو ایک کتاب کے پچاس صفحے پڑھ کر سونے والا، سبزی ترکاری لانے والا، ماں کے سر میں تیل ڈال کر کر بال بنانے والا، کسی جنگ میں نہیں کود سکتا تھا۔ وہ سچ بول سکتا تھا۔

یہ اس کے لیے آسان تھا۔ وہ اپنے دل کے لیے لڑ نہیں سکتا تھا، یہ اس کے لیے مشکل تھا۔

خالو صاحب نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں، جیسے وہ یہاں سے کبھی گئے ہی نہیں تھے۔ روز ریلوے اسٹیشن سے مہمانوں کی گاڑیاں آتی رہیں۔ وہ بڑی حویلی اور بڑی ہو گئی۔ سب اسے ماسٹر جی کہتے، سلام کرتے، حال چال پوچھتے، جیسے وہ بہت خاص انسان ہو۔ خالو اپنی ٹولی کے ساتھ رات گئے آگ دہکا کر بیٹھ جاتے، اسے بھی کھینچ لاتے۔ لیکن اسے کرسی پر بٹھاتے۔

اس نے پروفیسر صاحب کو دوسرا خط لکھا، احوال لکھا، اور آخر میں یہ لائن بھی لکھ دی۔

''چھوٹا سا گاؤں ہے پر یہاں زندگی پوری ملتی ہے...... زندگی پر کوئی بوجھ دکھائی نہیں دیتا۔''

جب سے پروفیسر صاحب کی بیٹی کی شادی ہوئی تھی، ان کی دوستی بحال ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار یونان گئے تھے اور اسے وہاں سے تفصیلی احوال لکھ لکھ کر بھیجتے رہے تھے۔ اس نے بہتر جانا کہ وہ اپنا حصہ ادا کر دے۔ اب کوٹلی ہو یا یونان، کیا فرق پڑتا ہے۔ سفر کی اپنی ہی کہانیاں ہوتی ہیں۔

''شادی کے بارے میں سوچو مراد! کوئی پوچھے تو دیر نہ کرنا۔''

بارہ سالہ رفاقت میں پروفیسر صاحب نے کبھی ایسے بات نہیں کی تھی۔ نہ جانے اس کے خط میں ایسا کیا پا لیا تھا کہ بے تکلفی سے کہہ دیا۔ اس کے خطوں میں جو خوشبو لپٹی تھی، وہ اتنا لمبا سفر طے کر کے بھی زائل نہیں ہو رہی تھی۔

☆☆☆

''انہیں آپ کی فکر ہے......'' گل فشاں نے ہنس کر خط واپس میز پر رکھ دیا تھا۔

بوکھلاہٹ میں اس نے گل فشاں کو وہ خط پڑھنے کے لیے دے دیا تھا جس میں اس کی شادی کے لیے اصرار تھا۔ جبکہ اسے یونان والا خط دینا تھا۔ اس کا گورا رنگ سرخ ہو گیا۔ وہ بلا ضرورت چشمے کو درست کرنے لگا۔ وہ دلچسپی سے دیکھتی رہی۔

''آپ اچھے انسان ہیں۔'' شفقت سے کہا۔ اتنی سی لڑکی نے بزرگارنہ انداز اپنا لیا۔

گھبرا کر ''اچھے انسان'' نے میز پر سے خط اٹھا لیا، اور جیب میں ٹھونس لیا۔

باپ بیٹی کے پڑھنے کا عہد پورا کر چکا تھا۔ اور وہ ان کی پسند سے سر جھکا کر راضی بہ رضا شادی کر رہی تھی۔ ان ہی کی طرح بڑے مکان والے لوگ تھے۔ علاقے میں بڑا نام تھا۔ کتابوں کے جہان کی سیر کرنے کے باوجود گل فشاں کے پیر زمین پر ٹکے تھے۔ اس میں کسی بغاوت کی بو نہیں تھی۔

ہونے والا شوہر کچھ ایسا پڑھا لکھا نہیں تھا، لیکن شہزادوں کی طرح تھا۔ شکار کھیلتا تھا، نشانے کا پکا تھا۔ گھڑ سواری کا ماہر تھا۔ لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ اس کا لحاظ کرتے تھے۔

گھر کے چھوٹے سے باورچی خانے کی چوکی پر بیٹھ کر، چھوٹی سی پرات میں آٹا گوندھنے والے ماسٹر جی کا، شکاری بندوقیں رکھنے والے سے کیسا مقابلہ۔

ہونے والے داماد کی نشست گاہ میں شیر چیتے کی کھالیں سجی تھیں۔ اس کے گھر کی کھڑکی سے نیچے جھانکو تو زندگی اپنی آسودگی سمیٹ لیتی تھیں۔ رات کو اماں بڑبڑاتی تھی۔ حیثیت کا اس سے اچھا فرق آج تک اسے کوئی کتاب نہیں سمجھا سکی تھی۔ جتنا حقیقت نے سمجھا دیا تھا۔

☆☆☆

جس دن اس کا انگریزی کا پرچہ ہو چکا، سب کام تمام ہو چکا۔ اس کا دل بھاری تھا۔ پہلی بار اس پر کہانیوں کے وہ در دھل گئے جنہیں اب تک صرف لفظوں میں سمجھا تھا۔ اب سب دل پر بیت گیا۔ وہ دیر تک اس کا انگریزی کا پرچہ ہاتھ میں لے کر بیٹھا رہا۔

وہ بتاتی رہی کہ کس کا کیا جواب لکھا کیسے لکھا۔ آج اس کا بتانا بھی تفصیلی تھا۔ وہ اپنے ساتھ جو کتابیں لایا تھا، انہیں چمکا کر، ایک بنڈل بنا کر میز پر رکھ دیا۔

"یہ میری شادی کا تحفہ ہے۔" وہ چہک کر پوچھ رہی تھی۔

اس کا منہ کڑوا ہو گیا۔ "آپ کی شاگردی کا۔"

وہ کتابوں کا بنڈل الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ ایک روسی ناول کا ترجمہ تھا، ایک ایلیٹ کی انگریزی شاعری تھی اور ایک لاہور نامہ تھا۔ لاہور کے بارے میں۔ غیر محسوس خاموشی دونوں کے درمیان رہی۔ پھر وہ بنا کچھ کہے جلدی سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس نے حیرت سے سر اٹھا کر اپنے اُستاد کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆

دو دن بعد بارات تھی، اس نے خالو سے بڑی ضد کی کہ اسے لاہور جانے دیں، اسے اماں کی طرف سے دھڑکا لگا ہوا ہے، لیکن انہوں نے الٹا صاحب کو بھیج دیا۔ وہ فوراً آئے، اس سے درخواست کی۔

"شادی کے بعد ٹھہر کر جائیے گا...... ہمیں آپ کی مہمان نوازی کا موقع نہیں ملا۔ شکار پر چلیں گے۔"

وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ "اماں وہاں اکیلی ہیں...... مم...... میں......"

"آپ کے خالو سے ہمارا بھی واسطہ رہا ہے...... ان کا کہنا ہے کہ آپ کی والدہ بالکل ٹھیک ہیں، آپ پریشان نہ ہوں۔"

وہ خاموش رہ گیا۔

"کسی چیز کی شکایت ہے؟"

اب وہ شرمندہ ہوا۔ "آپ سے کیسے شکایت ہو سکتی ہے۔"

"آپ سچ بولنا پسند کرتے ہیں...... اپنی خاموشی کی وجہ تمہیں بتائیں گے۔"

سچا انسان خاموش رہا۔

گل فشاں...... وہ شاید پردے میں بیٹھ چکی تھی۔ چھوٹا اس کے کمرے میں کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک پرچہ تھا، اس نے کھول کر پڑھا۔

"یہ خط شاید غلطی سے اس کتاب میں رہ گیا تھا۔ کتاب میں رکھ کر ہی واپس بھیج رہی ہوں۔"

کتاب کوٹلی سے متعلق تھی۔ اس نے کھولی تو اندر پروفیسر صاحب کو لکھا خط رکھا تھا۔ وہ یہ خط ڈھونڈ رہا تھا۔ پہلے اس خط کو ارسال کرنا چاہتا تھا پھر یہ ارادہ ترک کر دیا۔ وہ اس کتاب میں رکھا رہ گیا۔ کیا گل فشاں نے یہ خط پڑھ لیا ہو گا۔ یہ سوچ کر اس کی پیشانی پر ننھے قطرے ابھر آئے۔ جیب سے رومال نکال کر گرم پیشانی پر رکھ دیا۔ وہ بچہ تو نہیں تھا۔ لاابالی بھی نہیں تھا پھر خط کی کوتاہی کیسے کر دی۔

بڑا مکان، مہمانوں سے بھر چکا تھا۔ مہمان لڑکوں کو جیپ میں بھر کر نکلنے سے فرصت نہیں تھی۔ بارات سے پہلے سارے گھر میں ہنگامہ رہا۔ ہر شے پر چراغاں تھا۔ روشنی ختم نہیں ہوتی تھی۔ رونق اپنی جگہ تھی۔

وہ کمرے میں آتش دان کے قریب کھسک کر پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ایک صفحہ نہ پڑھ پاتا۔ صرف یہی کمرا روشن ہونے سے بچا رہا۔

اسے کھانے کے لیے بلایا گیا، وہ ناچار چلا گیا۔ اس کا تعارف کروایا گیا، مل کر مسکرایا گیا، اسے گلے سے لگایا گیا۔ اس کی تعریف ہوئی۔ اسے ہر طرح کا اعزاز دیا گیا۔ لیکن اسے کچھ اچھا نہیں لگا۔

"کالج کے بہت بڑے پروفیسر ہیں لاہور سے خاص آئے ہیں۔"

صاحب نے بھی خالو والی زبان سیکھ لی تھی۔ اس کی تعریف میں کمی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے کہنے میں اتنی اپنائیت ہوتی تھی کہ اسے ابا یاد آجاتے تھے۔

pklibrary.com

کیسا عجیب مکان تھا، ہر شے میں اپنائیت تھی۔ کیسا جادوگر گھر تھا، ہر شے کا مزہ چکھا کر واپس چھین لینے والا تھا۔ وہ دوبارہ کبھی یہاں نہیں آئے گا۔ کسی سفر پر نہیں نکلے گا۔ کبھی اماں کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔

☆☆☆

بارات خاصی دھوم دھام سے آئی تھی۔ وہ کھڑکی سے دیکھتا رہا۔ اگر شہزادہ کہا جائے تو دولہا وہی تھا۔ جیسی گل فشاں تھی۔ پہاڑ بارات کی آمد کی گونج سے گونجتے رہے۔ پھر کچھ ہنگامہ تھم گیا۔ وہ اپنا سامان سمیٹتا رہا۔ سلیقے سے ساری کتابیں رکھیں۔ خالو کتنا ہی روکیں، وہ صبح کی گاڑی سے چلا جائے گا۔ خالو نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ ماں کو اکیلا چھوڑ کر اس نے نتیجہ بھگت لیا۔

اسے کھانے کے لیے بلایا گیا۔ وہ چلا گیا۔ شاید سارا گاؤں آیا تھا۔ اسے کئی اہم لوگوں سے ملوایا گیا۔

پہاڑ سا دن تھا، ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ نکاح کا چرچا تھا۔ دولہا اپنے دوستوں کے ہجوم میں تھا۔ قہقہے اڈر رہے تھے۔ ایک دوبار دولہا اٹھ کر کھڑا ہوا، اور لڑکھڑا کر گرنے لگا۔ اس کے دوستوں نے اٹھایا، کان میں گھس کر کچھ کہا۔ وہ خوش شکل تھا، خوش لباس تھا، خوش اطوار بھی ہوگا۔

صاحب نے دولہے کی طرف دیکھا اور پنڈال سے باہر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد چھوٹا اس کے پاس آیا کہ ”صاحب بلا رہے ہیں، میرے ساتھ آئیں۔“ وہ چھوٹے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پنڈال سے باہر ایک کونے میں صاحب بہادر، دولہا کے باپ کے ساتھ کھڑے تھے۔

”میں کسی غیر کو اس گفتگو میں شامل ہونے نہیں دوں گا۔“

اس سے پہلے کہ صاحب بہادر ماسٹر جی سے کچھ کہتے، دولہا کے ابا نے غصے سے کہا۔

”یہ بات چیت آپ سے متعلق نہیں مجھ سے متعلق ہے۔ میں اپنی مصیبت کا مالک ہوں، جس سے چاہے عرض کروں، مشورہ لوں۔“ ان کی بھنویں تن گئیں۔

”چھوٹے لوگوں میں ہمیں ذلیل نہ کریں۔“ تلخی سے کہا۔

مراد نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

”آپ نے بہت لوگوں میں ذلیل کیا ہے...... سارا گاؤں موجود ہے۔“

”آپ سے کہا ہے، دوستوں نے پلا دی...... شوق شرارت کی بات ہے...... جانے دیں...... رسوائی کا اہتمام آپ خود کر رہے ہیں۔“

”گل فشاں کو آپ کے بیٹے کی بابت بتایا تھا تو اس کے خوش لباس، خوش اخلاق، اور خوش کردار ہونے کا یقین دلایا تھا۔ شوق و شرارت میں وہ اپنے کردار سے گر جائے گا، یہ آج معلوم ہوا ہے۔ وہ کسی کے کہنے میں آ کر حد پھلانگ سکتا ہے، مجھے اسے یہ بھی بتانا ہے۔ وہ ایک ماہر شکاری ہے، اس کا نشانہ خطا نہیں ہوتا۔ مجھے اس سے یہ توقع نہیں تھی۔ جو گل فشاں کا فیصلہ ہوگا وہی میرا فیصلہ ہوگا۔“

”یعنی ہماری ناک اپنی بیٹی کے ہاتھ سے کٹوانا چاہتے ہیں۔ مجھے ایسے نیچا ثابت کریں گے۔“

”آپ عجیب باتیں کر رہے ہیں، جیسے مجھے جانتے نہیں۔“

”میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ دلہن کو پردے میں رکھنے کے بجائے آپ نے جوان جہان لڑکی سے اسے پڑھوانا شروع کر دیا۔“

مراد کو اس طنز پر شدید تکلیف پہنچی۔ اتنی خوب صورت جگہ پر یہ پہلا بدصورت دھبہ تھا جو اسے دکھائی دیا تھا۔

”آپ کی یہ زیادتی یاد رہے گی...... اپنے بیٹے کی حرکت کو شوق و شرارت کا نام دے کر، فوراً میری بیٹی پر کیچڑ اچھال دی۔“

وہ شرمندہ ہوئے۔ ”اچھا جانے دیں...... معاف کیجیے...... آپ مجھے جانتے ہیں، میں آپ کو...... دوستوں نے......“

”میں نے آپ کی بات مان لی۔ میں اس

بات کو اپنی بیٹی کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ رشتہ اس نے قبول کیا تھا، نکاح بھی وہی قبول کرے گی۔ آپ کو فیصلے تک انتظار کرنا ہوگا۔"

ان کی رگیں تن گئیں۔ آنکھوں میں طیش آگیا۔ انہوں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا کہ وہ مراد کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے۔ وہ دلہن کے کمرے کے باہر کھڑا رہا۔ ٹہلتا رہا۔ پھر اس نے وہاں سے لوٹ جانا مناسب سمجھا۔ اندر سے کئی آوازیں آرہی تھیں۔

وہ جا رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور پیچھے سے صاحب کی آواز نے روک لیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، تو باپ کے شانے سے جھانکتی گل فشاں کی ایک جھلک دکھائی دی۔ وہ ویسے ہی مطمئن تھی جیسے اس سے پڑھنے کے وقت ہوتی تھی۔ وہ ان ہی لوگوں میں سے تھی جو طوفان میں بھی پرسکون رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں انہیں کیا کرنا ہے۔ وہ جانتے ہیں انہیں کیا چاہیے۔ وہ عہد نبھاتے ہیں، چاہے ان کے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ وہ حد نہیں پھلانگتے اور کسی کو یہ اجازت بھی نہیں دیتے۔

"آپ مجھ سے کیوں مشورہ چاہتے ہیں۔"

اس نے دیکھا صاحب کی طرف اور پوچھا گل فشاں سے تھا۔ کمرے میں کچھ عورتیں بھی موجود تھیں۔ شاید گل فشاں کی بڑی خالہ، اور کچھ بزرگ عورتیں۔

"آپ پڑھے لکھے انسان ہیں...... بڑے شہر سے ہیں...... ہم باپ بیٹی پاگل دیوانے مشہور ہیں...... اسے پڑھایا لکھایا تو بہت باتیں سنیں...... لڑکا چار جماعتیں پاس ہے...... اچھے خاندان سے ہے...... حسب نسب ہے...... گل فشاں کو اعتراض نہیں تھا، مجھے بھی نہیں تھا۔ بیٹی کو جو کچھ بتا کر رشتے سے منظوری لی تھی، اس میں بال آگیا ہے۔ جو آج ہوا، وہ آئندہ نہیں ہوگا، میرے پاس کوئی وعدہ نہیں ہے۔ صرف آپ سے مشورہ لے سکتا ہوں۔"

وہ آج سے پہلے اتنی بڑی مشکل میں نہیں پھنسا تھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں...... میرے مشورے پر ہاں کردیں گے...... یا انکار...؟" وہ بڑا حیران تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ
بساط دل	آمنہ ریاض
زرد موسم	راحت جبیں
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار
مین سے عورت	غزالہ عزیز
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی
بکھر نا جائیں خواب	آسیہ رزاقی
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل
آج گگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل
درد کی منزل	رضیہ جمیل
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی
تیری راہ میں رُل گئی	میمونہ خورشید علی
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۔ 37 ۔ اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

"ہاں......"

"میں کسی کے لیے اتنا بڑا فیصلہ نہیں لے سکتا۔"

"بڑا مشورہ تو دے سکتے ہیں۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ اس کا دل جو کسی اونچی گھاٹی سے گر کر مر جانے کو تھا، اب اسے واپس زندگی مل رہی تھی۔ وہ چھوٹے گھر میں رہتا تھا، وہ گھر بدل لے گا۔ ضرور کچھ کر لے گا۔ کوئی نہر کھود لے گا۔ جسم سے کھال ادھیڑ کر، کباب بنا لے گا۔ بھوکا پیاسا صحرا عبور کر لے گا۔ صرف ایک مشورے کی دوری تھی۔ ایک دن کی غلطی کو گناہ ہی تو دکھانا تھا۔

اس کے لیے سچ بولنا آسان تھا۔

"ایک غلطی کی معافی ہونی چاہیے۔ انسان پر اتنا اعتبار تو کرنا چاہیے کہ اسے ایک لغزش کی چھوٹ دے دی جائے۔ یہ بیٹی والا گھر ہے۔ بارات کا واپس جانا ٹھیک نہیں۔ انکار بھی ٹھیک نہیں۔ اگر حسب نسب میں بال برابر خلل آیا ہے تو اس خلل کو عمر بھر کی کمائی پر محیط کرنا زیادتی ہوگی...... خطا ہو جاتی ہے......"

الفاظ اس کے منہ سے زہر کے جھاگ کی طرح نکلتے رہے۔ لیکن اس نے ہچکی تک نہیں لی۔ وہ سانس تک لینے کے لیے نہیں رکا، مبادا کوئی جذبہ اسے روک دے۔ اسے ساری سچی کتابوں کا مان رکھنا تھا۔ تا عمر اس نے ایک سچائی کمائی تھی، اس سچائی کے امتحان میں ناکام ہو جاتا تو دیال سنگھ لائبریری کی نایاب کتابوں کو کیا منہ دکھاتا۔

"آپ کو اپنی بیٹی رخصت کر دینی چاہیے۔"

آخری فقرہ کہہ کر وہ لوٹ آیا۔ گل فشاں تخت پر چپ بیٹھی تھی۔ سرخ آنچل ناک تک کھنچا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ خوف تھا۔ وہ اپنے ماسٹر جی کے سیاہ جوتے دیکھتی رہی تھی۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

"گل فشاں! تمہارا فیصلہ کیا ہے؟"

یہ سوال مراد نے اپنی پشت پر سنا تھا۔ لیکن وہ رکا نہیں۔ اسے جانے کی جلدی تھی۔ اسے جلد سے جلد اماں کے پاس لوٹ جانا چاہیے۔ اپنے کالج...... اپنی لائبریری...... زندگی کتابوں کے سہارے نہیں کٹتی، لیکن اب کٹے گی، اس نے بھاری خراج دیا تھا۔ یہ سچ آسان تھا۔ لیکن اس پر بڑا بھاری رہا تھا۔

☆☆☆

کوٹلی سے نکلنے والی ٹرین تقریباً خالی ہوتی ہے۔ سارے ڈبے میں سناٹا تھا۔ وہ ٹرین میں بیٹھا تھا۔ خالو صاحب نہیں آئے تھے۔ اس کے سامان میں دلہن کا ایک سوٹ کیس بھی شامل ہو چکا تھا۔ دلہن اس کے عین سامنے بیٹھی لالٹین کی روشنی میں کتاب پڑھ رہی تھی۔ وہی کتاب جس میں وہ خط رکھ کر بھول گیا تھا، جو اس نے پروفیسر صاحب کو لکھا تھا۔

لکھا تھا۔

"زندگی کی صبح سے واقفیت اتنی بھاری پڑے گی کہ اسی صبح شام آ لے گی۔ قیمت کچھ بھاری رہی۔ اس کی پشمینہ کے کنارے جو زمین کو چھوتے تھے، وہ مجھے آسمان تک لے گئے۔ میں نے جان لیا کہ بھی میری روح بنجارہ رہی ہے۔ اسی بنجارگی میں اس نے اپنا روگ کما لیا۔ اس بڑے مکان کی دہلیز پر اپنا دل چھوڑ دیا...... بتایئے...... دل کے بغیر واپسی ہوگی تو زندگی کٹ جائے گی؟"

کتاب سے نظر اٹھا کر گل فشاں نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کی سچائی اچھی لگی......"

"کون سی؟"

"بابا کے سوال پر جواب کی...... اور پروفیسر صاحب کو لکھے گئے خط...... دونوں کی......"

"آپ نے خط پڑھ لیا تھا؟"

وہ شرارت سے ہنس دی۔ کتنی ہی دیر تک اپنی مسکراہٹ سے کھیلتی رہی۔

"ہاں...... لیکن اس سے بہت پہلے جب کہ ابھی وہ لکھا بھی نہیں گیا تھا۔"

لالٹین کی روشنی میں اس کی آنکھوں میں محبت کا ہر راز افشاں تھا۔

☆☆

pklibrary.com

لبنیٰ آصف

سوچ بدل لو

"ارے! سارے ٹماٹر ڈال دیے۔"

"جی آنٹی! ریسیپی میں پانچ ٹماٹر ہی ڈالنے تھے۔"

"خوب ہو بھئی تم بھی! پتا بھی ہے کہ ٹماٹر کیا روپے کلو چل رہے ہیں۔ سگھڑ عورتیں دیکھ کر چلتی ہیں۔ ریسپی میں جتنے بھی ڈالیں تم اپنا بجٹ دیکھ کر ڈالو چیزیں۔ میرے بیٹے کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔" کہہ کر آنٹی کچن سے باہر گئیں مدیحہ کی برداشت جواب دے گئی۔ سارا غصہ کڑاہی گوشت میں تیز تیز چمچہ چلاتے نکالا۔

یہ آئے روز کا معمول تھا کہ مدیحہ کی ساس چھوٹی سے چھوٹی بات پر سنا دیتیں، ساتھ نصیحت بھی کر دیتیں۔ نیا نیا سسرال، شادی کا پانچواں مہینہ چل رہا تھا۔ اکثر ساس سنائیں تو مدیحہ جی بھر کر بدمزہ ہوتی غصہ بھی بہت آتا لیکن جواب دے کر مدیحہ بات کو بڑھانا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی اپنے اوپر بدلحاظ اور بدتمیز کا لیبل لگوانا چاہتی تھی بس اسی لیے خاموش رہتی۔

آج بھی مدیحہ نے اشعر کی نئی شرٹ ماسی سے ہاتھ سے دھلوائی اتفاق سے آنٹی نے ٹب میں اتنا جھاگ دیکھ لیا فوراً سسر کا ایک سوٹ ماسی کو اسی میں دھونے کہا اور ماسی کے جاتے ہی مدیحہ سے کہنے لگیں۔

"ایک شرٹ دھونے میں کوئی اتنا واشنگ پاؤڈر ڈالتا ہے۔"

"آنٹی! ماسی نے ڈالا تھا۔"

"شرٹ تمہیں دھلوانی تھی تو تمہیں سرف ڈال

pklibrary.com

کر دینا تھا۔ اچھا ہوا میں نے دیکھ لیا ورنہ ماسی نے تو بہا دینا تھا۔ ماسی کو تھوڑی دکھ ہوگا اس کا گھر تھوڑی ہے اسے تو دس گھروں میں کام کرنا ہے۔ بجٹ تو ہمیں چلانا ہے پورے مہینے کا سرف ہے ڈبے میں۔"

"جی آنٹی! آئندہ خیال رکھوں گی۔"

دوسرے دن مدیحہ نے پوچے میں فینائل، دھلنے والے کپڑوں میں سرف اور کچن میں ڈش واش برتن دھونے کے لیے ماسی کو اپنے ہاتھ سے ڈال کر دیا۔

شام میں دعوت تھی دوپہر کا کھانا کھا کر مدیحہ لیٹی تو ایسی آنکھ لگی کہ عصر کی اذان پر ہی آنکھ کھلی، جلدی سے نماز ادا کر کے کپڑے استری کرنے بھاگی تو لائٹ چلی گئی۔ ابھی مدیحہ پریشانی سے سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے کہ ساس کہنے لگیں۔

"وقت سے کام کرنے ہوتے ہیں پتا تھا شام میں جانا ہے۔ تو صبح کپڑے استری کر کے رکھنے چاہیے تھے ناں۔"

مدیحہ کو رونا آنے لگا ایک تو پریشانی کہ کیا پہنا جائے اس پر آنٹی کی دل دکھانے والی باتیں۔

اشعر سے تو کچھ بھی کہنا فضول ہی تھا۔ ہمیشہ اشعر یہی کہتا کہ "تم دل پر مت لیا کرو۔ میں انڈر اسٹینڈ کرتا ہوں کہ امی نے کہا ہوگا کیونکہ میں اپنی امی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں لیکن میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے پلیز اپنا موڈ خراب نہ کرو۔"

☆☆☆

مدیحہ آج میکے آئی ہوئی تھی رکنے۔ اشعر کو کچھ کام تھا وہ شام میں ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ بھابھی نے رات کے کھانے پر نند کے اعزاز میں کافی اہتمام کیا تھا۔ بھائی میٹھے میں مدیحہ کی پسند کی رس ملائی بھی لائے تھے۔ بھابھی بھی نیا نیا گھر سنبھال رہی تھیں۔ دونوں بہن بھائی کی شادی ساتھ ہی ہوئی تھی۔

کھانے پر امی نے پہلا نوالہ لیتے ہی بھابھی کو گھورا۔

"عفرا! اتنا کھٹا سالن ہو رہا ہے۔ صرف ٹماٹر کا ذائقہ آرہا ہے۔"

"آنٹی! میں نے بالٹی گوشت کی جو ریسپی دیکھی تھی اس میں اتنے ہی ٹماٹر ڈالنے تھے۔"

"بھئی ریسپی میں جو بھی ہو۔ تم اپنے حساب سے دیکھ بھال کر کام کرو گی ناں۔"

بھابھی نے بجھے چہرے کے ساتھ آئندہ خیال رکھوں گی کہہ کر امی کو چاول کی پیشکش کی۔ پھر مدیحہ کو اور میاں کو کھانا سرو کیا۔

صبح بھی بھابھی دیر سے اٹھیں امی بغیر جانے کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔ کہنے لگیں! "ماسی اپنی مرضی سے کر گئی ہے کام، سب فٹ میٹ مٹی سے بھرے ہیں لاؤنج کا پوچا بھی ٹھیک سے نہیں لگایا۔ جلدی اٹھ کر ماسی سے کام کروایا کرو گھر ہے تمہارا۔"

"جی آنٹی!" کہہ کر بھابھی نے سارے فٹ میٹ جھاڑے پھر لاؤنج کا پوچا لگایا۔

مدیحہ چلتی ہوئی آرہی تھی کہ امی بول پڑیں۔

"صبر سے کھڑی رہو مدیحہ! جب پوچا سوکھ جائے پھر چلنا پھرنا۔"

صفائی کے معاملے میں امی ایسی ہی تھیں۔ یہ جملے یہ لہجہ نیا نہیں تھا امی تو ایسے ہی بولتی تھیں شروع سے۔ امی نے صبح اٹھتے ہی کڑھی چڑھا دی تھی۔

بھابھی کو چاول روٹی، پاپڑ تلنے اور آلو کے پکوڑے الگ سے نکالنے کا کہہ کر بیٹھ گئیں۔

مدیحہ کا بہت دل چاہا کہ ماں سے اپنے دل کی بات کہے لیکن ماں کا موڈ دیکھ کر خاموش ہوگئی۔

دوپہر میں کڑھی چاول بڑے مزے کے بنے تھے۔ پاپڑ اور آلو کے پکوڑے مزہ آگیا۔ ابھی بھی امی بھابھی کو کہہ رہی تھیں۔

"سوڈا ہاتھ روک کر ڈالا کرو۔ تیل پی لیتے ہیں پکوڑے دیکھو! آلو کے پکوڑوں میں تیل کتنا

ہے۔"

"جی آنٹی" کہہ کر بھابھی کھانا کھانے لگیں۔

دوپہر میں امی سونے چلی گئیں۔ مدیحہ بھاوج کے کمرے میں آ گئی۔ فیشن، میک اپ سے باتیں شروع ہوئیں اور اختتام سسرال کا ماحول اور کام پر ہوا۔ جہاں باتیں اختتام پذیر ہوئیں وہیں نند بھاوج ایک نکتے پر آ کر ٹھہر گئیں۔

مدیحہ بھاوج کو بتانے لگی کہ میری ساس مزاج کی تھوڑی تیز ہیں۔ بات بات پر روکنا، ٹوکنا، کاموں کو اپنے طریقے سے کروانا اور ذرا لاپرواہی پر سنا جاتی ہیں کبھی تو میری برداشت جواب دے جاتی ہے۔ اشعر تو ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ دل پر مت لو اب کیا دل نکال کر پھینک دوں۔"

"مدیحہ! تم تو اس طرح کی باتیں، لہجے، سننے کی عادی تھیں پھر تمہیں کیوں برا لگتا ہے؟"

"کیا مطلب بھابھی؟"

"مطلب میں جب سے شادی ہو کر آئی ہوں۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ آنٹی تمہیں بھی سنا دیتی ہیں۔ جیسے مجھے چیزوں کا کام کا بتاتی ہیں ایسے ہی تمہیں بھی لاپروائی پر سنا دیتی ہیں۔ وہ تو بہو اور بیٹی میں کوئی فرق نہیں کرتیں۔ مجھے بھی تسلی رہتی ہے کہ آنٹی تو اپنی بیٹی کو بھی ایسے ہی بولتی ہیں۔" "بھابھی! وہ میری ماں ہیں۔ شاید اسی لیے مجھے ان کی کوئی بات بری ہی نہیں لگتی۔"

"صحیح کہہ رہی ہو مدیحہ لیکن ساس بھی تو ماں کی جگہ ہیں ان کا احترام ہم پر فرض ہے۔ تم تو شکر ادا کرو کہ تم نے ایسے جملے سنے ہیں۔ میں تو اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوں سب نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا۔ کبھی کسی نے ایسی باتیں کی ہی نہیں۔

آنٹی بھی بہت سی باتیں کہتی ہیں تو مجھے برا لگتا ہے۔ لیکن پھر میں سوچتی ہوں کہ میں عادی نہیں ہوں اس لیے مجھے اتنا برا لگتا ہے۔ کاش امی نے بھی ایسے جملے کہے ہوتے تو میں عادی ہوتی، تمہارے کیس میں تو پسند بھی شامل نہیں ہے مجھے تو تمہارے بھائی نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ امی مزاج کی تھوڑی سخت ہیں۔ انہیں انڈر اسٹینڈ تمہیں کرنا ہوگا۔ بس اسی لیے میں آنٹی کی کسی بات کا برا نہیں مناتی بلکہ میں نے جب بھی سوچا تو مجھے آنٹی کی بات میں اصلاح کا ہی پہلو نظر آیا گھر، تو بڑی سمجھ داری سے چلتے ہیں۔ ہماری چھوٹی چھوٹی لاپروائیاں اسی لیے بتائی جاتی ہیں کہ کل کو ہمیں بھی گھر سنبھالنا ہے۔"

بھابھی پوچھنے لگیں کہ مدیحہ تمہاری ساس آنٹی سے زیادہ سخت جملے بولتی ہیں۔"

"نہیں بھابھی! امی تو دو منٹ میں عزت افزائی کر دیتی ہیں میری ساس تو بہت سنبھل سنبھل کر تحمل سے بولتی ہیں۔"

"بس تو پھر تمہیں کوئی ایشو ہونا ہی نہیں چاہیے۔ تم اپنی سوچ بدل لو۔ جب بھی ساس کچھ کہیں یہی سوچو کہ امی سے تو کم سخت جملے ہیں۔ شکر ادا کرو۔ پھر دیکھنا یہ جملے لہجے تمہیں اتنے برے نہیں لگیں گے۔"

"صحیح کہہ رہیں ہیں بھابھی آپ! ہمیں بھی کبھی اپنی سوچ بدلنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اصلاح کا پہلو تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ واقعی گھر تو بڑی سمجھ داری سے ہی چلتے ہیں۔"

☆☆

نگہت سیما

ماہِ الفتِ ...

مکمل ناول

لاہور کے ذکی دروازے کی سمت بہت شان دار حویلیاں تھیں ان میں سے ایک مرزا جہاں زیب کے دادا مرزا ہمایوں بیگ نے بنوائی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کی گئی تھیں۔

مرزا جہاں زیب اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے اللہ نے انہیں چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔

بیٹوں، بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ اوپر والی منزل میں اورنگ زیب بیگ اور ارباب بیگ رہائش پذیر تھے جب کہ خود جہاں زیب بیگ گراؤنڈ فلور پر دونوں چھوٹے بیٹوں شاہ زیب اور ظفریاب کے ساتھ رہتے تھے۔

اورنگ زیب کی دو بیٹیاں دو بیٹے تھے۔ ارباب بیگ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔

ظفریاب کا بیٹا آزین اور شاہ زیب بیگ کی بیٹی زل کا نکاح ہو چکا تھا۔

شاہ زیب بیوی کے مرنے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ظفریاب کچھ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گئے تھے، وہ بہت برا وقت تھا، نہ جانے کیا ہوا کہ ان کی بیوی نے ان کے واپس آنے کے بعد طلاق لے لی۔ ظفریاب دوسری شادی کر کے ملک سے باہر چلے گئے۔

سولہویں قسط

"ہاں ہم ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ جب میری زندگی میں آئی تو میری زندگی میں اور کوئی نہیں تھا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں ایسے ہی جیسے شوہر اپنی بیویوں سے کرتے ہیں۔ میں نے اس سے تب محبت کی جب وہ میری زندگی میں شامل ہو گئی۔ میں اس کی محبت میں راتوں کو جاگا نہیں۔ دن رات اٹھتے بیٹھتے اسے سوچا نہیں۔ اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے لیے تڑپا نہیں۔ لیکن یہ محبت جس نے اب میرے دل پر کمند ڈالی ہے یہ بہت انوکھی اور نرالی ہے۔ اس کا رنگ بہت مختلف ہے۔ قوس وقزح جیسا بہت خوش رنگ۔ ایسا جذبہ میں نے کبھی پہلے محسوس نہیں کیا۔ دل کو گدگداتا ہوا سا۔ کسک سی پیدا کرتا ہوا۔ اپنی بیوی کے لیے بھی نہیں۔ میں خود نہیں جانتا ایسا کیوں ہوا ہے لیکن ایسا ہو گیا ہے یار۔"

اس کی آنکھیں محبت کی روشنی سے چمک رہی تھیں۔

"اور کیا اس ایک نظر کی محبت نے تمہارے دل سے تمہاری بیوی کی محبت کو ختم کر دیا ہے اور اس کی جگہ اس لڑکی کی محبت نے لے لی ہے جسے تم ٹھیک سے جانتے تک نہیں۔"

وہ اس کا جگری یار تھا۔ بچپن کی دوستی ایک دوسرے کے گھر میں آنا جانا بھی تھا وہ اسے اس راستے پر چلنے سے ہر صورت روکنا چاہتا تھا جس پر اس نے قدم رکھ دیے تھے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی محبت ختم ہو گئی ہے۔ وہ صرف میری بیوی ہی نہیں میرے بچوں کی

ماں بھی ہے۔ اس کا جو مقام میرے دل اور میری زندگی میں ہے وہ ہمیشہ وہی رہے گا۔ شاید محبت کو قرار نہیں ہوتا۔ دوسری محبت پیدا ہوتے ہی پہلی پارے کی طرح تھرک کر دوسری میں ضم ہو جاتی ہے۔ وہ ختم نہیں ہوتی۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"فلسفہ بیان کر رہے ہو اس چند دن کی محبت نے فلسفی بنا دیا ہے تمہیں۔" دوست ایک بار پھر اس کی باتیں سن کر حیران ہوا۔

"غلط۔" "محبت فلسفی نہیں مجنوں بناتی ہے۔ رانجھا کر دیتی ہے اس نے دوست کی بات کو رد کیا۔

"تو مجنوں ہو گئے ہو۔" دوست نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں یار مجنوں ہونے تک تو کئی منزلیں طے کرنی ہوتی ہیں۔ ابھی تو پہلی سیڑھی پر کھڑا ہوں۔" وہ

کچھ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو بہتر ہے کہ پہلی سیڑھی سے ہی نیچے اتر آؤ۔ آخری سیڑھی سے گرو گے تو بہت چوٹ لگے گی۔ اس لیے اس ایک محبت پر ہی قناعت کر لو جو ہے۔" دوست نے خلوص سے مشورہ دیا۔

"وہ محبت اپنی جگہ ہمیشہ رہے گی یار لیکن میرے خیال میں انسان کے دل میں بہت ساری محبتوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ ایک کے بعد دوسری اور شاید دوسری کے بعد تیسری بھی۔ ہر محبت کا اپنا رنگ، اپنی خوشبو ہوتی ہے۔"

اس نے سنجیدگی سے تجزیہ کیا تو اس کا دوست ہنس پڑا۔ "یہ تو تم کسی ہرجائی دل کی بات کر رہے ہو۔"

"نہیں یار میرا دل ہرجائی نہیں ہے۔ میرے دل میں پہلے سے موجود محبتیں ختم نہیں ہوگئیں۔ زندگی میں پہلی بار کسی کے لیے ایسی خواہش پیدا ہوئی ہے کہ اس کے سامنے بے بس ہو گیا ہوں۔ دل کسی ضدی بچے کی طرح اسے پانے کے لیے مچلتا ہے۔ اتنے مہینوں کی کشمکش کے بعد میں نے خود سے اعتراف کیا ہے کہ یہ محبت ہے اور اس اعتراف کے بعد سے صبر کا دامن ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔" وہ جیسے اس محبت کے سامنے بے بس ہو گیا تھا۔

"کیا چاہتے ہو تم۔" اس کا دوست سنجیدہ ہوا۔

"کیا اس کے ساتھ وقت پاس کرنا اور کچھ محبت بھرے لمحے گزارنا چاہتے ہو۔"

"نہیں۔" اس نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"میں اس کے ساتھ شادی کر کے اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے سنگ اس محبت کو محسوس کرنا چاہتا ہوں جو میرے لیے بالکل نئی اور انوکھی ہے۔ میں اس خوشی کو جینا چاہتا ہوں جو من پسند ساتھی کے سنگ اندر سے پھوٹتی ہے۔"

"لیکن یہ آسان نہیں ہے یار بلکہ میرے خیال میں تو ناممکن ہو گا یہ بہتر ہے کہ یہاں سے ہی پلٹ آؤ اور اس نئی نویلی محبت کو دل کی تختی سے حرف غلط کی طرح مٹا دو۔ تمہاری بیوی تمہارے تایا کی بیٹی ہے اس کے پیچھے تمہارا پورا خاندان کھڑا ہو گا۔ حتیٰ کہ تمہارے والدین بھی تمہیں ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔" دوست نے سمجھانا ضروری سمجھا تھا۔

"ہاں جانتا ہوں مشکل ہو گا لیکن ناممکن نہیں۔"

محبت ایسی ہی خوش فہم اور پر یقین ہوتی ہے۔ لیکن نہیں جانتا تھا کہ یقین ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ اس کا بھی یقین ٹوٹا تھا۔ اظہار شاہ اس کی بات سن کر شاکڈ ہوئے تھے۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ دوسری شادی کرنا چاہتے ہو۔ تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔"

اظہار شاہ کے ساتھ اس کے تعلقات صرف باپ بیٹے کے نہیں دوستانہ بھی تھے۔ بچپن سے لے کر اب تک وہ اپنی ہر بات ان سے ہی کہتا آیا تھا۔ وہ اس کی بات دھیان سے سنتے اسے مشورہ دیتے وہ بھی بڑے دو بیٹوں کی نسبت اپنے اس چھوٹے بیٹے کے زیادہ قریب تھے۔ اس لیے اس نے بہتر یہ ہی سمجھا تھا کہ پہلے ان سے بات کرے کہ یونی ورسٹی میں اب اس کے چند ماہ ہی رہ گئے تھے اور یونی چھوڑنے سے پہلے وہ اسے اپنا پابند کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے ہر غلط صحیح بات میں اس کا ساتھ دینے والے اظہار شاہ اس کی بات سن کر بھڑک اٹھے تھے۔

"کیوں کیا دوسری شادی کرنا گناہ ہے۔ تایا جان نے خود بھی تو دو شادیاں کی ہیں۔" اس نے سوالیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

"نہیں لیکن یہ مت بھولو کہ عفت کوئی غیر نہیں میری بھتیجی اور تمہارے تایا کی بیٹی ہے۔" انہوں نے لہجے میں نرمی پیدا کی۔

"اور جہانگیر بھائی کی دوسری شادی کی وجہ تم جانتے ہو کہ عفت کی والدہ کو کینسر تھا اور اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی۔"

"جی لیکن تایا جی نے تائی جان کی زندگی میں ہی دوسری شادی کر لی تھی۔ اور وہ آپ کے کزن خاندانی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی دو مزید شادیاں کر چکے ہیں۔ وہ بھی کسی اداکارہ اور ماڈل گرل سے۔"

اس نے بھی بحث نہیں کی تھی لیکن آج کر رہا تھا۔ اظہار شاہ نے کسی قدر حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں انہیں ایک عزم نظر آیا۔ جیسے اگر انہوں نے اسے اجازت نہ بھی دی تب بھی وہ جو کہہ رہا ہے کہ کر گزرے گا۔

"کون ہے وہ لڑکی اور اس کا خاندانی پس منظر کیا ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔ "پتا نہیں میں اس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا۔" اس کے چہرے پر یک دم خوشی کا رنگ جھلکا تھا۔ "کیا مطلب۔" اظہار شاہ پھر حیران ہوئے تھے۔

"ایک لڑکی جس کے ساتھ تمہارا تعلق اتنا گہرا ہو چکا ہے کہ تم اس کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر چکے ہو۔ اس کے باوجود کہ تمہارے دو بچے ہیں۔ بیوی ہے۔ اس لڑکی نے تمہیں اپنے خاندان کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ یقیناً اس کا تعلق کسی ایسے ویسے خاندان سے ہو گا۔"

"ایسا نہیں ہے بابا جان میری اس سے بات چیت نہیں ہے۔ بس یونی میں آتے جاتے وہ بھی کبھی کبھار سلام و دعا ہو جاتی ہے۔" اس نے ایک بار پھر انہیں حیران کیا تھا۔

"ایک لڑکی کو صرف دیکھ کر اسے جانے بغیر تم نے اس سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ کیا خبر وہ کہیں انگیجڈ ہو۔ اس کا نکاح ہو چکا ہو۔" اور ان کی بات سن کر وہ بے حد مضطرب ہو گیا تھا۔ اور بے چینی سے اپنی انگلیاں مروڑنے لگا تھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں ہے لیکن میں پتا کر لوں گا۔ پہلے مجھے آپ کی اجازت چاہیے تھی۔" اس کی آنکھوں میں کروٹیں لیتے اضطراب اور بے چینی سے اظہار شاہ کو ادراک ہوا کہ ان کا یہ بیٹا اس لڑکی کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔

انہیں اپنے تینوں بیٹوں میں یہ بیٹا بے حد عزیز تھا۔ اور اس سے انہیں بہت امیدیں بھی تھیں۔ بڑے دونوں بیٹوں کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی سوانہوں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

بساطِ دل بھی عجیب شے ہے

افشاں آفریدی

فصل غم کا گوشوارہ

رضیہ جمیل

گُلِ کہسار

فرح بخاری

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

نے اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اپنے چچا، تایا اور ان کے جلسوں میں تقریر کرتا تو سحر طاری کر دیتا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ان کا جانشین تھا اور انہوں نے اس کے لیے بڑے اونچے خواب دیکھ رہے تھے۔ اگلے الیکشن میں وہ اسے کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ اور انہیں یقین تھا کہ وہ جیت جائے گا۔ اس کی بے چینی سے وہ خود بھی مضطرب ہو گئے تھے لیکن ان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ہوئی۔

"کیا تم نے اسے بتایا کہ تم۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ کیا تم آج کل کے دور میں انیس سو چالیس والی محبت کر رہے ہو۔ لڑکی سے بات نہیں کی بس دیکھ کر محبت ہو گئی۔" ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور وہ جھینپ گیا۔

"دراصل وہ مجھ سے جونیئر ہے اور کسی دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ میں نہیں جانتا بابا جان میرا دل کیسے اس کی محبت میں گرفتار ہوا لیکن ایسا ہو گیا۔"

"کیا وہ بہت خوب صورت ہے۔" اب اظہار شاہ کسی حد تک ریلیکس ہو کر بات کر رہے تھے۔

"جس نے میرے بیٹے کو دور سے ہی اسیر کر لیا ہے۔"

"شاید نہیں، لیکن مجھے وہ سب سے خوب صورت اور منفرد لگتی ہے۔" وہ بھی اب بے تکلفی سے بات کر رہا تھا۔

"ویسے کیا یہ بات حیرت کی نہیں ہے کہ جلسوں میں دھواں دار تقریریں کرنے والا ایک لڑکی سے دل کی بات نہیں کہہ سکا۔"

اور کتنی ہی بار اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے روک کر اس سے بات کر لے اسے بتائے کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے لیکن گزرے سات ماہ میں ایک بار بھی ایسا نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کہیں کسی ایک جگہ ذرا دیر کو ہی سہی رک کر اس سے کوئی طویل بات کرتی۔

"او کے۔" اسے خاموش دیکھ کر وہ بھی سنجیدہ ہو گئے۔

"تم اس سے شادی کر سکتے ہو لیکن میری ایک شرط ہے کچھ عرصہ تک تم اس شادی کو خفیہ رکھو گے۔ میں تمہیں آنے والے الیکشن میں کھڑا کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس سے پہلے شادی وغیرہ کا کوئی اسکینڈل نہیں چاہیے مجھے۔"

"لیکن اس کے والدین خفیہ شادی کے لیے کیسے مانیں گے۔" اسے اظہار شاہ کی شرط پسند نہیں آئی تھی۔

"ابھی تو یہ بھی تم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ لڑکی اور اس کے والدین ایک شادی شدہ اور دو بچوں کے باپ کا رشتہ قبول بھی کریں گے یا نہیں۔" وہ پریشان سا ہو کر اظہار شاہ کو دیکھنے لگا۔

"بھلا کیوں قبول نہیں کریں گے۔ ہمارا بیک گراؤنڈ، ہمارا اسٹیٹس کیا اس کے باوجود وہ صرف اس وجہ سے انکار کر سکتے ہیں کہ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔"

"کر بھی سکتے ہیں میری جان بعض اوقات، پیسہ، دولت، خاندانی وقار اور وجاہت بھی میٹر نہیں کرتی۔ بہرحال۔" انہوں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"پہلے تم اس لڑکی سے بات کرو اگر اسے اعتراض نہ ہوا تو شاید اس کے والدین کو بھی نہ ہو۔ لیکن پہلے تم اپنی تعلیم مکمل کرو شادی اس کے بعد ہی ہو گی۔"

"ظاہری بات ہے۔ شادی تو وہ بھی اپنی تعلیم مکمل کرنے سے پہلے نہیں کرے گی میں تو بس اس سے بات کرنے سے پہلے آپ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس کے والدین سے میرے رشتے کی بات کر لیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں اور اس کی بات طے ہو جائے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا تو انہیں اپنے اس بیٹے پر بے حد پیار آیا۔

"کیا خبر اس کی بات پہلے ہی طے ہو چکی ہو۔ بہرحال جو بھی ہے اس بات کا ذکر کسی سے مت کرنا نہ عفت سے نہ اپنی ماں سے۔ میں وقت سے پہلے ہی

کسی قسم کا ہنگامہ نہیں چاہتا۔" اس نے سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"تھینک یو بابا جان۔"

"اٹس او کے۔" دل کے اندر کہیں اطمینان سا تھا کہ سال ڈیڑھ سال کے عرصہ میں یہ جنون خود ہی ختم ہو جائے گا۔ تاہم اس کی تسلی کے لیے وہ اس لڑکی کے گھر اس کا رشتہ لے جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

اور وہ اظہار شاہ سے دل کی بات کر کے بے حد مطمئن ہو گیا تھا اب اسے اس سے بات کرنی تھی اور اپنا حال دل کہنا تھا لیکن پہلے اس نے اس کے متعلق اس کی ایک کلاس فیلو سے جو اس کے دوست کی کزن تھی معلوم کر لیا تھا کہ اس کا تعلق متوسط گھرانے سے تھا اور وہ اندرون شہر سے آتی ہے۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ بھلا ایک متوسط گھرانے کی لڑکی اس جیسے دولت مند اعلیٰ خاندان کے لڑکے کو انکار کر ہی نہیں سکتی کہ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ڈائریکٹ شادی کی بات کرے گا کہ کہیں وہ اسے دوسرے امیر زادوں کی طرح فلرٹ ہی نہ سمجھ لے۔ اور اس نے ایسا ہی کیا تھا اور جب اس کے بے حد اصرار پر وہ اس کی بات سننے کے لیے تیار ہو گئی تو کیفے ٹیریا میں اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے بغیر کسی تمہید کے شادی کی درخواست کر دی لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی جو دوسرے ہی لمحے ناگواری میں بدل گئی۔

"تو کیا یہ آپ کی ضروری بات تھی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں میں اپنے بڑوں کو آپ کے گھر بھیجنے سے پہلے آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ میں نہیں جانتا مس کہ یہ کیسے اور کیوں ہوا لیکن مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے اور میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔"

"سوری میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔"

اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"لیکن کیوں۔" وہ جیسے تڑپ اٹھا تھا۔

"مجھ میں کیا کمی ہے۔"

"کوئی کمی نہیں ہے۔ یقیناً آپ ایک اچھے انسان ہیں۔ کوئی بھی لڑکی آپ کی زندگی میں شامل ہو کر فخر محسوس کرے گی لیکن میں وہ لڑکی نہیں۔" اس کا جواب حتمی تھا۔

"میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں۔"

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس جیسے لڑکے کو ایک عام سی متوسط گھرانے کی لڑکی انکار کر سکتی ہے۔ اسے تو فخر ہونا چاہیے تھا کہ اس نے اسے پروپوز کیا تھا۔

"میری منگنی ہو چکی ہے اور تعلیم مکمل ہونے کے فوراً بعد میری شادی ہے۔" وہ اس کی منگوائی ہوئی چائے پیئے بغیر ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اور وہ کتنی ہی دیر تک وہاں ہی بیٹھا اپنے ٹوٹے ہوئے یقین کی کرچیاں چنتا رہ گیا تھا۔ شاید اسے معلوم نہیں کہ میں کون ہوں۔ کس کا بیٹا ہوں۔ میرا اسٹیٹس کیا ہے۔ اس نے اپنے زخمی دل پر پھاہے رکھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک متوسط طبقے کی لڑکی اگر یہ جانتی ہوتی تو شاید انکار نہ کرتی۔ اس کا منگیتر بھی یقیناً اسی کے طبقے سے تعلق رکھتا ہوگا۔ اور دو روز بعد اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی تھی۔

اس کے دوست نے بتایا تھا کہ اس کا منگیتر اس کا دور پار کا رشتہ دار ہے اور اسی کی طرح اندرون شہر کہیں رہتا ہے۔ یہاں اس کے ساتھ ہی پڑھتا ہے۔ اور منگنی بھی دو تین ماہ پہلے ہوئی ہے اور وہ سوچتا رہا کہ کیا واقعی وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ کاش وہ اس منگنی سے پہلے ہی اسے پروپوز کر دیتا لیکن خیر ابھی بھی اس کے پاس ایک پلس پوائنٹ تھا۔ وہ لڑکا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اسے خود پر ناز تھا۔ وہ جب اپنا اور اس لڑکے کا موازنہ کرتا تو اس کا پلڑا آسمان سے جا لگتا تھا۔ وہ اب اسے اگنور نہیں کر سکے گی اس یقین کے ساتھ ایک بار پھر وہ اس کے سامنے تھا۔

"سنیں وہ...... میرا یقین کریں میں آپ سے

pklibrary.com

بہت محبت کرنے لگا ہوں میں آپ کی ہر خواہش ہر آرزو پوری کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں میرا وعدہ ہے کہ آپ کی ہر تشنہ خواہش پوری کروں گا۔ وہ لڑکا کیا نام ہے اس کا ظفریاب وہ بھلا آپ کو کیا دے سکتا ہے۔"

"یہ آپ سے کس نے کہا کہ میری کچھ تشنہ خواہشیں ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے مجھے آپ کی ضرورت ہے۔" اس کی آنکھوں میں اسے تمسخر سا نظر آیا تھا۔

"ہر چیز کو دولت کے ترازو میں نہیں تولا جاتا اور نہ ہی ہر چیز دولت سے خریدی جا سکتی ہے۔ اور پلیز آئندہ میرا راستہ مت روکیے گا۔" وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔ اور وہ ساکت کھڑا رہ گیا۔

اور پھر اگلے کئی دن وہ یونیورسٹی نہیں گیا تھا ایک عام سی لڑکی نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔ اسے ابرار شاہ کو کاش وہ اسے دل چیر کر دکھا سکتا کہ وہ اس سے کتنی شدید اور گہری محبت کرنے لگا ہے۔ کتنی راتیں جاگ کر اس نے اسے سوچا تھا کتنی شدت سے چاہا تھا کہ صبح کی کافی کی مہک میں اس کے آنچل کی خوشبو بھی ہو۔ لیکن وہ اسے پا نہیں سکتا تھا وہ جو سمجھتا تھا کہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے۔

وہ اظہار کے لفظوں سے اسے مالا مال کرے گا تو وہ خود کو خوش نصیب سمجھے گی کہ اسے اس کا ساتھ مل رہا ہے۔ وہ رد کیے جانے کے قابل تو نہیں تھا لیکن پھر بھی رد کر دیا گیا تھا اور یہ احساس زیاں بہت ظالم تھا اسے مارے ڈالتا تھا۔

عفت بچوں کے ساتھ میکے گئی ہوئی تھی اور وہ آزادی سے اپنے بیڈروم میں بند اس نارسائی کا غم منا رہا تھا۔ اظہار شاہ اسلام آباد سے واپس آئے تو انہیں اس کی گوشہ نشینی کا پتا چلا تو اس کے بیڈروم میں چلے آئے۔

"کیا بات ہے برخوردار۔ کیوں یونی ورسٹی نہیں جا رہے طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

اور وہ اظہار شاہ کو سب بتاتا چلا گیا۔ اور اظہار شاہ دل ہی دل میں بے حد خوش ہوئے کہ جانتے تھے کہ اگر یہ شادی ہوئی اور جب بھی سب کو پتا چلا تو بہت سارے مسئلے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ لیکن اس کی تسلی کے لیے پوچھا۔

"کہو تو میں اس لڑکی سے بات کروں جیسی سیکورٹی وہ چاہتی ہے اسے دے دیتے ہیں، کوٹھی، بینک بیلنس کچھ بھی۔"

"وہ ایسی نہیں ہے بابا۔ لالچی اور دولت سے مرعوب ہونے والی۔" وہ بہت دل گرفتہ سا تھا۔

"تو تمہیں تو فخر کرنا چاہیے کہ تم نے ایک بہترین لڑکی سے محبت کی...... ضروری نہیں کہ تم جس سے محبت کرو وہ حاصل ہو جائے...... محبت صرف وصل کا نام نہیں ہے؟"

اظہار شاہ کا انداز دوستانہ تھا اس نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا اور سوچا کہ کتنا آسان ہے یہ کہنا کہ محبت صرف وصل کا نام نہیں ہے لیکن حقیقت میں کتنا اور ظالم...... اظہار شاہ نے اس کی حالت دیکھی اس کی آنکھوں کی زخمی کیفیت کو محسوس کیا اور اسے ایک ماہ کے لیے اپنے ساتھ باہر لے گئے۔

وہ چاہتے تھے کہ وہ اس لڑکی کو بھول جائے اس دکھ سے نکل آئے انہیں اس کی بہت ضرورت تھی۔ لیکن دل پر جو نام ایک بار کھد جائے وہ آسانی سے مدھم نہیں ہوتا۔

اس کے دل پر لکھا نام بھی مدھم نہیں ہوا تھا لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

واپس آ کر وہ یونی ورسٹی بھی گیا لیکن پھر اس کے راستے میں نہیں آیا...... تعلیم سے فارغ ہو کر اظہار شاہ کی خواہش کے مطابق سیاست کے خارزار میں بھی قدم رکھ دیا۔ اسمبلی تک پہنچا...... وہ بظاہر ایک مطمئن اور پرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ اور یوں ہی دس سال گزر گئے تھے۔

اللہ نے اسے دو بیٹے اور تین بیٹیاں عطا کی تھیں ایک بیٹے اور بیٹی کے بعد ایک بیٹی اور بیٹا جڑواں تھے پھر سب سے چھوٹی بیٹی جو تقریباً چھ سال کی تھی اور جو

سب سے زیادہ لاڈلی تھی......

لیکن دس سالوں میں وہ اسے بھول نہیں سکا تھا۔ ایک کسک تھی جواب بھی موجود تھی اور کبھی کبھی وہ منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو جاتا تھا۔ زمین پر بیٹھی اپنی ناک سہلاتی وہ سانولی سی لڑکی اور اس کے گرد اچانک بکھر جانے والے اس کے سیاہ چمکیلے خوب صورت بال...... وراسے تاہم اظہار شاہ بھی کبھی نہ جان سکے کہ اس کے دل کے نہاں خانوں میں اب بھی وہ خواہش موجود ہے۔ اس کے سنگ زندگی گزارنے کی خواہش...... عفت کے لیے اس نے کبھی اپنے دل میں وہ محبت محسوس نہیں کی تھی جو اس کے لیے اس کے دل میں اچانک پیدا ہوئی تھی اور ہمیشہ کی کسک دے گئی تھی۔ لیکن اس نے کبھی عفت کو شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ اس کے ہر اہم دن کو یاد رکھتا...... سالگرہ، اینورسری، بچوں کی سالگرہ اور سب ایونٹس بھرپور طریقے سے منائے جاتے وہ ایک بہترین شوہر اور اچھا باپ تھا۔

اظہار شاہ اسے مطمئن اور کامیاب دیکھ کر بہت خوش تھے۔ اس نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ لیکن خود اس پر بھی کبھی مایوسی اور قنوطیت سی طاری ہو جاتی تھی وہ سوچنے لگتا کہ اگر وہ وقت پلٹنے پر قادر ہوتا تو اسے ہر صورت حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ اسے اغوا کر لیتا، ظفریاب کو مروا دیتا کچھ بھی کرتا وہ اسے اپنا بنا لیتا لیکن یہ سوچ بس چند لمحوں کے لیے ہی آتی تھی اور ہوا کے جھونکے کی طرح آ کر گزر جاتی تھی۔

☆☆☆

اس روز بھی وہ اپنے آفس میں انتہائی بیزار سا بیٹھا تھا جب اس کی سیکرٹری نے بتایا کہ کوئی خاتون اس سے ملنے آئی ہیں۔ صبوحی ظفر نام ہے۔

"صبوحی" یہ نام تو دل پر نقش تھا۔ لیکن وہ کیوں ملنے آئی ہے...... وہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ کیا وہ اس سے ابرار شاہ سے ملنے آئی ہے...... کیا وہ جانتی ہے کہ میں وہی ابرار شاہ ہوں جس کے سامنے میں ایک بار سوالی بنا کھڑا تھا اور وہ منہ پھیر کر چل دی تھی یا پھر وہ صرف ایک سابق ایم این اے سے ملنے آئی ہے۔ اگرچہ 1977ء سے لگنے والا مارشل لا ابھی تک تھا اور سیاسی پارٹیوں پر پابندی تھی۔ البتہ سننے میں آ رہا تھا کہ اگلے سال ریفرنڈم ہوگا اور پھر غیر جماعتی انتخابات کروائے جائیں گے۔ تاہم ان کی حکومتی اداروں میں خاصی جان پہچان اور عمل دخل تھا۔

اظہار شاہ جیسے لوگ ہمیشہ برسر اقتدار پارٹی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس وقت 1984ء میں فوجی حکومت تھی اور کوئی سیاسی پارٹی برسر اقتدار نہیں تھی لیکن اندرون خانہ ان کی پارٹی حکومت کے ساتھ تھی۔ اور یہ کوئی اتنی ڈھکی چھپی بات نہ تھی تو ہو سکتا ہے کوئی ضرورت اسے یہاں تک لائی ہو......

شوہر کے لیے کوئی اچھی جاب یا پھر کوئی اور مدد اور کیا خبر یہ وہ صبوحی ظفر نہ ہو...... صرف اس نام کی وہ ایک ہی لڑکی تو نہیں ہے۔ نہ جانے کتنی لڑکیاں اس کی ہم نام ہوں گی۔ سوچتے ہوئے اس نے ملاقاتی کو اندر بھیجنے کا کہہ کر یوں ہی ٹیبل پر پڑی ایک فائل کھول لی تھی اور پھر السلام علیکم کی آواز پر ہی اس نے نظریں اٹھائی تھیں۔ اور غیر ارادی طور پر کھڑا ہو گیا تھا۔

وہ وہی تھی...... اس نے ایک آٹھ نو سال کے بچے کی انگلی پکڑی ہوئی تھی۔

"پلیز تشریف رکھیں" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا جو دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ تھا۔ وہ بچے کی انگلی پکڑے ہولے ہولے چلتی ہوئی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس اثنا میں اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ پہلے کے مقابلے میں اس کا بدن کچھ گداز ہو گیا تھا۔ دس سالوں نے اس میں کچھ زیادہ تبدیل نہیں کیا تھا۔ وہ پریشان اور غم زدہ لگ رہی تھی۔ یقیناً کوئی مجبوری ہی اسے یہاں تک لائی تھی۔

"فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" اپنی ریوالنگ چیر کا رخ دائیں طرف کرتے ہوئے اس نے حتیٰ الامکان اپنا لہجہ خشک اور روکھا

pklibrary.com

رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"میں صبوحی ہوں۔ اور یہ میرا بیٹا ہے آزین......" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا تھا۔

"میں یونیورسٹی میں آپ سے جونیئر تھی شاید آپ کو یاد نہ ہو۔"

"جی......میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔"

جاننے کے باوجود وہ اجنبیت کا لبادہ نہ اوڑھ سکا تھا۔ کیا کہتا کہ وہ اسے کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔

"میں" اس کی آنکھوں میں امید کی لو لمحہ بھر کو چمکی تھی۔

"ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کے پاس آئی ہوں کہ شاید آپ میری مدد کر سکیں۔ مجھے زرین خالد نے آپ کا بتایا تھا کہ مجھے ایک بار آپ سے بھی بات کرنی چاہیے۔"

"جی کہیے کیا مسئلہ ہے۔"

زرین خالد اس کی کلاس فیلو تھی اور اب بھی کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی تھی۔

"ظفریاب۔1982ء میں ایم آر ڈی میں شامل ہو کر جمہوریت کی بحالی کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ پھر 83 کی ایک صبح کچھ لوگ آ کر انہیں لے گئے۔"

ابرار شاہ جانتا تھا کہ 1981ء میں تقریباً سب سیاسی پارٹیوں کے اتحاد سے ایم آر ڈی تشکیل پائی تھی اور 1983ء تک کافی مضبوط ہو چکی تھی تاہم وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

"ایک سال ہو گیا ہے ہمیں ان کے متعلق کچھ علم نہیں۔ ہم نے ایم آر ڈی میں شامل سب پارٹیوں سے رابطہ کیا......" وہ تفصیل بتاتی چلی گئی۔

اس کی آواز بھرا گئی اور اس کی مڑی ہوئی گھنی پلکوں میں آ کر موتی سے اٹک گئے تھے اور ان موتیوں کو اپنی انگلیوں سے چننے کی خواہش کو اس نے بمشکل دبایا تھا۔

"میں ایک دو روز تک پتا کروا لوں گا کہ ظفریاب کہاں ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں پلیز ان شاء اللہ پتا چل جائے گا۔" اسے اندازہ تھا کہ یوں اٹھائے جانے والے لوگوں کو کہاں رکھا گیا ہوگا۔

"بہت شکریہ آپ کا بہت احسان ہوگا آپ کا۔"

وہ ممنون ہوئی تھی۔

"میں کب پتا کروں پھر۔"

"کل......نہیں پرسوں......اسی وقت آ جایئے گا۔ کل مجھے اپنی فیکٹری جانا ہے۔" وہ پارٹی کے آفس میں کبھی کبھار ہی آتا تھا۔

وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ کھڑکی سے آنے والی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔ ناک کی لونگ میں موجود ویل سے نکلنے والے رنگوں نے چند لمحوں کے لیے اس کے چہرے کو عجیب ملکوتی سا حسن بخشا تھا۔ وہ مبہوت سا اسے دیکھے گیا...... وہ شاید اتنی حسن نہ تھی جتنا حسین اسے اس کے دل میں موجود اس کی محبت اور طلب نے بنا دیا تھا...... وہ بچے کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کی لمبی چٹیا کا کچھ حصہ اس کے دوپٹے کے حصار سے نیچے کمر سے بھی ذرا نیچے نظر آ رہا تھا۔

اس نے چٹیا کے سرے پر سبز بینڈ لگا رکھا تھا اس کا بے اختیار جی چاہا اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس کے سارے بل کھول دیتا اور گھٹاؤں کو اس کی پشت پر لہراتا دیکھتا۔

وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی تھی لیکن وہ کتنی ہی دیر تک یوں ہی بیٹھا بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ وہ کیوں آ گئی تھی دس سالوں بعد اس کی زندگی میں ہلچل مچانے۔ وہ جس آگ پر دس سالوں سے پانی ڈال ڈال کر اسے بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ یکدم بھڑک اٹھی تھی۔ اس کی محبت کی آگ اور وہ جیسے جل رہا تھا راکھ ہو رہا تھا اس کو پانے کی طلب جاگ اٹھی تھی......

اور وہ اس طلب کو جھٹلانے کی کوشش کرتا رہا۔ خود کو یقین دلاتا رہا کہ وہ اب کسی اور کے آنگن کی چاندنی اور کسی اور دل کی مکین ہے گزارے ہوئے

pklibrary.com

وقت کو واپس لانے پر قادر نہیں تھا لیکن طلب اتنی شدید تھی کہ جب دو دن بعد وہ آئی تو خود کو دیے سارے دلائل جیسے پانی پر لکھی تحریریں تھیں جنہیں ایک ہی لہر مٹا گئی تھی۔ یا پھر ریت پر بنے نقش تھے جو ہوا کے ایک ہی جھونکے سے مٹ گئے تھے۔ آج وہ اکیلی آئی تھی۔ وہ جو صبح سے بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا اس نے بے نیاز نظر آنے کی کوشش کی تھی۔

"آپ کا بیٹا نہیں آیا آج۔"

"اسے بخار تھا۔ ظفریاب کے متعلق کچھ پتا چلا۔"

اس کی بے تابی نے اسے تکلیف دی اور اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کہاں...... کہاں ہیں وہ۔ کیوں وہ انہیں لے گئے۔ کیا جرم ہے ان کا اور کون لوگ ہیں وہ...... اس طرح کسی کو قید میں رکھنا جرم ہے۔ اگر ان کا کوئی قصور ہے تو ان کے خلاف ایف آئی آر کٹوائیں۔ ہم بڑے سے بڑا وکیل کریں گے۔"

وہ بولتی رہی اور وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں نم ہو گئیں تو اس نے دل سے اٹھتے درد کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت محبت کرتی ہیں آپ ظفریاب سے۔"

"ہاں۔"

بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"اگر اس کی زندگی اور رہائی کے لیے کوئی قربانی دینی پڑی تو دے سکتی ہیں۔"

"میں ہر قربانی دے سکتی ہوں۔"

اس نے لمحہ بھر بھی نہ سوچا تھا اور ابرار شاہ کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اور وہ اسے ظفریاب کے متعلق بتانے لگا۔

اسے ظفریاب کے متعلق معلوم کرنے میں وقت نہیں لگا تھا۔ اس کے اپنے سورسز تھے۔ شاید وہ لوگ جن کا وہ ساتھی تھا وہ بھی جانتے ہوں گے لیکن کسی نے اس کے متعلق نہیں بتایا تھا اسے اب پتا چل گیا تھا تو وہ ہر ممکن کوشش کریں گے۔ شاہ زیب تھا۔ جہاں زیب بیگ تھے ان کے جاننے والے تھے کوئی نہ کوئی تو مدد کرے گا۔ صبوحی سوچ رہی تھی جب ابرار شاہ اپنی کتاب میز پر رکھتے ہوئے تھوڑا سا جھکا۔

"اس پر بہت تشدد کیا گیا ہے...... اس کی حالت بہت خراب ہے۔ وقفے وقفے سے تشدد کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اگر اسے وہاں سے نکالا نہ گیا تو شاید وہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکے۔"

اور صبوحی کی آنکھوں سے آنسو کسی آبشار کی طرح پھوٹ پڑے تھے۔

"پلیز صبوحی اس طرح مت روئیں۔ مجھے آپ کے رونے سے تکلیف ہو رہی ہے میں نے جو کچھ بتایا ہے آپ کو ظفریاب کے متعلق حرف حرف سچ ہے اور میں پوری کوشش کروں گا کہ اسے وہاں سے نکلوا سکوں۔"

وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا اس کے مخبر نے اسے بتایا تھا کہ اس کے بازو میں دو جگہ فریکچر ہے۔ وہ درد سے تڑپتا رہتا ہے۔ اس کے ہونٹ زخمی ہیں۔ اور خوراک نہ ہونے کے برابر ہے۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ انہیں وہاں سے آزاد کروا دیں۔ ہم ساری زندگی آپ کا یہ احسان نہیں بھولیں گے۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"یہ آسان نہیں ہے لیکن میں پوری کوشش کروں گا۔" اس کی نظریں اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں سے اوپر اٹھیں اور اس کی ناک کی لونگ پر اٹک گئیں اور پھر بالوں کی اس لٹ سے الجھ گئیں جو دوپٹے سے باہر نکل کر اس کے رخسار کو چوم رہی تھی اور وہ ایک خیال جو کچھ دیر پہلے اس کے دل میں آیا تھا ایک بار پھر حملہ آور ہوا اور اس بار وہ مغلوب ہو گیا۔

"یہ دنیا کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر قائم ہے میں اگر ظفریاب کو آزاد کرواؤں گا تو اس کے بدلے میں کچھ چاہوں گا بھی۔ میری ایک شرط ہے۔"

"ظفریاب کی رہائی اور زندگی کے عوض جتنا پیسہ بھی آپ کو چاہیے وہ جیسے بھی ہوا ہم دیں گے۔ مجھے

pklibrary.com

آپ کی ہر شرط منظور ہے۔"

اس کے پاس جو زیور اور جو کچھ موجود تھا وہ سب ابرار شاہ کی ڈیمانڈ پوری کرنے کے لیے بیچ دے گی۔ اس نے اسی لمحے سوچ لیا تھا۔

"پیسہ تو میرے پاس پہلے بھی بہت ہے۔"

وہ مسکرایا۔

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"آپ کو...... میں چاہتا ہوں آپ ظفریاب سے طلاق لے کر مجھ سے شادی کرلیں۔" وہ اپنی خواہش کے ہاتھوں پوری طرح مغلوب ہوچکا تھا۔

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو......" صبوحی کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں سی پڑی تھیں۔

"تو...... آپ کبھی نہیں جان سکیں گی کہ وہ کہاں ہے۔ اور ایک روز وہ اس تہہ خانے میں اذیت اٹھا اٹھا کر مر جائے گا اور آپ کو کبھی پتا بھی نہیں چلے گا کہ اس کی لاش کو کہاں پھنکوا دیا گیا ہے۔"

وہ سفاک ہوا اور اس کے لبوں سے سسکی کی طرح نکلا۔

"ایسا ہی ہوگا۔" وہ میز سے کہنیاں اٹھا کر سیدھا ہوا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے کہا تھا آپ اس کے لیے ہر قربانی دے سکتی ہیں۔" لیکن ایسی قربانی کا اس نے سوچا بھی نہ تھا آنسو اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر بہنے لگے تھے اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا جیسے اسے یقین نہ ہو کہ وہ ایسی بھی کوئی بات کرسکتا ہے پھر جیسے اس کے چہرے کے تاثرات سے اسے یقین ہوگیا اور اس نے فوراً ہی ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے۔

"ہاں...... میں دے سکتی ہوں ہر قربانی اور دوں گی۔ آپ ظفریاب کو گھر لے آئیں۔" چند لمحوں کے لیے ابرار شاہ کو یقین نہیں آیا کہ جو کچھ اس کے کانوں نے سنا وہ سچ ہے۔

"اور آپ نے ابھی ابھی جو کچھ کہا ہے اس پر قائم رہنا ہوگا ورنہ......"

وہ اب ہر صورت اسے یقینی بنانا چاہتا تھا۔ ورنہ کیا ہوگا صبوحی کو وضاحت کی ضرورت نہ تھی...... وہ جانتی تھی کہ ورنہ کیا ہوسکتا ہے...... "ورنہ" میں چھپی دھمکی نے اسے حوصلہ دیا اور مضبوط کیا تھا سب سے اہم ظفریاب کی بازیابی اور اس کی زندگی تھی۔

"میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گی۔ ہمارے درمیان ایک سودا ہوا ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو فیئر ہونا چاہیے۔ اس لیے میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں ظفریاب سے محبت کرتی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی، میرے پاس آپ کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں آپ کی زندگی کی شریک بن کر آپ کی زندگی میں تو شامل ہوجاؤں گی لیکن محبت پر میرا اختیار نہیں ہے۔ وہ کبھی طلب مت کیجیے گا۔ میں شاید کبھی آپ کو خوشی نہ دے سکوں۔"

اس نے بہت امید سے اسے دیکھا کہ شاید وہ اپنی شرط واپس لے لے لیکن وہ تو ایک انوکھی سی خوشی میں سرشار تھا۔ اس کے اندر جیسے یہ انوکھی خوشی رنگوں کی ہولی کھیل رہی تھی اور وہ ان رنگوں میں اس طرح ڈوبا ہوا تھا کہ نہ اسے اس کی یکدم ویران ہوتی آنکھیں دکھائی دی تھیں اور نہ چہرے پر بکھرتی زردیاں وہ بے حد سرشار سا جذب میں ڈوبا کہہ رہا تھا۔

"میں تم سے کچھ طلب نہیں کروں گا ہاں تم جب بھی چاہو جو بھی چاہو مجھ سے طلب کرسکتی ہو سوائے اپنی جدائی کے تمہارے مانگنے یا خواہش کرنے سے پہلے ہی تمہاری تحویل میں دیا وہ سب جو تم چاہو گی۔"

وہ اسے آپ کے بجائے تم کہہ رہا تھا۔ اور اس کی آنکھیں جذبے لٹاتی تھیں۔

"تمہاری میرے پاس موجودگی اور ملکیت ہی میری بادشاہی ہے یہ میرے لیے بہت ہوگا...... بہت سے بھی زیادہ...... تم نے میرے دل کو درد آشنا کیا...... تمہیں دیکھنے سے پہلے میں محبت کے درد سے

نا آشنا تھا۔ میری بیوی تھی دو بچے تھے لیکن محبت پہلی بار کسی وحی کی طرح میرے دل پر اتری لیکن پھر تم میری زندگی سے چلی گئیں۔ اگر تم دوبارہ مجھے نہ ملتیں تو میں شاید ساری زندگی اس محبت کو جھٹلاتا رہتا جو روز اول کی طرح ہی میرے دل میں موجود تھی۔

لیکن تم نے دوبارہ آ کر وہ ساری دیواریں ڈھا دیں جو میں نے اس جذبے کے گرد کھڑی کی تھیں اور وہی ادھوری رسائی بھی میرے لیے کسی بہت قیمتی خزانے سے کم نہیں ہے......تم میرے سنگ ہوگی میرے سامنے ہوگی تو پھر اور کوئی آرزو باقی نہیں رہے گی تم جو بھی سوچو گی جو بھی کہو گی مجھے گراں نہیں گزرے گا۔ میں تمہاری سوچوں کے ہر رنگ کے پھول کو اپنا مقدر جان کر ان کی پنکھڑیوں سے دل بہلاتے زندگی گزار دوں گا۔

دل کے آتش فشاں سے پھوٹنے والے اس جذبے کی حرارت تو پہاڑوں کو پگھلانے کی طاقت رکھتی ہے بنجر زمینوں میں پھول اگا سکتی ہے شاید کبھی تمہارے دل کے کسی کونے میں تھوڑی سی جگہ مجھے بھی مل جائے۔ شاید کبھی تم میرے اس جذبے کی تھوڑی سی ہی پذیرائی کر سکو جسے میں نے دس سالوں سے سینت سینت کر خود سے بھی چھپا کر رکھا ہوا تھا اور جو دوبارہ تمہیں اپنے روبرو دیکھ کر میرے اختیار سے باہر ہو گیا۔"

وہ بول رہا تھا اور وہ ساکت بیٹھی تھی۔ چند لمحوں کے لیے وہ خاموش ہوا تو جیسے وہ کسی گہری نیند سے بیدار ہو کر تیزی سے اٹھی تھی۔

"اپنا وعدہ یاد رکھنا صبوحی۔" وہ بھی جیسے کسی خواب کی سی کیفیت سے چونکا تھا۔

اس نے سر ہلایا اور تیزی سے باہر کی طرف لپکی لیکن اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی اور اس کے اندر اتنی لرزش تھی کہ اسے لگتا تھا جیسے وہ اپنے قدموں پر کھڑی نہ رہ سکے گی جیسے وہ واپس گھر پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی کہیں گر کر ختم ہو جائے گی۔

اور اس کے دل نے شدت سے خواہش کی تھی کہ وہ بس ختم ہو جائے ظفریاب رہا ہو جائے زندہ رہے لیکن وہ وعدہ نبھانے کے لیے باقی نہ رہے۔

لیکن جو انسان چاہتا ہے ایسا کب ہوتا ہے۔ ظفریاب اگلے روز گھر آ گیا تھا یوں کہ اس کا پورا وجود زخم زخم تھا۔ صرف بازو ہی فریکچر نہیں تھا۔ پاؤں کی ایک ہڈی بھی ٹوٹ گئی تھی اور وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ بغیر سہارے کے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے وعدہ نبھانا تھا اور اس نے نبھایا بھی لیکن ابرار شاہ سے اس وقت تک کی مہلت لے لی تھی جب تک ظفریاب صحت مند نہیں ہو جاتا اور ابرار شاہ نے اسے مہلت دے دی تھی۔ اور اس نے دن رات ظفریاب کی خدمت کی۔ بقول بی بی اماں کے اس نے تو ظفریاب کی چارپائی ہی پکڑ لی تھی۔

اور جس روز ظفریاب کے بازو کا پلاسٹر اترا اور جس روز وہ اپنے قدموں سے چل کر باہر مارکیٹ تک گیا۔ اس روز اس نے ظفریاب سے جدائی طلب کر لی۔ اور سب کو حیران چھوڑ کر چلی گئی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس نے یہ اتنا کرب ناک فیصلہ کیوں کیا ہے۔ سب نے وجہ جاننے پر اصرار کیا۔ روکا منتیں کیں۔ اس قصور کی معافی مانگی جس کا خود انہیں علم ہی نہیں تھا لیکن اس نے چپ اوڑھ لی تھی لیکن اس کی وہ آنکھیں جو ظفریاب کے آنے کے بعد بھی مسلسل بھیگی رہتی تھیں اس وقت چھاجوں چھاج برسی تھیں جب ظفریاب نے کہا تھا۔

"تم زین کے بغیر کیسے رہو گی صبوحی! اسے ساتھ لے جاؤ چاہو تو" اکلوتے بیٹے میں دونوں کی ہی جان تھی۔ ظفریاب کو بچے بہت پسند تھے وہ اکثر کہتا تھا۔ کم از کم چار بچے تو ہونے چاہئیں صبوحی......اور وہ اب اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ زین کو چاہے تو ساتھ لے جائے۔

"میں آپ پر ایک اور ظلم نہیں کر سکتی۔" اسے آنسوؤں کی بوچھاڑ میں ظفریاب کا چہرہ دھندلا سا نظر آیا تھا اور وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی......

عدت کا عرصہ اس نے اپنے میکے میں گزارا تھا

pklibrary.com

وہاں بھی سب نے سمجھایا تھا۔ کوئی بھی اس کے اس فیصلے پر خوش نہ تھا۔ تیسرا نوٹس ملنے تک سب ہی اسے سمجھاتے رہے تھے لیکن یہاں بھی وہ چپ رہتی تھی۔ اور پھر عدت کے ختم ہونے کے تقریباً دو ہفتے بعد ابرار شاہ اس کے ساتھ نکاح کر کے اسے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے ساتھ صرف اس کے چند بہت راز دار دوست آئے تھے۔

اس بار اس نے اظہار شاہ سے بھی اجازت نہیں لی تھی نہ ان سے ذکر کیا تھا وہ اب تیئس چوبیس سال کا یونیورسٹی کا طالب علم نہیں تھا چونتیس پینتیس سال کا ایک خود مختار مرد تھا۔ اس نے اپنی شادی کو خفیہ رکھا تھا اور صبوحی کو لے کر اسلام آباد چلا گیا تھا۔ جہاں اس کی طلاق کے بعد اس نے ایک چھوٹا سا گھر لے لیا تھا۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے بعد وہ سیاست سے بددل ہو کر امریکہ چلا گیا تھا اور کچھ عرصہ بعد اس نے صبوحی کو بھی بلا لیا۔ جتنا عرصہ وہ پاکستان میں رہا ایک ہفتہ لاہور اور ایک ہفتہ اسلام آباد رہتا تھا۔

وہاں کسی کو اس کی شادی کا معلوم نہیں ہو سکا تھا لیکن امریکہ آنے کے بعد جب اس کی اور صبوحی کی شادی کو تین برس ہو گئے تھے ایک روز اچانک اس کے ایک چچا زاد بھائی بغیر اطلاع کے اس سے ملنے چلے آئے۔ اس کا یہاں اپنا اپارٹمنٹ تھا۔ صبوحی کے ساتھ شادی سے کافی پہلے اس نے یہ اپارٹمنٹ خریدا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا اپنے اپارٹمنٹ میں ہی ٹھہرتا تھا۔ اس کی فیملی کے زیادہ تر لوگوں کے پاس امریکن پاسپورٹ تھے۔ وہ سال میں ایک دو چکر تو یہاں کے لگاتا ہی تھا اس کے دوست احباب بھائی کزن وغیرہ بھی جب آتے تو اسی کے اپارٹمنٹ میں ٹھہرتے تھے۔

یوں اس کی شادی کا راز کھل گیا تھا۔ اور اس کی توقع کے مطابق گھر میں خوب ہنگامہ ہوا تھا پورا خاندان عفت کے ساتھ کھڑا تھا اور اس پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو فوراً طلاق دے دے۔

اظہار شاہ بھی اس سے خفا تھے اور وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ جس کسی سے اس نے شادی کی ہے اسے کچھ دے دلا کر فارغ کر دے اور اس نے ان سب کے فون اٹینڈ کرنا چھوڑ دیے تھے۔ اور پھر یہ اظہار شاہ اور اس کے تایا جہانگیر شاہ ہی تھے جنہوں نے عفت کو سمجھایا تھا اور معاملات کو ہینڈل کیا تھا اور وہ سات آٹھ ماہ بعد پاکستان کا چکر لگانے لگا تھا۔ گو عفت کا رویہ بہت خراب ہوتا تھا لیکن وہ اگنور کرتا تھا۔ جتنا عرصہ وہ پاکستان رہتا تھا۔ اس کا موڈ خراب رہتا تھا۔ اور وہ مسلسل طنز کرتی رہتی تھی وہ پروا نہیں کرتا تھا لیکن اسے اپنی چھوٹی لاڈلی بیٹی کی ناراضی تکلیف دیتی تھی...... وہ اس سے بات نہیں کرتی تھی۔ اس کی موجودگی میں ٹیبل پر نہیں آتی تھی۔ باقی بچے چند دنوں بعد ویسے ہی ہو گئے تھے پہلے کی طرح ہی لاڈ اور فرمائشیں کرتے تھے انہوں نے ذہنی طور پر اس شادی کو قبول کر لیا تھا لیکن چھوٹی نے نہیں۔

شاید کچھ وقت اور گزر جائے تو وہ بھی اس شادی کو ذہنی طور پر قبول کر لے۔ 1988ء کے بعد اظہار شاہ نے بہت چاہا کہ وہ پاکستان آ کر اپنی پارٹی کے لیے کام کرے لیکن وہ اب واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔ البتہ کچھ عرصہ بعد وہ یو کے منتقل ہو گئے تھے۔ اور لندن کے علاوہ بھی دو تین اور شہروں میں اس نے بڑے بڑے اسٹور بنا لیے تھے۔ اور بے حد مصروف ہو گیا تھا۔ تاہم ہر سال تین چار ہفتوں کے لیے پاکستان ضرور آتا تھا۔ صبوحی ایک اچھی بیوی کی طرح اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی۔ عفت نے کبھی بھی اس کا اس طرح خیال نہیں رکھا تھا۔ اس کے بیٹے اور بڑی بیٹی بھی امریکہ کے قیام کے دوران ہی اس کے گھر آنے لگے تھے اور صبوحی کا رویہ ان کے ساتھ بہت دوستانہ اور محبت بھرا تھا۔ وہ بھی اس کی عزت کرتے اور اس کے ساتھ محبت سے پیش آتے تھے۔

لندن میں بھی وہ چھٹیوں میں اکثر آ جاتے تھے۔ وہ آج بھی اس سے اتنی ہی شدید محبت کرتا تھا۔ وہ اس کے پاس بھی وہ اسے دیکھ سکتا تھا چھو سکتا تھا۔ گو

اس نے صبوحی سے کہا تھا کہ وہ کبھی اس سے اپنی محبت کے جواب میں محبت طلب نہیں کرے گا۔ وہ اپنے وعدے پر قائم بھی تھا لیکن کبھی کبھی دل بے اختیار چاہنے لگتا تھا کہ وہ جب دن بھر کا تھکا ہارا گھر آئے تو اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تارے دمکنے لگیں۔ لبوں پر مسکراہٹ آجائے۔ وہ جب اس کی طرف دیکھے تو اس کی آنکھیں بھی محبت کے جذبے لٹائیں۔

وہ کئی ہفتوں بعد جب پاکستان سے آئے تو بے تابی سے اس کا استقبال کرے۔ اس سے کہے کہ اس نے اسے بہت مس کیا۔ لیکن جانتا تھا یہ سودا اس نے خود اپنی مرضی سے کیا تھا۔ کبھی کبھی جب اس کے سپاٹ چہرے اور بے رنگ آنکھوں کو دیکھتا تو اسے پچھتاوا ہوتا وہ ان لمحوں پر دل ہی دل میں بے حد شرمندہ ہوتا جب وہ ایک منہ زور خواہش سے مغلوب ہو کر اس پر ظلم کر بیٹھا تھا۔ اس پر جس سے وہ محبت کرتا تھا۔ محبت تو یہ تھی جو صبوحی نے ظفریاب سے کی تھی اس کی زندگی اور رہائی کے لیے۔ اس کی قربانی دل گرما دینے والی تھی اس نے قربانی دے کر اپنے دل کو سولی پر لٹکا لیا تھا۔ ایسی وفا ایسی محبت یہ شاید عشق سے بھی کچھ اوپر تھا۔ اسے اپنا آپ اس کے سامنے بونا سا لگنے لگا تھا۔

وہ اکثر سوچتا تھا کہ ایسی وفا ایسی قربانی جو صبوحی نے دی کیا دنیا کی کسی عورت میں پائی جاسکتی ہے۔ وہ جو تکلیف اسے دے چکا تھا اس کا ازالہ کرنے کے لیے ایک بار اس نے کہا تھا۔ ”صبوحی تم اپنے بیٹے کو لے آؤ۔ میں اسے کبھی کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔ بہت خیال رکھوں گا اس کا۔ تمہیں کبھی شکایت نہیں ہو گی مجھ سے۔“ تب اس نے بے حد زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”میں نے خود کو ان سے چھین لیا کیا ان کے بیٹے کو بھی ان سے چھین کر انہیں بالکل تہی دامن کر دوں...... ظفر نے مجھ سے کہا تھا کہ میں زین کو لے جاؤں میں خود نہیں لائی۔“

اور وہ جیسے گنگ سا ہو گیا تھا اسے لگا تھا جیسے وہ پہاڑ کی سی بلندی پر کھڑی ہے۔ اس کے تج دینے میں خود کو اپنے ہی ہاتھوں اپنی محبت اور جنت سے محروم کر دینے میں جو شدتیں تھیں اس نے چند لمحوں کے لیے جیسے اس کی گویائی چھین لی تھی بہت دیر بعد وہ بولا تو اس کی آواز مدھم اور ندامتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”میں تو تمہارے لبوں پر مسکراہٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے چاہا تھا کہ تم زین کو لے آؤ اور تم یہ جو روبوٹ کی سی زندگی گزار رہی ہو اس میں زین کی موجودگی شاید زندگی کی کوئی حرارت پیدا کر دے۔“

اس بار صبوحی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا لیکن اس کی زخمی نظروں میں کرب سا پھیلتا چلا گیا تھا۔ تب اس نے چاہا تھا کہ اگر صبوحی اور اس کا کوئی بچہ ہو جائے تو شاید اس کے لبوں پر مسکراہٹ نظر آنے لگے شاید یہ بچہ ان کے درمیان وہ پل بن جائے جو اس سرد مہری کو ختم کر دے لیکن ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ شادی کے آٹھ سال بعد اس کی دعا پوری ہوئی تھی۔ اللہ نے انہیں بیٹے سے نوازا تھا لیکن صبوحی ویسی ہی تھی کم گو اور خاموش۔ وہ ہنسنا بھول گئی تھی۔ کبھی کبھی احساس جرم اتنا بڑھ جاتا کہ کئی کئی راتوں تک سو نہ سکتا تھا تب اس نے ایک فیصلہ کر کے اس سے کہا۔

”میں نے تم پر بہت ظلم کیا صبوحی۔ میں جانتا ہوں تم خوش نہیں ہو۔ ریان کا ہونا بھی تمہیں خوش نہیں کر سکا تو اگر تم واپس ظفریاب کے پاس جانا چاہو تو میں تمہیں۔“

اور تب اس نے بے حد شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”میں ایسا نہیں چاہتی نہ کبھی چاہوں گی۔“ اور ابرار شاہ کے اندر یک دم کچھ دیر پہلے جو سناٹے اتر آئے تھے وہاں ایک بار پھر چہل پہل اور رونق ہو گئی تھی۔

”ہاں اگر آپ میری رفاقت سے تھکنے لگے ہیں تو۔“

”نہیں......“ ابرار شاہ نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"میں اس ادھوری رسائی پر بھی بہت شانت اور مطمئن ہوں۔ میں نے اسے ایسے ہی قبول کرلیا ہے۔ لکیروں میں تمہارا ساتھ ایسا ہی اور اتنا ہی لکھا تھا میں نے اسے قبول کیا تھا۔ میں تو تمہارے لیے کہہ رہا تھا کہ تم اداس رہتی ہو۔ ریان کا ہونا بھی تمہیں خوشی نہیں دے سکا تو اگر تم ظفریاب کے پاس جانا چاہو تو میں خود ظفریاب سے مل کر سب کچھ بتا دوں گا اپنا جرم اور تمہاری اس کے ساتھ محبت اور وفا......

میں اسے بتاؤں گا کہ وہ ایک خوش نصیب انسان ہے کہ اللہ نے اسے ایسی رفیق حیات دی تھی جس کی وفا انمول اور جس کی محبت لاثانی ہے۔ یہ میں تھا جس نے اس کے ہاتھ میں ایسا ترازو پکڑا دیا تھا جس میں ایک طرف اس کے رفیق کی زندگی تھی اور دوسری طرف ہجر تھا جدائی تھی اور ایک ناپسندیدہ رفاقت اور اس نے اپنے لیے ہجر چنا اور تمہارے لیے زندگی۔ میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے دل کی پوری سچائی اور خلوص سے کہا تھا۔ ظفریاب اب کہاں ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا لیکن میں نے سوچا تھا کہ ہم معلوم کروالیں گے۔"

یہ سچ تھا کہ گزرے سالوں میں اس نے کبھی ظفریاب کے متعلق جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ شادی کر چکا ہے یا نہیں۔ صبوحی کو اس کے خلوص پر شک نہیں تھا۔ اس کی طرف نگران اس کی آنکھوں سے سچ جھلکتا تھا۔

"تو۔" اس نے ابرارشاہ کی طرف دیکھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ ہمارا بیٹا ماں، باپ دونوں کے سائے تلے پلے اسے ماں یا باپ کسی کی محبت سے بھی محروم نہ ہونا پڑے۔ میں جانتی ہوں میں آپ کو خوشی نہیں دے سکتی۔ شاید میں ریان کے لیے خود غرض ہو رہی ہوں لیکن میں نہیں چاہتی کہ زین کی طرح ریان بھی ماں یا باپ کی محبتوں سے محروم زندگی گزارے۔ میں زندگی بھر آپ سے کچھ اور طلب نہیں کروں گی۔"

"نہیں تم خود غرض نہیں ہو صبوحی! تم تو محبتوں کی اوج کمال پر ہو...... اور میں نے تمہیں کہا ہے نا میں خوش ہوں، بہت خوش تم نہیں جانتی صبوحی کہ تمہاری محبت میرے ماضی حال اور مستقبل پر حاوی ہو چکی ہے۔ اور میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک اپنے بیٹے کو تمہاری یا اپنی محبت سے محروم نہیں کروں گا۔"

اس نے صبوحی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے گود میں سوئے ریان کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا۔ میرا جرم بہت بڑا ہے۔ کبھی تمہارے دل میں میرے لیے اتنی وسعت پیدا ہو سکے کہ مجھے معاف کرسکو تو مجھے معاف کر دینا۔ ابرارشاہ کو نہیں۔ ریان کا باپ سمجھ کر ہی۔" اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔

"آپ نے ایک آفر کی تھی میں نے اس آفر کو قبول کیا۔ انکار بھی کرسکتی تھی لیکن میں نے بہت سوچ سمجھ کر اس سودے کو منظور کیا۔ پھر معافی کس بات کی۔ میں یہاں اس گھر میں اپنی مرضی سے موجود ہوں اور آپ نے بھی اپنی خوشی سے اس بے فیض رفاقت کو قبول کیا۔" وہ سر اٹھائے ابرارشاہ کو دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

اور نو سالوں کی رفاقت میں پہلی بار ابرارشاہ نے ان سپاٹ بنجر آنکھوں میں تھوڑی سی نرمی اور تھوڑا سا نم دیکھا تھا۔ اس کے اندر ایک ساتھ امید کے کئی دیئے روشن ہو گئے تھے کہ شاید کبھی ان آنکھوں میں اس کے لیے کوئی محبت کا تارہ چمکے۔ شاید کبھی اس کے دل کے کسی چھوٹے سے گوشے میں اس کے لیے محبت اور نرمی پیدا ہو جائے۔ بہت زیادہ نہ سہی بس تھوڑی سی......

اور وہ صبوحی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسکرایا۔ صبوحی نے نظریں جھکا لی تھیں اور پہلی بار ابرارشاہ کو اس کے ہاتھوں کے لمس میں سرد مہری ٹھنڈک کا نہیں خلوص کی حرارت کا احساس ہوا تھا اور یہ حرارت اسے یقین دلا رہی تھی کہ کبھی ہاں کبھی......شاید......

pklibrary.com

اور وہ وجدان احمد تھا۔ وہ ایک بہترین صنعتکار ہی نہیں ایک ذہین صحافی بھی تھا اسے جمع تفریق کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ سمیرا کے ڈیڈی نے دوسری شادی کی تھی اور وہ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ یو۔ کے میں رہتے تھے۔ سمیرا اپنے ڈیڈی کی دوسری شادی کی وجہ سے بہت ڈسٹرب رہی تھی دس گیارہ سال کی عمر میں اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانا پڑا تھا اور تقریباً ایک سال تک اس کا علاج ہوتا رہا تھا۔ اور بعد میں بھی وہ سیشن لیتی رہی تھی۔ اور یہ سب اسے خود سمیرا نے بتایا تھا۔ اس کے ڈیڈی نے کس سے شادی کی تھی نہ سمیرا نے کبھی بتایا نہ اس نے کریدنے کی کوشش کی تھی۔

وہ جو بڑے بڑے سیاست دانوں اور جاگیر داروں کے چھپے راز اور خباثتیں جان لیتا تھا تو ابرار شاہ نے کس سے شادی کی تھی اس کے لیے جاننا مشکل نہ تھا۔ جب اس نے جاننا چاہا تو چند گھنٹوں میں جان لیا کہ ابرار شاہ نے دوسری شادی صبوحی ظفریاب سے کی تھی۔ صبوحی ظفریاب جو آزین کی ماں تھیں۔ تو اس کا صاف مطلب تھا کہ اس نے سوچ سمجھ کر ثوبیہ سے روابط بڑھائے تھے اور اس کے ساتھ موروں والی حویلی میں آئی تھی۔ وہ بھی تو ایک صحافی تھی اور اس کے لیے بھی یہ معلوم کرنا کون سا مشکل تھا کہ اس کی سوتیلی ماں کون ہے۔ اور پھر جب ایک روز ثوبیہ نے گروپ میں بیٹھے بیٹھے ذکر کیا تھا کہ وہ لوگ آذین ظفر یاب کے گھر اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ ظفریاب کا نام سن کر وہ چونکی تھی۔ حالانکہ دو تین بار پہلے بھی ثوبیہ نے ذکر کیا تھا کہ مرسل اور اسد وغیرہ فلاحی کام کرتے ہیں اور وہ بھی جتنا ہو سکتا ہے ان کی مدد کرتی ہے لیکن تب اس نے فلاحی کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی تھی لیکن پھر یکایک اس نے فلاحی کاموں میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی اور ثوبیہ جو پہلے صرف عام کلاس فیلو تھی اس کی گہری دوست بن گئی تھی۔

وہ سمیرا کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا کہ اگر کوئی اسے ذرا سی تکلیف بھی دیتا تو وہ بدلہ لیے بغیر نہیں رہتی تھی۔ وہ اسکول کے زمانے سے ہی ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ وہ ساتویں جماعت میں تھا جب پہلی بار اس نے سمیرا کو روتے دیکھا تھا۔ وہ ٹھوکر کھا کر گری تھی اور اس کے پاؤں کے انگوٹھے سے خون رس رہا تھا۔

"کیا ہوا سمیرا!"

وہ اس کی ہم جماعت تھی اور نام کی حد تک وہ اسے جانتا تھا۔ جس اسکول میں وہ پڑھتے تھے وہاں آٹھویں جماعت تک لڑکے لڑکیوں کی کمبائن کلاسز ہوتی تھیں پھر نویں جماعت میں آ کر نہ صرف سیکشن الگ ہو جاتے تھے بلکہ گرلز اور بوائز کے بلاکس بھی الگ تھے لیکن اس روز ان کے درمیان دوستی کی جو بنیاد پڑی وہ کبھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

یہ دوستی محبت میں کب ڈھلی اسے معلوم نہ تھا۔ بس ایک روز اچانک ہی اس پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ سمیرا ابرار شاہ سے محبت کرنے لگا ہے اور ابھی اظہار کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ ایک روز یونی میں دو گروہوں کی لڑائی میں اسے گولی لگ گئی۔ ایک گروپ کے لڑکے نے پسٹل نکال لیا تھا وہ شاید گھر سے لڑنے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔ وہ اتفاقاً ہی اس طرف آ نکلا تھا جدھر لڑائی ہو رہی تھی اور لڑکے کے پستول سے نکلی ہوئی گولی اس کے بازو میں لگ گئی تھی ہاسپٹل پہنچنے تک کافی خون بہہ گیا تھا۔ گو ہڈی بچ گئی تھی۔ لیکن سمیرا کی حالت کافی خراب تھی۔ اس نے دیکھا تھا وہ کبھی نرسز سے جھگڑتی کبھی ڈاکٹروں کی منتیں کرتی تھی۔

"اس کا بہت خون بہہ گیا ہے۔ پلیز اسے خون چڑھائیں۔ میرا بلڈ گروپ چیک کریں اور اگر ایک ہی ہے تو میرا خون لے لیں۔"

"ہم اس کی ضرورت نہیں سمجھتے بی بی!" ایک ڈاکٹر نے اسے نرمی سے سمجھایا تھا۔

"لیکن اس کا اتنا زیادہ خون بہا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں آپ کو نہیں پتا۔" وہ ایک ڈاکٹر سے بحث

pklibrary.com

کر رہی تھی اس نے نیم غنودگی میں سنا تھا۔ ان دوائیوں کے زیر اثر جو ڈاکٹر نے درد دور کرنے کے لیے دی تھیں اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ اور پھر وہ اس وقت تک ہاسپٹل میں رہی تھی جب تک اس کے گھر سے بابا اور چاچو نہیں آ گئے تھے۔ وہ اس وقت جب اسے گولی لگی تھی اس کے ساتھ ہی تھی اور یونی سے دوسرے لڑکوں کے ساتھ ہی ہاسپٹل آئی تھی۔

شام تک اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا کہ گولی نے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ گھر آ کر چاچو نے اسے چھیڑا تھا۔

"یار! وہ لڑکی کون تھی۔ کوئی بہت ہی خاص اور تم اتنے گھنے ہو کہ ذکر تک نہیں کیا مجھ سے کہ کیا کہانی چل رہی ہے۔" چاچو عمر میں اس سے دس سال بڑے تھے لیکن دونوں میں بہت دوستی تھی۔

"نہیں چاچو، ایسی تو کوئی بات نہیں بس ہم اچھے دوست ہیں۔" وہ جھینپ گیا تھا۔

"صرف اچھے دوست۔ اب اپنے یار سے بھی چھپاؤ گے۔ اس لڑکی کا رونا، اس کی بے چینی۔ اضطراب تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہے تھے یعنی کہ دوستی سے بڑھ کر ہے کچھ۔" اور اس کے دل میں خوش گوار سی دھڑکنوں کا ردھم شروع ہو گیا تھا۔ یعنی اس کا جذبہ یک طرفہ نہیں ہے۔

"ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گنتے ہیں۔ شہزادے! وہ لڑکی تم سے محبت کرتی ہے۔" چاچو اسے چھیڑ رہے تھے اور اسے اچھا لگ رہا تھا۔

اور اگلے دن وہ یونی جانے کے بجائے اس کی مزاج پرسی کے لیے اس کے گھر چلی آئی تھی۔ اس نے ناشتہ اپنے کمرے میں ہی کیا تھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اخبار دیکھ رہا تھا۔ جب چاچو اسے اپنے ساتھ کمرے میں ہی لے آئے تھے۔

"یہ تمہاری کلاس فیلو تمہاری مزاج پرسی کے لیے آئی ہیں۔" معنی خیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے وہ چلے گئے تو اس نے سمیرا کی طرف دیکھا تھا۔

"تم آج یونی نہیں گئیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا اور پھر آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

"ارے کیا ہوا! سمیرا تمہارے گھر میں تو سب خیریت ہے نا۔" وہ بالکل نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم، تم ٹھیک ہو نا۔ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے۔"

"نہیں یار، میں ٹھیک ہوں۔ گولی بس گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔" اس نے اسے تسلی دی۔

"تم یوں ہی پریشان ہو رہی ہو۔"

"تمہیں نہیں پتا وجدان! میں بہت ڈر گئی تھی۔ تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی۔ میں سچ میں مر جاتی وجدان۔ میں...... میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ تم نہیں جانتے نا۔ تمہیں کبھی پتا ہی نہیں چلا کہ میں نے صرف تمہاری وجہ سے جرنلزم میں ایڈمیشن لیا تھا۔ مجھے تو کبھی بھی جرنلزم میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ادب سے بھی بس فکشن پڑھنے تک دلچسپی رہی تھی۔ بھائی نے ڈیڈی نے سب نے منع کیا۔

سب ہی حیران تھے کہ میں بھلا جرنلزم کیوں پڑھ رہی ہوں۔ مجھے کون سا صحافی بننا ہے یا کہیں جاب کرنی ہے۔ دادا جان نے کہا۔ ایم بی اے کر لو اگر مزید پڑھنے کا اتنا ہی شوق ہے بھائی نے کہا۔ انگلش لٹریچر میں ماسٹر کر لو۔ کون سا تم نے کہیں جاب کرنی ہے۔ بس رعب شعب ڈالنے کے لیے ہی ماسٹر کرنا ہے تو جرنلزم میں کرنے کی کیا تک ہے۔ نری خواری، لیکن مجھے تو تمہارے نزدیک رہنا تھا۔ میں نے تو ہمیشہ وہ ہی مضامین لیے جو تم لیتے تھے۔" وہ اعتراف کا دن تھا پہل اس نے کی تھی تو اس نے بھی اعتراف کر لیا تھا کہ محبت کے اس سفر میں وہ تنہا نہیں ہے وہ اس کا ہم سفر ہے۔ اور اس کے جانے کے بعد اس نے چاچو سے پوچھا تھا۔

"آپ کو! سمیرا کیسی لگی چاچو۔"

"جہاں تک شکل وصورت کی بات ہے تو میں

نے دھیان سے نہیں دیکھا۔ اور اس کی ذات میں کیا خامیاں اور کیا خوبیاں ہیں ان کا بھی مجھے علم نہیں ہے۔ لیکن ایک بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تم سے بے حد محبت کرتی ہے۔ تو جہاں محبت ہو وہاں باقی سب چیزیں بے معنی ہو جاتی ہیں اور محبت کی قدر کرنا چاہیے کہ محبت سے خالی زندگی کسی خالی برتن جیسی ہوتی ہے۔ یا پھر اس درخت جیسی جس پر نہ پھول پتے اگتے ہیں نہ پھل لگتا ہے۔ بس خالی سوکھی ٹہنیاں جو صرف جلانے کے کام آتی ہیں۔ بے کار اور بے فیض درخت بننے سے بہتر ہے کہ بھرا ہوا برتن اور پھل دار درخت بنو۔"

اسے چاچو ہمیشہ بہت گہرے لگتے تھے لیکن انہوں نے اپنا راز کسی کو نہیں دیا تھا کبھی۔

اعتراف کے بعد ہر گزرتے دن نے انہیں ایک دوسرے سے زیادہ قریب کیا تھا۔ وہ ایک دوسرے پر عیاں کیا ہوئے تھے کہ ایک دوسرے پر اپنا حق سمجھنے لگے تھے۔ خاص طور پر سمیرا اور وہ کوشش کرتا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کے احساسات کو کبھی ٹھیس نہ پہنچے۔ وہ بے حد حساس تھی۔ اس نے اسے اس کی خامیوں خوبیوں سمیت چاہا تھا۔ اس نے کبھی اس کی کسی بات سے انکار نہیں کیا تھا۔ وہ تو جیسے منتظر رہتا تھا کہ وہ کچھ کہے اور وہ اس کی خواہش پوری کرے۔

اس نے کہا وہ اس وقت تک اپنا رشتہ نہ بھیجے جب تک میری کی شادی کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ حمیرا اس کی بہن جس لڑکے سے شادی کرنا چاہتی تھی اس کا تعلق ایک متوسط خاندان سے تھا۔ لڑکے کے غیر سید ہونے پر بھی سمیرا کی فیملی کو زیادہ اعتراض نہ تھا مسئلہ سوشل اسٹیٹس تھا۔ جب کہ خاندان میں کئی اچھے تعلیم یافتہ لڑکے موجود تھے۔

"اوکے۔" وجدان نے دوسری بات ہی نہیں کی تھی۔ حالانکہ اس کے بابا اور ماما جلد اس کی شادی کرنا چاہتے تھے کہ وہ بڑا بیٹا تھا۔ بہنوں کو بھی بہت شوق تھا۔ اس نے چاچو کو سمیرا کی خواہش بتا دی تھی جانتا تھا چاچو سب کو قائل کر لیں گے۔ لیکن وہ ایک سچا کھرا اور مخلص شخص تھا اس نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی تھی کبھی کسی کو اپنی ذات سے تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ جب سے اس پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے تب سے وہ بہت اذیت میں تھا۔ وہ انجانے میں استعمال ہوا تھا۔ اور استعمال کرنے والی ہستی کون تھی۔ وہ جس سے وہ بے حد محبت کرتا تھا۔ اسے خود پر غصہ آتا تھا کہ وہ کیوں نہیں سمجھ سکا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے اس نے جاننے کی کھوج لگانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی پوری جزئیات کے ساتھ اس کی نظر کے سامنے آنے لگی تھیں۔

سمیرا کا تنہا اسے زنل کے پاس چھوڑ کر ادھر ادھر ہو جانا اور پھر اچانک آزین کے ساتھ آ جانا اور ایسے ہی کئی واقعات تھے، جن کے معانی اس پر اب کھلے تھے۔ کاش اسے پہلے ہی علم ہو جاتا تو......

جب پہلی بار اسے شک ہوا تھا تو وہ بزنس ٹور پر جاپان جا رہا تھا۔ وہ نہیں جانا چاہتا تھا لیکن اسے جانا پڑا تھا کہ چاچو اسے ہر صورت ساتھ لے جانا چاہ رہے تھے۔ پہلے جب بھی وہ بزنس ٹور پر باہر جاتے تھے تو زیادہ سے زیادہ دو ہفتوں کے لیے جاتے تھے۔ کبھی کچھ زیادہ دن بھی لگ جاتے تھے۔ لیکن اس بار تو چاچو اسے ساتھ لیے لیے ایک سے دوسرے ملک جا رہے تھے۔ جاپان سے ہانگ کانگ وہاں سے سنگاپور......ابرار شاہ اور صبوحی ظفریاب کی شادی کے متعلق جاننے کے بعد سے اس نے اس کے فون اٹینڈ کرنا بند کر دیئے تھے۔ اس کے میسج کے جواب نہیں دیتا تھا۔ اور اب پاکستان آنے کے بعد بھی اس نے ابھی تک سمیرا سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اسے واپس آئے چار دن ہو گئے تھے۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا شاید اب بھی کرتا ہو۔ لیکن اس وقت اس کے اندر صرف غصہ تھا اس کے لیے اور بس......

اسے افسوس تھا کہ اس نے اس لڑکی سے محبت کی جس کا ظرف اتنا چھوٹا دل اتنا تنگ اور ذہن اتنا سازشی تھا۔ نہیں مجھے ابھی سمیرا سے بات نہیں کرنی۔ اس نے اپنا فون آف کر رکھا تھا۔ لیکن سمیرا جو اس کے

فون اٹینڈ نہ کرنے اور میسجز کے جواب نہ دینے پر پریشان تھی، بار بار آفس فون کر کے پتا کرتی تھی کہ وہ واپس آیا ہے یا نہیں اور جب اسے آفس سے پتا چلا کہ وہ آ گیا ہے لیکن گھر پر ہے اور آفس نہیں آ رہا۔ اس کا سیل تو آف تھا کہ کہیں وہ بیمار نہ ہو پریشان ہو کر اس نے گھر کے نمبر پر فون کیا تو اس کی بہن نے بتایا کہ بھائی گھر پر ہی ہیں اور سمیرا سے بات کر کے اس نے وجدان کو سمیرا کے فون کا بتایا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ ہی دیر بعد سمیرا وہاں موجود ہو گی۔ اور وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ غصے میں اسے کوئی الٹا سیدھا بولے۔

اس روز کے بعد وہ کبھی کبھار گھر آ جایا کرتی تھی۔ اور گھر میں اس کی دونوں بہنوں اور امی کے ساتھ کافی گپ شپ تھی۔ چھوٹے بھائی اور چاچو سے بھی بے تکلفی سے بات چیت ہوتی تھی اس کی سمیرا آپی کہہ رہی تھیں کہ آپ کا فون آف ہے اس لیے انہوں نے لینڈ لائن پر کیا ہے۔ اس کی بہن نے مزید بتایا تو اس نے سر ہلایا۔

"ہاں میرا فون خراب تھا۔" اور تیزی سے اپنے کمرے سے نکل گیا۔ لاؤنج میں چاچو صوفے پر ٹانگیں دراز کیے بیٹھے تھے اور ان کے ہاتھ میں صبح کا اخبار تھا۔ آج سنڈے تھا اس لیے سب ہی گھر پر تھے۔

"کہاں جا رہے ہو صاحبزادے۔" چاچو نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ذرا آزین کی طرف جا رہا ہوں۔" بلا ارادہ ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا حالانکہ وہ اس ارادے سے نہیں اٹھا تھا وہ تو بس سمیرا سے بچنا چاہتا تھا۔ سوچا تھا کچھ دیر یوں ہی لانگ ڈرائیو کر کے واپس آ جائے گا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے زین کی طرف جانا چاہیے۔ بہت دیر تک وہ یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا اسے زین اور زیل کے درمیان پیدا ہونے والی غلط فہمیاں دور کرنی تھیں۔ زین کو وہ سچ بتانا تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

"تمہارا قلم بہت خطرناک ہو گیا ہے وجدان! ہاتھ ذرا ہولا رکھو بچے، تم ہمیں بہت عزیز ہو۔" چاچو نے اخبار سے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ چونکا۔

"جی چاچو۔" اور پھر ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتا تیزی سے باہر نکل گیا اپنے گھر سے آزین کے گھر تک وہ سوچتا آیا تھا کہ اسے اس سے کیسے بات کرنی ہے۔ کس طرح اسے بتانا ہے کہ اس کے اور زل کے رشتے کے درمیان جو غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں، اس کی وجہ سمیرا ہے اسے زین سے معافی مانگنی ہے کہ اس کی وجہ سے اگر کوئی غلط فہمی ہے تو وہ دور کر لے۔ وہ جو لفظوں کا کھلاڑی تھا۔ قلم اٹھاتا تو پھر خود بخود جیسے قلم بولنے لگتا تھا اب لفظ ترتیب دیتا جملے بناتا اور خود ہی رد کر دیتا۔ کنفیشن بوکس میں کھڑے ہو کر خود اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا یقیناً آسان نہیں ہوتا ہو گا۔ اس نے سوچا تھا لیکن اسے یہ مشکل کام کرنا تھا۔

لیکن جب وہ حویلی پہنچا تو شیخو بابا نے اسے بتایا کہ مرسل، اسد، طیب اور عمر بھی آئے ہوئے ہیں۔ اور سب ڈرائنگ روم میں ہیں۔ "دراصل وہ زین کا معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا تو وہ سب زین کی مزاج پرسی کے لیے آئے ہوئے ہیں۔" اور وہ جو سوچ رہا تھا کہ یہاں سے ہی واپس چلا جائے کہ سب کی موجودگی میں وہ زین سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن پھر حادثے کا سن کر اسے مناسب نہیں لگا کہ وہ مزاج پرسی کیے بغیر ہی چلا جائے۔ سب نے ہی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"بڑے دن لگا دیئے وجدان! ہم سب نے تمہیں بہت مس کیا۔" اس نے اسے گلے لگاتے ہوئے محبت سے کہا۔

وجدان سب سے ہی باری باری گلے ملا۔ آزین سے گلے ملتے ہوئے اس نے بغور اسے دیکھا۔ وہ کچھ کمزور لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں اور اس کی ہیزل براؤن آنکھوں میں وہ

چمک مفقود تھی۔

"سوری یار!" اس نے دل ہی دل میں اس سے معذرت کی اور سوچا۔ بہت جلد ان خوب صورت آنکھوں کی چمک لوٹ آئے گی۔ لیکن نہیں جانتا تھا کہ شاید اسے آزین سے بات کرنے کا موقع نہیں ملنے والا تھا۔ کبھی وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور کبھی راہ میں رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔

"خیر آج نہیں تو کل زین کے آفس چلا جاؤں گا۔" یہ سوچ کر اس نے خود کو مطمئن کیا تھا۔

"تم نے اتنے دن لگا دیئے وجدان! یہاں دشمنوں نے خبر بھی اڑا دی تھی کہ تم ڈر کر باہر بھاگ گئے ہو کہ کچھ لوگوں نے تمہیں دھمکیاں دی تھیں۔" مرسل کے لہجے میں تشویش تھی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں یار! موت تو اپنے وقت پر آتی ہے چاہے کسی اندھی گولی سے آئے یا گھر پر بستر پر پڑے پڑے۔ نہ ایک سانس گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے۔" وہ مطمئن سا مسکرایا۔ اگر وہ ڈرنے والا ہوتا تو کبھی اس طرح کھل کر سیاست دانوں اور حکمرانوں پر تنقید نہ کرتا۔ وطن سے محبت اس کے خون میں شامل تھی۔ اس کے خاندان نے یہ وطن حاصل کرنے کے لیے بہت قربانیاں دی تھیں۔ اس کے دادا وہاں اپنی زمینیں اور گھر بار ہی چھوڑ کر نہیں آئے تھے اپنے پیاروں کی لاشیں بھی چھوڑ کر آئے تھے۔ اس کے دادا نے ہمیشہ اس وطن کی ترقی، خوشحالی اور بہتری کے خواب دیکھے تھے اور یہ ہی خواب انہوں نے اپنے بچوں کو سونپے تھے اور انہیں اپنے ملک سے وفا اور اس کی خاطر مر مٹنے کا سبق سکھایا تھا۔ وہ انیس بیس سال کے تھے جب اپنے والد اور والدہ کے ساتھ سب کچھ لٹا کر یہاں پہنچے تھے۔

"وہ تو ٹھیک ہے یار! لیکن ذرا سنبھل کر احتیاط سے لکھو۔ کچھ لوگ جان چکے ہیں کہ جواد احمد کے پیچھے کون ہے۔"

طیب نے خلوص دل سے مشورہ دیا تھا۔ وہ وجدان احمد کو پسند کرتا تھا۔ وجدان احمد نے چونک کر اسے دیکھا۔ اسے کچھ کچھ اندازہ تو تھا کہ کچھ لوگ اس کے متعلق جان گئے ہیں لیکن یقین اب آیا تھا جب اس نے حالات حاضرہ پر لکھنے کا سوچا تھا، تو اس کے چاچو نے مشورہ دیا تھا کہ وہ اصلی نام کے بجائے قلمی نام سے لکھے اور دادا نے اس کا قلمی نام جواد احمد تجویز کیا تھا۔ جواد احمد دادا کے بڑے بھائی علی گڑھ کے طالب علم۔ تحریک پاکستان کے پرجوش اور سرگرم رکن۔ مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ شعلہ بیان مقرر تھے اور شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان کے اپنے ہی ایک ہندو دوست نے اس وقت ان کے سینے میں برچھی اتاری تھی، جب وہ مسلم لیگ کے اپنے علاقے میں ہونے والے جلسے میں تقریر کرنے جا رہے تھے۔

اس کے اپنے خاندان کے علاوہ صرف سمیرا تھی جو جانتی تھی کہ وہ جواد احمد کے نام سے لکھتا ہے لیکن اب اگر طیب جانتا تھا تو شاید یہ راز راز نہیں رہا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا طیب! کہیں نہ کہیں سے یہ خبر اڑتی اڑتی مجھ تک بھی پہنچ گئی ہے۔ لیکن یہ بات کہاں سے نکلی ہے اس کا مجھے علم نہیں۔" طیب کو شام کے وقت نکلنے والے ایک اخبار کے رپورٹر نے بتایا تھا۔

"ہاں جواد احمد میرا ہی قلمی نام ہے۔" وجدان احمد نے اعتراف کیا تو مرسل اور عمر کی آنکھوں میں یکدم اس کے لیے ستائش ابھری۔

"کمال کا لکھتے ہو یار! میں تو کہتا ہوں تم جیسے لوگوں کو سیاست میں آنا چاہیے۔ اگر تمہارے جیسے لوگ اقتدار میں ہوں جو وطن سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں اور اس کے لیے اس طرح سوچتے ہیں تو ہمارا ملک مثالی بن سکتا ہے۔" مشورہ مرسل کی طرف سے آیا تھا۔

"نہیں یار! مجھے سیاست سے اس طرح کی دلچسپی نہیں ہے۔ جس کا مقصد اقتدار میں آنا ہو۔ اللہ نے مجھے لکھنے کا ہنر دیا ہے تو میں بس، لکھنا ہی چاہتا ہوں کہ شاید کبھی میرے لفظوں سے مردہ ضمیر جاگ

pklibrary.com

جائیں۔"
"چھپن سال ہو گئے اس ملک کو بنے لیکن جن کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں وہ آج بھی مردہ ہیں۔ تمہارے جیسے نہ جانے کتنے محب وطن ان کے مردہ ضمیر جگاتے جگاتے ہار گئے۔" طیب کے لہجے میں تلخی تھی۔
"کوشش ترک نہیں کرنی چاہیے کیا خبر کوئی لفظ ضرب کلیم ثابت ہو۔" وجدان احمد مسکرایا یہاں آ کر بہت سارے دنوں سے اس کا خراب ہوا موڈ بہتر ہو گیا تھا۔ تب ہی مرتضیٰ سفری بیگ کندھے پر لٹکائے اندر داخل ہوا۔
"تو محفل جمی ہے۔" اس نے باری باری سب پر نظر ڈالی۔
"بلال نے مجھے زین کے ایکسیڈنٹ کا بتایا تھا تو ہم مزاج پرسی کے لیے آئے تھے۔" جواب عمر نے دیا تھا۔
"ہاں زین تم نے ایکسرے کروایا تھا پاؤں کا کیا ہوا۔" مرتضیٰ لہجے میں فکر سموئے پوچھ رہا تھا۔
"ہوں فریکچر وغیرہ نہیں ہے بس درد بہت ہے ڈاکٹر نے گرم پٹی باندھے رکھنے کو کہا ہے۔"
"کیسے ہوا حادثہ۔" وجدان کو اب خیال آیا تھا۔
"کل شام کو ایک رکشے سے ٹکرا کر میری بائیک گر گئی تھی۔ پاؤں پر چوٹ لگی۔ باقی اللہ کو شکر ہے بچت ہو گئی۔ پاؤں یکدم اتنا سوج گیا تھا کہ ڈر لگا کہ کہیں ہڈی وغیرہ نہ ٹوٹ گئی ہو۔" آزین نے تفصیل بتائی تو مرتضیٰ نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔
"ارے ہاں وجدان، تم کب آئے۔"
"کچھ دیر ہوئی۔"
"نہیں میرا مطلب ہے باہر سے کب آئے ہو۔"
"تین چار دن ہو گئے۔" وجدان اب اس کی طرف متوجہ تھا۔
"سمیرا نہیں آئی تمہارے ساتھ۔ اب اس کی طبیعت کیسی ہے۔" مرتضیٰ نے پوچھا۔
"کیا ہوا ہے اسے۔"
"وہ تو ہفتہ بھر سے بیمار ہے۔ شاید بخار ہو گیا تھا اسے۔ ثوبیہ سحرش کے پاس آئی تھی کسی کام سے تو اس نے بتایا تھا۔" مرتضیٰ نے وضاحت کی۔
"دراصل میرا کئی دنوں سے سمیرا سے رابطہ نہیں ہے۔ تو میرے علم میں نہیں ہے کہ وہ بیمار ہے۔"
وجدان احمد نے سادگی سے سچ بتایا۔ دل سمیرا کی بیماری کا سن کر پریشان ہوا تھا۔ اور آزین چونکا تھا۔ اس کا مطلب ہے مرتضیٰ نے جو کہا سچ تھا۔ ابھی تین چار دن پہلے کی بات تھی مرتضیٰ نے اسے بتایا تھا کہ وجدان اور سمیرا کا رشتہ تقریباً طے ہی تھا سمیرا وجدان سے محبت کرتی ہے لیکن اب شاید یہ رشتہ طے نہ ہو سکے۔ وجدان کا ارادہ بدل چکا ہے۔ اس نے تو کافی دنوں سے سمیرا سے رابطہ ہی ختم کر رکھا ہے۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بلاوجہ ہی وجدان سمیرا سے رابطہ توڑ دے۔ تعلق ختم کر دے۔" وہ حیران ہوا تھا۔
"وجہ تو ہے اگر کچھ کہوں تو برا مت منانا اور وجہ ہے زل! میں نہیں جانتا کہ زل بھی وجدان میں انٹرسٹڈ ہے یا نہیں لیکن سمیرا کا خیال ہے کہ وجدان زل میں انٹرسٹڈ ہے۔ وہ اس سے بہت متاثر ہے۔" سمیرا نے اب ڈائریکٹ وار کرنے کا سوچ کر مرتضیٰ سے کھل کر بات کرنے کو کہا تھا۔ لیکن سمیرا کو غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے مرتضیٰ!"
آزین نے اس کی بات کی نفی کی تھی لیکن اس وقت وجدان کے سچ نے مرتضیٰ کے جھوٹ پر یقین کی مہر لگا دی تھی، آزین کو لگا تھا جیسے کسی نے اس کے دل میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ ہاں مرتضیٰ کی یہ بات ٹھیک ہو سکتی ہے کہ وجدان زل کو پسند کرنے لگا ہے اور اس نے سمیرا سے رابطہ تقریباً ختم کر رکھا ہے لیکن زل......
زل بھلا کیسے اور کیوں وجدان میں انٹرسٹڈ ہو سکتی ہے۔ وہ اس کے نکاح میں ہے۔ اس نے دل کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی لیکن اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

پچھلے چند ماہ سے غلط فہمیوں کی وجہ سے اس کے رویے میں جو سرد مہری آ گئی تھی، اس کی وجہ سے اس نے زنل کا اضطراب، اداسی اور بے چینی بھی دیکھی تھی لیکن ان بے چینیوں کا احساس اس کے جانے کے بعد اسے ہوا تھا۔ وہ چلی گئی تھی تو اسے لگتا تھا جیسے زندگی سے سارے رنگ چلے گئے ہوں۔ وہ اس سے ٹھیک سے بات نہیں کر رہا تھا تب بھی وہ اس کی ہر بات کا خیال رکھ رہی تھی۔ وہ آفس سے آتا تو وہ اسے اپنی منتظر ملتی۔ اس کی عدم موجودگی میں اسے لگا تھا کہ مرتضٰی کی باتوں میں آ کر وہ خوامخواہ ہی الٹی سیدھی غلط فہمیاں پال کر اس سے دور ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا تھا زنل واپس آئے گی تو وہ زنل کو سب بتا دے گا۔ اس سے سوری کر لے گا اپنے رویے کی اور وہ تو بڑے دل کی مالک ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس کی غلطی کو معاف کر دے گی۔

دادا جان نے اسے کہا تھا کہ وہ جا کر زنل کو لے آئے لیکن پھر پاؤں کی چوٹ کی وجہ سے انہوں نے مرتضٰی سے کہہ دیا تھا کہ وہ چلا جائے اور ابھی کچھ دیر پہلے مرسل وغیرہ کے آنے سے پہلے وہ سوچ رہا تھا کہ وہ جا کر مرتضٰی کو منع کر دے گا کہ اس کا پاؤں ٹھیک ہے اب اور وہ خود ہی چلا جائے گا لیکن پھر مرسل وغیرہ آ گئے اور اس نے سوچا تھا ان کے جانے کے بعد وہ اوپر جا کر مرتضٰی کو منع کر دے گا کہ وہ نہ جائے وہ خود چلا جائے گا یوں بھی مرتضٰی نے کہا تھا کہ وہ سوموار کو جائے گا۔ اتوار کو اسے کوئی کام ہے۔ اور اب جیسے کوئی دل کے اندر بھالے مارتا تھا اور وہ خود کو بار بار یہ باور کرا کے کہ بھلے وجدان، زنل میں انٹرسٹڈ ہو زنل نہیں ہو سکتی اپنے زخموں پر تسلی کے پھاہے رکھتا تھا لیکن اذیت تھی کہ بڑھتی ہی جاتی تھی مرتضٰی جیسے اس کے کان میں سرگوشیاں کرتا تھا۔

"یہ جو عورت ذات ہے نا یہ صرف پیسے سے محبت کرتی ہے۔ آسائشوں اور سہولتوں کی تمنا ہوتی ہے اسے اور جب یہ سب اسے نہیں ملتا تو اس کی محبت کے سارے دعوے مر جاتے ہیں۔ یہ جب دو محبت کرنے والے مردوں کی محبت کو ترازو میں تولتی ہے تو پلڑا اس مرد کا ہی بھاری ہوتا ہے جو محبت کے ساتھ اسے آسائش بھی دے۔" بہت پہلے پتا نہیں مرتضٰی نے کس بات پر کہا تھا اور آج اس کی سماعتوں میں مرتضٰی کی آواز گونج رہی تھی۔

شاید صحیح ہی تو کہتا ہے مرتضٰی۔ صبوحی ظفریاب نے بھی تو دولت کی خاطر محبت کی نفی کر دی تھی۔ اور یہ عمر جو شاید شانزہ کو پسند کرتا تھا یا شاید محبت اس کا رشتہ بھی تو اس لیے ٹھکرا دیا گیا تھا کہ عقیل کے پاس اس کے مقابلے میں زیادہ دولت تھی حالانکہ عمر اس کے مقابلے میں زیادہ ایجوکیٹڈ زیادہ گڈ لکنگ تھا تو زنل بھی تو وجدان میں انٹرسٹڈ ہو سکتی ہے۔ اور وجدان تو ہر لحاظ سے ہی اس سے بہتر تھا۔ اذیت کی لہریں دل سے اٹھ کر جیسے پورے وجود میں پھیلتی جا رہی تھیں۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا کہ اسے ڈر لگا تھا کہ کہیں اس کی سسکی نہ نکل جائے۔

"میری دو دن پہلے سمیرا سے بات ہوئی تھی اسے تمہارے واپس آنے کا علم نہیں تھا۔" مرتضٰی وجدان سے کہہ رہا تھا۔ آزین چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی ابھی اس کی طرف ہی جاؤں گا یہاں سے اٹھ کر۔"

تو اسے بتا دینا میرا کہ میں پھپھو کی طرف جا رہا ہوں۔ دو تین روز میں آ جاؤں گا۔ دراصل دو دن سے اس کا فون آف ہے ورنہ میں خود ہی بتا دیتا۔"

"لیکن تم نے تو کل جانا تھا مرتضٰی!" آزین نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے جیسے پہلی بار اس کا سفری بیگ دیکھا تھا۔

"ہاں آج ایک دوست نے آنا تھا اس لیے کل جانے کا کہا تھا میں نے دادا جان سے لیکن اب اس دوست کا پروگرام نہیں بنا تو میں نے سوچا جا کر لے آؤں۔ دادا جان اور بی بی اماں بہت اداس ہو رہی ہیں۔ بلکہ چچا جان بھی مس کر رہے ہیں اسے۔ بی بی اماں بتا رہی تھیں کہ وہ اسے ڈھونڈتے ہیں۔"

pklibrary.com

مرتضٰی بے حد خوش لگ رہا تھا۔ جب دادا جان نے اس سے کہا تھا کہ وہ جا کر زنل کو لے آئے تو اس کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ اتنے لمبے سفر میں وہ ساتھ ہوں گے تو اسے بہت کچھ کہنے کا موقع مل جائے گا۔ جو یہاں نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کبھی موقع نہیں ملتا تھا۔ لمبی بات کرنے کا۔ اب اتنا وقت ہوگا تو وہ آرام اور سکون سے۔ آزین کے بارے میں وہ کچھ باور کرانے میں کامیاب ہو جائے گا جو زنل شاہ زیب کو آزین ظفریاب سے اس طرح بدگمان کر دے کہ جب آزین اس کے ساتھ شادی سے انکار کرے تو زنل کو اعتراض نہ ہو۔ یا پھر ممکن ہے زنل خود ہی اس سے شادی سے انکار کر دے۔

وجدان بہت دھیان سے مرتضٰی کو دیکھ رہا تھا۔ اور مرتضٰی کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے اسے کچھ ادراک ہوا تھا۔ سمیرا اور مرتضٰی کا تال میل اسے سمجھ میں آ رہا تھا۔ تو مرتضٰی بھی ایک مہرہ تھا جسے سمیرا عقلمندی سے استعمال کر رہی تھی۔ کئی چھوٹے چھوٹے واقعات اس کی نظروں کے سامنے سے گزرنے لگے تھے لیکن اس کے اور سمیرا کے گٹھ جوڑ میں صرف سمیرا کا ہی مقصد پوشیدہ نہیں تھا، بلکہ مرتضٰی کا بھی کہیں کوئی مقصد چھپا تھا اور وہ مقصد کیا تھا......

وجدان احمد کے دل پر کسی الہام کی طرح اترا تھا۔ وجدان احمد جس کا آئی کیو بہت ہائی تھا اور جو چہرے دیکھ کر دلوں کا حال جاننے کا ہنر جانتا تھا اس کو ادراک ہو گیا تھا کہ مرتضٰی سمیرا کا ساتھ کیوں دے رہا ہے۔ سمیرا نے ایک بار اسے بتایا تھا کہ مرتضٰی نے مہرین سے شادی سے انکار کر دیا ہے اور اس نے خود بھی دو تین بار محسوس کیا تھا کہ مرتضٰی آزین سے جیلس ہوتا ہے، تو ایک وہ تھا جو سمجھ گیا تھا کہ مرتضٰی کیا چاہتا ہے اور ایک سحرش تھی جو مرتضٰی کے دل میں چھپی خواہش جان چکی تھی۔

جو اس وقت سیڑھیوں کے تیسرے پوڑے پر وہاں ہی مہرین کے ساتھ بیٹھی تھی جہاں کبھی زین اور زنل بیٹھتے تھے۔

"تم نے مرتضٰی بھائی کو دیکھا تھا مہرو، ابھی جب وہ دادا جان کے کمرے سے باہر آ رہے تھے انہیں مل کر تو کتنے خوش نظر آ رہے تھے جیسے پہلی بار ٹرین کا سفر کرنے جا رہے ہوں۔ ویسے زین کو خود جانا چاہیے تھا اسے لینے۔ اب اتنی بھی زیادہ چوٹ نہیں ہے کہ سفر بھی نہ کر سکے۔ یا پھر جیسا کہ ثوبان انکل نے کہا تھا وہ انہیں بائے ایئر بھیج دیتے۔ اور وہ بھی تو تھا نا وہاں شایان، وہ بھی تو آ سکتا تھا زنل کے ساتھ لیکن اس کے ساتھ آنے سے شاید خود ہی زین نے منع کر دیا تھا کہ میں خود لینے آؤں گا لیکن پھر چوٹ لگا کر بیٹھ گیا اور ان حضرت کی تو جیسے لاٹری نکل آئی ہو۔"

مہرین جو دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد باندھے گھٹنوں پر تھوڑی رکھے اس کی بات کو بے دھیانی سے سن رہی تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب خوش تو ایسے ہی لگ رہے ہیں۔" سحرش نے مہرین کا چونکنا محسوس کر لیا تھا۔

"اماں تو بتا رہی تھیں کہ شاید شیخو بابا جائیں۔" مہرین نے اپنی اماں کو مونا خالہ سے کہتے سنا تھا جب وہ زین کے حادثے کا سن کر اسے پوچھ کر اوپر آئی تھیں۔

"شاید زین نے منع کر دیا ہو کہ شیخو بابا نامحرم ہیں لیکن نامحرم تو مرتضٰی بھائی بھی ہیں پر زین کو اتنی عقل کہاں۔ ایک دو روز بعد جا کر لے آتا۔ ویسے شیخو بابا ہیں تو غیر لیکن مرتضٰی بھائی کی طرح بدنظرے نہیں ہیں۔ کبھی نگاہ اٹھا کر بات نہیں کی۔ میں ہوتی نا زین کی جگہ تو مرتضٰی بھائی کے بجائے شیخو بابا کو ہی بھیج دیتی اگر بھیجنا ضروری ہوتا تو۔"

سحرش نے دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر گرم کیا۔ جنوری کا اختتام تھا اور دھوپ کے باوجود فضا میں خنکی تھی۔ صحن میں پھیلی دھوپ، بہت پھیکی پھیکی سی تھی۔

"سحری! تم کیسے اپنے ہی بھائی کے لیے ایسی باتیں کر لیتی ہو۔" مہرین کی آنکھوں میں ہلکی سی حیرت تھی۔

"اس لیے کہ میں سحرش ارباب ہوں۔ اور میں

pklibrary.com

جھوٹے پھول پھندنے نہیں لگاتی کہ وہ میرے بھائی ہیں۔ جو جیسا ہے بھئی سحرش تو اسے ویسا ہی کہے گی بھلے وہ میرا بھائی ہو یا میری اماں جان۔'' سحرش نے گردن اکڑائی۔

''لیکن......'' مہرین کہتے کہتے رک گئی اس کی نظریں لمحہ بھر کے لیے، ڈرائنگ روم سے باہر آتے مرتضٰی کی طرف اٹھی تھیں اور پھر فوراً ہی اس نے نظریں جھکا لیں۔

''اب میں اتنی بھی بیوقوف نہیں ہوں کہ اپنے گھر والوں کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ہر ایک سے کرتی پھروں۔ یہ اظہار تو بس اپنوں کے سامنے ہی کرتی ہوں۔ باہر اگر جھوٹی تعریف نہیں کرتی تو برائی بھی نہیں کرتی۔'' وہ مہرین کے لیکن کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

''اللہ حافظ مرتضٰی بھائی!'' اب وہ صحن کا دروازہ کھولتے مرتضٰی کو دیکھ رہی تھی۔ مرتضٰی نے مڑ کر ہاتھ ہلایا اور باہر نکل گیا۔

''ویسے مجھے سردیوں کی شادیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔ کپڑوں کی ساری شو ختم ہو جاتی ہے اوپر بھاری سوئیٹر پہن کر اور شالیں لے کر۔'' اب اسے شادی کی فکر ہو گئی تھی۔

''تو تم نہ پہننا......نا اوپر سوئیٹر۔ بس ہلکی سی شال کندھے پر ڈال لینا۔'' مہرین نے مشورہ دیا۔

''ویسے میں نے یہاں دو تین شادیوں میں دیکھا ہے۔ دسمبر جنوری کی سردیوں میں شیفون کے کپڑوں میں شادیوں میں شرکت کرتے ہوئے زیادہ تر خواتین کو یہ الگ بات کہ سردی سے کانپ رہی ہوں۔ فروری میں شاید کچھ موسم بہتر ہو جائے گا لیکن پھپھو کو چاہیے تھا کہ مارچ میں شادی کرتیں ایک ماہ کی ہی تو بات تھی۔''

''تمہیں نہیں پتا ریحان بھائی نے فروری کے اینڈ میں امریکہ جانا ہے پیپرز دینے۔ اس لیے شادی فوراً رکھی ہے تاکہ وہ بھی شریک ہو جائیں انہیں زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے وہاں۔'' سحرش کو حیرت ہوئی۔

''نہیں۔'' مہرین نے نفی میں سر ہلایا۔

''تم چلو گی نا شادی میں۔'' سحرش بغور اسے دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''پتا نہیں فی الحال کچھ نہیں سوچا۔''

''سب ہی تو جائیں گے بی بی اماں اور شیخو بابا بھی......بہت اصرار کیا ہے پھپھو نے کہ سب آئیں اور تم یہاں اکیلے کیسے رہو گی۔'' سحرش کو فکر ہوئی۔

''میں ہوسٹل چلی جاؤں گی اپنی دوست کے پاس تین چار دن کی تو بات ہے۔'' مہرین کا ارادہ نہیں تھا شادی میں جانے کا اور وہ اس کے متعلق اماں اور مونا خالہ کو بھی بتا چکی تھی۔

''یار! چلی چلو نا ابھی کون سا باقاعدہ منگنی ہوئی ہے بس زبانی زبانی ہی تو بات ہوئی ہے۔ اچھا ہے نا ریحان بھائی کو قریب سے دیکھنے اور جاننے کا موقع ملے گا۔ کس قدر رومینٹک سا ہو گا تم چھپ چھپ کر انہیں دیکھنا اور وہ آتے جاتے گزرتے چور نظروں سے تمہیں دیکھیں گے۔'' سحرش شوخ ہوئی تھی لیکن وہ بیزار تھی۔

''مجھے نہیں ضرورت دیکھنے اور جاننے کی۔''

''مہرو۔'' سحرش سنجیدہ ہوئی۔

''ایک بات تو بتاؤ تمہیں کسی نے مجبور تو نہیں کیا تھا۔ تم نے اپنی مرضی سے ریحان بھائی کے لیے ہاں کی تھی۔''

یہ صحیح تھا کہ اسے کسی نے مجبور نہیں کیا تھا۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ جو بالکل اچانک ہی ہوا تھا بغیر سوچے سمجھے۔ یہ اسی روز کی بات تھی جب مرتضٰی اوپر آیا تو مونا اور رخسانہ لاؤنج میں ہیٹر کے پاس بیٹھی ریحان اور مہرین کے رشتے کی بات کر رہی تھیں۔

''میری شانزے خوش نہیں ہے مونا، اور اب میں مہرین کی مرضی کے بغیر ہاں نہیں کروں گی چاہے کسی شہزادے کا ہی رشتہ کیوں نہ آجائے مہرین کے لیے۔'' وہ ماں تھیں۔ بھلے زبان سے کچھ نہ کہیں لیکن شانزہ کی آنکھوں کی اداسی اور خاموشی کا دکھ سمجھتی تھیں۔

"ارے بھئی کس شہزادے کا رشتہ آ گیا ہے۔"
مرتضٰی نے پوری بات نہیں سنی تھی۔

"اپنی مہرین کے لیے اختر بانو نے ریحان کا رشتہ دیا ہے۔" میمونہ نے بتایا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ ریحان اور مہرین کا جوڑ بہت اچھا ہے۔ ریحان خوب صورت ہے ڈاکٹر ہے دولت مند ہے اور لڑکیوں کے والدین کو کیا چاہیے ہوتا ہے۔ میں شانی کو سمجھا رہی تھی کہ بس انکار نہ کرے اس رشتے سے۔" رخسانہ بڑی تھیں لیکن مونا کبھی کبھار ہی نام کے ساتھ آپا لگاتی تھیں ورنہ نام لے کر ہی بلاتی تھیں۔

"کیا مطلب۔" وہ حیران ہوا تھا۔

پھپھو نے اس کا مطلب مہرین کا رشتہ مانگا ہے۔ اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"ہاں اختر نے بڑے چاؤ سے رشتہ مانگا ہے مہرو کا اور میرا دل کہتا ہے مہرین بہت خوش رہے گی۔"

"اور تایا جان نے کیا جواب دیا۔" اسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی اور وہ کچھ ناخوش سا لگنے لگا تھا۔

"ابھی سوچنے کا وقت لیا ہے۔ حالانکہ سوچنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اپنا بھانجا ہے کوئی غیر تو نہیں لیکن مہرین نے منع کر دیا ہے وہ راضی نہیں ہے۔" میمونہ بیگم ہی اس کے سوالات کے جواب دے رہی تھیں جب کہ رخسانہ خاموش تھیں۔

"مہرین راضی نہیں ہے۔" وہ پھر حیران ہوا تھا۔ بھلا کوئی لڑکی اتنی بیوقوف کیسے ہو سکتی ہے کہ ریحان جیسے لڑکے سے شادی سے انکار کر دے۔ لیکن مہرین تھی۔ ایسی ہی بیوقوف وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے دل میں اس کے لیے کیا جذبات رکھتی ہے۔ وہ دل ہی دل میں مغرور ہوا تھا۔

"کتنی خواہش تھی میری کہ مہرین کو اپنی بہو بناتی بچپن سے ہی سوچ رکھا تھا۔ لیکن مرتضٰی! تم نے میرے ارمان مٹی میں ملا دیے انکار کر کے۔"

"تو ٹھیک ہے میں تیار ہوں مہرین سے شادی کرنے کے لیے۔" غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اب یکدم ہی اسے مہرین اچھی لگنے لگی تھی بلکہ دل میں کہیں حسد اور جلن تھی کہ جس لڑکی کو اس نے ٹھکرا دیا اور جسے وہ چشماٹو اور چار چشمی کہہ کر اس کا مذاق اڑاتا تھا اس کا رشتہ اس سے کہیں اچھے اور بہتر شخص سے ہو جائے۔ یہ اندر کی جلن اور کھولن ہی تھی جس نے اس سے اقرار کروایا تھا۔ انکار کا کیا ہے وہ پھر بھی کر سکتا ہے۔

"لیکن مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی۔" مہرین جو نہ جانے کس کام سے ادھر آئی تھی، اس نے بے اختیار کہا گیا۔ وہ اتنی گئی گزری تھی کوئی کھلونا تھی کہ جب دل چاہے تو ٹھکرا دی جائے اور جب دل چاہے اپنا لی جائے اندر کہیں دو آنسو گرے تھے۔ اس نے مرتضٰی سے نظر ہٹا کر رخسانہ کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں اماں جان! میں آپ سے یہی کہنے آئی تھی کہ آپ پھپھو کو ہاں کہلوا دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اور اپنی بات کر کے وہ مرتضٰی کو حیران چھوڑ کر وہ واپس چلی گئی تھی۔

"بتاؤ نا! مہرو تم نے اپنی مرضی سے ہاں کی تھی نا۔" اسے خاموش دیکھ کر سحرش نے پھر پوچھا۔

"اماں نے مجھے بتایا تھا کہ مرتضٰی بھائی تیار ہو گئے تھے تم سے شادی کرنے کے لیے۔"

"ہاں یار! اپنی مرضی سے ہاں کی تھی۔"

"تو پھر پروگرام بتاؤ نا۔ سچی بہت مزا آئے گا وہاں۔ پھپھو نے اسی لیے تو تمہیں انگوٹھی پہنانے کا پروگرام شادی کے بعد رکھا ہے تاکہ تم بلا جھجک شادی میں شریک ہو سکو۔ ریحان بھائی کو پرکھنے کا اس سے اچھا موقع نہیں ملے گا۔ یہ جو لڑکے ہوتے ہیں شادیوں میں بڑے شوخے ہو جاتے ہیں اور ان کی اصلیت پتا چل جاتی ہے۔"

مہرین خاموش ہی رہی تھی تب ہی بی بی اماں کچن سے باہر نکل کر صحن میں آئیں۔

"سحرش بیٹی، میں نے چائے دم کر دی ہے۔ ذرا بنا کر ڈرائنگ روم میں لے جاؤ۔ زین کے

pklibrary.com

دوست بے چارے کب سے آئے بیٹھے ہیں۔ میری ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی اٹھنے کی ساجدہ کو بھی کہا تھا دوپہر کو چکر لگانا۔ پتا نہیں کیوں نہیں آئی۔"

"کیا ہوا بی بی اماں! آپ کو۔" سحرش کے ساتھ ہی مہرین بھی اٹھی تھی۔

"فلو ہو رہا ہے۔ صبح نہا کر باہر ٹھنڈ میں نکل آئی تھی۔ کتنی دیر سے سوچ رہی تھی کہ بچے بے چارے آئے بیٹھے ہیں۔" بی بی اماں کو ایسی باتوں کا بہت خیال رہتا تھا۔

"آپ مجھے کہتیں بی بی اماں! میں چائے بنا لیتی۔"

"چلو اب تو بن گئی ہے تم بس سرو کر دینا۔ دودھ میں نے دھیمی آنچ پر گرم کرنے کے لیے رکھ دیا تھا۔ چنے کی دال کا حلوہ میں نے باؤل میں ڈال دیا ہے مائیکرو میں گرم کر لینا۔ بسکٹ اور نمکو کے جار بھی کاؤنٹر پر رکھ دیے ہیں۔"

جب سے گھر میں مائیکروویو آیا تھا بی بی اماں نے کبھی استعمال نہیں کیا تھا۔ زل ہی کرتی تھی اگر کچھ گرم کرنا ہوتا تو۔

"اور ہاں تمہارے دادا جان چائے پی چکے ہیں۔ شیخو شاہ زیب کی دوا لینے گیا ہے۔ آ جائے تو اسے بھی چائے بھجوانی ہے۔ لیکن پوچھ لینا اس وقت پیئے گا بھی یا نہیں۔" وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے رکی تھیں۔

"جی بی بی اماں! آپ فکر نہ کریں ہم کر لیں گے۔ آپ بھی چائے پییں گی نا۔" سحرش نے انہیں تسلی دی۔

"نہیں میں نے ابھی قہوہ پیا ہے۔ شام تک طبیعت کچھ بہتر ہو جائے گی ان شاءاللہ۔" بی بی اماں بڑی باہمت تھیں سحرش نے ستائشی نظروں سے انہیں دیکھا۔ اسے تو ذرا سا زکام ہوتا تھا تو بستر پر پڑ جاتی تھی۔

"ابھی تو ہم یہاں ہی ہیں لیکن اگر چلے بھی گئے تو کوئی کام ہو تو بلا لیجئے گا۔"

"اچھا لیکن ساجدہ آ جائے گی رات کو ابھی کوئی کام پڑ گیا ہو گا۔" جب سے زل گئی تھی ساجدہ دونوں وقت آ رہی تھی۔ زل اسے تاکید کر کے گئی تھی۔ اگر کوئی کام ہوتا تو بی بی اماں اسے دوپہر کو بھی آنے کا کہہ دیتی تھیں۔

دونوں کچن میں آئیں۔ صاف ستھرا کچن۔ اور چائے کی خوشبو۔

"ایک اکیلی بی بی اماں اس عمر میں بھی کیسے ہر وقت کچن کو صاف ستھرا رکھتی ہیں۔ ایک ہماری وہ مہارانی ہے ہر وقت کچن کا کاؤنٹر بھرا ہوتا ہے سامان سے۔ جیسے ابھی ابھی تاتاری حملہ کر کے گئے ہوں۔" سحرش نے حلوے کا باؤل مائیکروویو میں رکھا۔

"جی چاہتا ہے کبھی کبھی کہ بی بی اماں کو اغوا کر کے اوپر لے جاؤں اور بھی جو سرمہ ستارہ بیگم سے کہہ دیں کہ تم ہی کچن کاؤنٹر پر بکھرے برتن ٹھکانے لگا دو کہ یہ بی بی کھانے پکانے میں مصروف ہیں تو پٹ سے جواب آتا ہے۔ نہ جی کچن کا پھیلاؤ سمیٹنا میری ذمہ داری نہیں۔" سحرش نے حلوہ اوون سے نکال کر ٹرے میں رکھا باؤل چمچے اور پلیٹیں پہلے ہی مہرین رکھ چکی تھی نمکو اور بسکٹ کے جار بھی اٹھا کر سحرش نے ٹرے میں رکھے۔

"میرا خیال ہے چائے وہاں ہی جا کر بنا لیں گے۔ ٹھنڈی ہو جائے گی یہاں سے بنا کر لے جائیں گے تو۔" سحرش نے دوسری ٹرے میں مہرین کو گن کر پیالیاں رکھتے دیکھ کر کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔ اور دودھ دان میں دودھ ڈالنے لگی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"شیخو بابا ہوں گے۔ ان سے کہتی ہوں ایک ٹرے وہ لے جائیں نہیں تو دو چکر لگانے پڑیں گے۔" سحرش کو پتا تھا کہ اندر صحن میں آنے سے پہلے شیخو بابا کی عادت تھی دو بار دستک دیتے تھے تا کہ اگر کوئی خاتون بے دھیان اور لاپرواہی سے دوپٹا اتارے بیٹھی ہو تو اسے پتا چلا جائے کہ کوئی آ رہا ہے۔ سحرش نے کچن کے دروازے سے نکل کر دیکھا شیخو بابا ہی تھے جو سر

جھکائے شاہ زیب بیگ کے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں دوائیوں کا شاپر تھا۔

"شینخو بابا! پلیز ذرا ادھر آیئے۔ یہ ٹرے پلیز ذرا ڈرائنگ روم میں لے جائیں۔" شینخو بابا کے قریب آنے پر سحرش نے ٹرے انہیں پکڑا دیا۔

"اور آپ چائے پئیں گے آپ کے لیے بنا دوں۔"

"نہیں میں اس وقت چائے نہیں پیتا شام کو ہی پیوں گا۔" شینخو بابا نے ٹرے لی تھی۔

"اچھا مجھے بتا دیجئے گا میں بنا دوں گی۔ بی بی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آج۔"

"کیا ہوا مجھے بتایا ہی نہیں میں دوا لینے جا رہا تھا ان کی بھی لے آتا۔" شینخو بابا نے پریشان سے ہو گئے تھے۔

"فلو ہو گیا ہے۔ دوائی لے لی تھی انہوں نے۔" شینخو بابا کو بتا کر وہ واپس کچن میں آ گئی۔

"مہرو! تم یہ کپ وغیرہ لے چلو میں قہوے کا تھرموس اور شوگر پاٹ اٹھا لیتی ہوں۔" سحرش نے تھرموس اٹھایا اور وہ دونوں بھی شینخو بابا کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھیں۔ دونوں کے مشترکہ سلام کے جواب میں مشترکہ جواب آیا تھا۔ شینخو بابا نے نہ صرف ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھا بلکہ سب کو باؤل اور چمچے پکڑا کر حلوہ سرو بھی کر دیا۔

"یار! تم بھی بیٹھ جاؤ نا اور لے لو کچھ۔" وجدان کو شینخو بابا سے انس سا ہو گیا تھا انہیں یہ خاموش طبع اور کم گو سا لڑکا بہت اچھا لگتا تھا۔

"شکریہ بھائی، میرا تو اس وقت کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔ اور میں ذرا شاہ بابا کی طرف جا رہا ہوں یہ ان کی دوائیاں لے کر آیا تھا۔" اب سب ہی جانتے تھے کہ شینخو بابا شاہ زیب بیگ کو شاہ بابا کہہ کر بلاتے تھے۔

"ارے واہ بی بی اماں زندہ باد۔" اس نے حلوے کا ایک چمچہ منہ میں ڈالا۔

"اس سردی میں چائے کی طلب ہو رہی تھی گو چائے کا وقت نہیں ہے لیکن کیا بات ہے بی بی اماں کی۔" آج سب صوفوں پر بیٹھے تھے۔ سحرش اور مہرین بھی ایک خالی صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"ہاں تو وجدان تم کیا کہہ رہے تھے۔" طیب نے حلوے کا ایک چمچہ منہ میں ڈالا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ سیاست بذات خود بری چیز نہیں ہے اگر مثبت ہو تو۔ لیکن ہماری سیاست مثبت نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جلسوں میں نعرے لگانا اپنے لیڈر سے اندھی عقیدت رکھنا ہی سیاست ہے۔ بھلے آپ کا لیڈر ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہو۔" وجدان نے طیب کی طرف دیکھا۔

"دراصل میرے بھائی ایک سیاسی پارٹی کے ساتھ منسلک ہیں، وہ مجھے اکثر کہتے رہتے ہیں کہ تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو کر ہمارے ساتھ کام کرو۔ اپنی توانائیاں ضائع کرنے کے بجائے ہمارے ساتھ مل کر زیادہ بہتر طریقے سے ملک وقوم کی خدمت کر سکو گے آپ کا کیا خیال ہے۔" آج طیب نے پہلی بار اپنے بھائی کے کسی پارٹی سے منسلک ہونے کے متعلق بتایا تھا اور اپنی شمولیت کے لیے رائے مانگی تھی۔

"اگر تم کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہونا چاہتے ہو اور سمجھتے ہو کہ تم ان کے ساتھ مل کر بہتر اور زیادہ اچھا کام کر سکتے ہو جو تم اکیلے نہیں کر سکتے۔ اگر تم پورا یقین رکھتے ہو کہ تم جن لوگوں کے ساتھ منسلک ہو رہے ہو وہ واقعی مخلص ہیں اور ملک وقوم کے لیے کچھ کر رہے ہیں تو اس میں حرج نہیں کہ تم ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں میری نظر میں کوئی بھی مخلص نہیں۔ سب اپنے مفاد کے لیے کر رہے ہیں جو کچھ بھی کر رہے ہیں۔ میری خیال میں تم جو کر رہے ہو بہت اعلیٰ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم سب لوگ اپنی اپنی جگہ ایمان داری اور محنت کے ساتھ اپنا کام کریں چاہے وہ مزدوری ہی کیوں نہ ہو تو ہم ملک و قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ میں اپنے ورکرز کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا۔ ٹیکس چوری نہیں کرتا ملکی

pklibrary.com

املاک کو نقصان نہیں پہنچا تا تو میں انفرادی طور پر اپنے ملک کے لیے کام کر رہا ہوں۔ اگر ہم سب انفرادی طور پر ٹھیک ہو جائیں تو سب ٹھیک ہو جائے۔"

وجدان کا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ اگر سب اپنے اپنے طور پر خود کو ٹھیک کر لیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پہلے بھی شاید اس نے یہ بات کی تھی۔

"لیکن سب تمہاری طرح نہیں سوچتے وجدان۔" مرسل نے اٹھ کر اپنا باؤل ٹیبل پر رکھا اور پلیٹ میں تھوڑا سا نمکو لیا۔

"ہر شخص اپنی فکر میں گھل رہا ہے۔"

"ہاں شاید تم بھی صحیح کہتے ہو۔ لیکن کچھ لوگ تو ہیں نا جو وطن کی فکر میں گھلتے ہیں۔ اور شاید ان ہی لوگوں کی وجہ سے پاکستان قائم ہے۔ چھپن سال ہو گئے ہیں اس ملک کو قائم ہوئے تو قائم ہے نا ابھی تک اور ان شا اللہ آئندہ بھی قائم رہے گا۔ ایک روز میرے ملک کے آسمان پر ایسا سورج ضرور طلوع ہو گا جو کسی انہونی کی خبر دے گا۔" وجدان بھی مایوس نہیں ہوتا تھا ہمیشہ پر امید رہتا تھا۔ سب حقائق جاننے کے باوجود ایک امید کا دیا تھا جو اس کے اندر جلتا رہتا تھا۔

"پاکستان کی چھپن سالہ تاریخ میں آج تک تو کوئی انہونی نہیں ہوئی جو اب تک ہوتا رہا ہے وہ ہی ہوتا رہے گا۔" آزین نے یکدم سر اٹھا کر وجدان کی طرف دیکھا تھا۔

"جس سیاست دان کا دل چاہا کسی کو پٹوانے کو اسے پٹوا دیا۔ جسے اٹھانا چاہا اسے اٹھا لیا جس کو جی چاہا اسے ذلیل کر دیا کسی نے خوشامد نہیں کی اسے برباد کر دیا۔ سنہرے خواب دکھا کر یا جبر و زبردستی سے ووٹ لیا۔ ہم تم یوں ہی اپنی آنکھوں میں جھوٹے خواب سجائے بیٹھے ہیں۔ یہ ملک جیسے چل رہا ہے اس طرح چلتا رہے گا۔ بااختیار طبقہ عوام کی امیدوں سے یوں ہی کھیلتا رہے گا۔ اپنے نام نہاد لیڈروں کے اقتدار کے لیے ان کی توانائیاں یوں ہی خرچ ہوتی رہیں گی۔ اور وہ ان کی امیدوں، ان کی آرزوؤں کو اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے اپنی کامیابیوں کا جشن منا تے رہیں گے۔ چند لوگوں کے اچھا ہو جانے سے کچھ نہیں ہو گا۔"

آزین کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"اتنے پیسی مسٹ کیوں ہو رہے ہو یار۔" مرسل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ایک بے مثل، پرسکون اور خوش حال ملک کا خواب دیکھنا جرم ہے کیا اس ملک کو بنانے والوں نے بھی تو پہلے خواب ہی دیکھا تھا، نا ایک الگ آزاد وطن کا۔ اور آج ہم ایک آزاد ملک میں سانس لے رہے ہیں۔ تعبیر پانے کے لیے خواب دیکھنا بھی ضروری ہے نا یار۔"

"وہ اور لوگ تھے مرسل! بے غرض، بے ریا۔ اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے جو تنہا ایک شخص کا خواب نہیں تھا انہوں نے اپنا سب کچھ لٹایا، گھر بار زمینیں، جائیدادیں۔ اپنے پیارے۔ یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔ یہ تو لالچی، حریص اور بھوکے لوگ ہیں۔ اسد نے صحیح کہا ہے کہ یہ سب گدھ ہیں۔ اور ملک کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ ان کے اقتدار کی ہوس نے ہی تو ملک کو دولخت کیا۔" وہ بہت کم بولتا تھا زیادہ تر سب کو خاموشی سے سنتا رہتا تھا لیکن آج وہ بول رہا تھا اور وجدان کو لگا تھا کہ اس کے سینے میں دھڑکتا دل بھی وطن کی محبت سے لبریز ہے۔

"چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" سحرش نے مرسل اور اسد کی طرف دیکھا۔ مہرین سنٹر ٹیبل کے پاس فلور کشن پر بیٹھی چائے بنا رہی تھی۔

"اوہ...... ہاں۔" مرسل فوراً اٹھا تھا اور کپ اٹھا اٹھا کر سب کو دینے لگا۔

"میں نے سب میں ایک ٹی سپون چینی ڈالی ہے اور اگر کسی کو زیادہ چاہیے تو پلیز۔" مہرین نے شوگر پاٹ کی طرف اشارا کیا۔

"میں...... ون پلس ٹو۔ ٹی سپون لیتا ہوں۔" اسد نے فوراً کہا تو مہرین کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی وجدان کی نظر ذرا کی ذرا مہرین پر پڑی اور اس

نے فوراً ہی نظریں جھکالیں۔ کتنی اچھی سادہ اور معصوم سی لڑکی ہے مہرین اور مرتضیٰ نے اسے ٹھکرادیا تو یقیناً جس کے لیے اسے ٹھکرایا وہ اس سے بہتر ہوگی۔ تو کیا وہ جو اس کے ذہن میں آیا تھا کہ مرتضیٰ اور سمیرا کا گٹھ جوڑ یقیناً کسی مشترکہ مفاد کی وجہ سے تھا تو کیا وہ خیال صحیح تھا۔

"وجدان! چائے۔" مرسل نے اسے چائے کا کپ پکڑایا تو وہ چونکا۔

"حلوہ بہت زبردست تھا سحرش! یقیناً بی بی اماں نے ہی بنایا ہوگا۔" مرسل نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کہا تو سحرش نے سر ہلایا۔

"یقیناً ایسے مشکل کام وہ ہی کرسکتی ہیں یا پھر زمل!" مہرین نے اپنی ناک پر پھسل آنے والی عینک کو درست کیا اور اپنا چائے کا کپ لے کر واپس صوفے پر بیٹھ گئی۔ تب ہی جہاں زیب بیگ نے ڈرائنگ روم کے دروازے پر رک کر اندر جھانکا۔

"السلام علیکم سر!" وجدان کی نظر سب سے پہلے ان پر پڑی تھی وہ کپ ہاتھ میں اٹھائے اٹھائے کھڑا ہوگیا تھا۔

"ارے بیٹھو بچو۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے باقی سب کو بھی اٹھنے سے منع کیا۔

"سر! آجائیں بہت دن ہوگئے آپ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔" اسد بھی کھڑا ہوچکا تھا۔

"آپ نے جس موضوع پر بھی بات کی ہمارے علم میں اضافہ ہوا۔"

"پھر کبھی سہی اس وقت تو میں ذرا ہاشمی صاحب کی طرف جارہا ہوں زین کو بتانے آیا تھا۔" ہاشمی صاحب ان کے کولیگ تھے اور قریب ہی مندر والی گلی میں رہتے تھے۔ زکی دروازے میں آج بھی کئی مندر تھے۔

"میں چھوڑ آتا ہوں دادا جان یا پھر شینخو بابا سے کہیں۔" آزین بھی یکدم کھڑا ہوا تھا۔

"ارے نہیں یہ ساتھ ہی تو جانا ہے۔ بس بیٹھے بیٹھے دل گھبرا رہا تھا سوچا کچھ دیر ذرا ہاشمی صاحب سے گپ شپ لگا آؤں۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی۔ بی پی چیک کیا۔" آزین پریشان ہوگیا۔

"ہاں یار، طبیعت تو ٹھیک ہے بس رات عجیب سا خواب دیکھا زمل کے متعلق ......دراصل۔" وہ ہولے سے ہنسے۔

"پہلی بار اتنے دنوں کے لیے جدا ہوئی ہے نا۔ شکر ہے مرتضیٰ آج ہی چلا گیا اسے لینے۔" وہ جانے کے لیے مڑے پھر کسی خیال سے رک کر وجدان کی طرف دیکھا۔

"وجدان بیٹا، اپنا خیال رکھا کرو۔ ہمیں تم جیسے جوانوں کی ضرورت ہے۔ تم ہمارا اثاثہ ہو۔ ہم تمہیں کھونا نہیں چاہتے۔ تمہاری بہت ضرورت ہے اس ملک کو۔ تمہارے قلم میں بہت کاٹ ہے بیٹا، لیکن سنبھل کر۔"

"آپ سر، آپ کو علم ہے کہ......"

"ہاں مجھے بہت پہلے سے علم ہے۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا تھپتھپایا اور باہر چلے گئے۔ وہ ابھی تک حیران کھڑا تھا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا وجدان! تمہارا راز اب راز نہیں رہا اور کچھ لوگوں کی آنکھوں میں تم بہت کھٹک رہے ہو۔ بہتر تو یہ ہی ہے کہ کچھ روز ایسا کچھ مت لکھو کہ لوگ آئینے میں اپنے مکروہ چہرے دیکھ کر بھڑک اٹھیں۔"

طیب نے مشورہ دیا تو اس نے سر ہلادیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ سحرش نے خالی کپ ٹرے میں رکھے۔ اور مہرین کو بھی اشارا کیا وہ باؤل وغیرہ دوسرے ٹرے میں رکھ کر لے آئے۔ وہ دونوں باہر نکلیں۔ دھوپ اب ٹیرس اور صحن کی دیواروں پر مرجھائی ہوئی سی موجود تھی۔

"اور گرمیوں میں یہ ہی دھوپ سارا دن صحن میں اٹکھیلیاں کرتی پھرتی ہے اور ابھی عصر بھی نہیں ہوئی تو غائب۔" سحرش نے صحن کی طرف دیکھا تھا۔

"میرا خیال ہے کپ وغیرہ دھو کر اوپر چلتے

pklibrary.com

ہیں۔ ایسے ہی بوریت ہو رہی ہے۔" مہرین نے کہا تو سحرش نے سر ہلا دیا۔
سحرش نے کپ وغیرہ دھوئے اور مہرین نے خشک کر کے رکھ دیئے۔
"ویسے تو ساجدہ رات کو آ ہی جاتی بی بی اماں کہہ رہی تھیں۔ لیکن خیر اب تو دھل ہی گئے ہیں تو کوئی بات نہیں۔"
سحرش کو کپ دھونے کے بعد خیال آیا تھا کہ خوامخواہ ہی دھوئے ساجدہ آتی تو ہے رات کو۔
"کیا خبر نہ ہی آتی اور یوں ہی پڑے رہتے۔ بی بی اماں کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔" مہرین نے کہا۔
"چلو جا کر تھرموس بھی لے آؤ اسے بھی دھو کر رکھ دیں۔"
"نہیں اس میں قہوہ تھا ابھی کچھ دیر بعد عصر ہو جائے گی تو شیخو بابا کو چائے دینی ہو گی۔ تھرموس میں لے آتی ہوں۔ لیکن ابھی دھونا نہیں ہے۔" سحرش باہر نکل کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی مہرین وہاں ہی کچن کے باہر برآمدے میں کھڑی تھی تب ہی صحن کا دروازہ کھلا اور سمیرا نے اندر قدم رکھا۔
"وہ...... وجدان ادھر ہے کیا۔ میں اس کے گھر گئی تھی پتا چلا ادھر آیا ہے۔"
"ہاں اندر ہیں۔" سحرش۔ تھرموس لے کر ڈرائینگ روم سے باہر آ رہی تھی، اس نے ڈرائنگ روم کی طرف اشارا کیا تو سمیرا نے رک کر ایک گہری سانس لی اور پھر تیزی سے ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔
"سمیرا کا موڈ کچھ خراب سا لگ رہا ہے۔" مہرین نے سحرش سے تھرموس لے کر کچن میں کاؤنٹر پر رکھا۔
"وجدان بھائی اکیلے آ گئے ہیں شاید اس لیے موڈ خراب ہو گا۔" سحرش اور مہرین اب سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھیں۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے سحرش نے مڑ کر دیکھا۔ وجدان اور سمیرا دونوں ڈرائنگ روم سے نکل کر صحن کے دروازے کی طرف جا رہے تھے۔
"ارے سمیرا، ابھی تو آئی ہو نا بیٹھو۔ میں ذرا اوپر کا چکر لگا کر آتی ہوں۔"
"نہیں بیٹھوں گی نہیں۔ وجدان جا رہا ہے تو پھر میں بیٹھ کر کیا کروں گی۔ زل آ جائے واپس تو پھر آؤں گی۔" اس نے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا۔ سحرش چند لمحے وہاں ہی کھڑی بند دروازے کو دیکھتی رہی۔
"تو سمیرا اور مرتضیٰ بھائی رابطے میں رہتے ہیں تب ہی تو اسے زل کے جانے آنے کا پتا ہے۔"
"سحری، اب آ بھی جاؤ۔ وہاں کھڑی کون سا مسئلہ فیثا غورث حل کر رہی ہو۔" مہرین چوتھے قدمچے پر کھڑی اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔
"مسئلہ فیثا غورث ہی سمجھ لو۔" وہ اب بھی صحن کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دروازہ آہستہ سے کھلا تھا اور شانزہ نے اندر قدم رکھا تھا۔
"شانے۔" سحرش کے لبوں سے نکلا اور وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ مہرین بھی تقریباً بھاگتی ہوئی اس تک پہنچی تھی۔
"شانے۔" اس نے شانزہ کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اور اس کا نیلو نیل چہرہ دیکھ کر اس کے آنسو رخساروں پر پھسل آئے تھے۔
"یہ۔"
"بس۔" شانزہ نے ذرا سا ہاتھ اونچا کیا۔
"زل کے کمرے میں چلو۔" اس نے قدم آگے بڑھائے اور لڑکھڑا گئی۔ سحرش نے جیسے ہوش میں آ کر اسے سہارا دیا۔ اور دونوں اسے سہارا دیتی ہوئی تیزی سے صحن پار کرنے لگیں۔

☆☆☆

موڑ توڑ تلے راڑاں
موڑ توڑ تلے راڑاں
راڑاں تو مہاراج جیندا
راڑاں تو ملک جیندا اں
موڑ توڑ تلے راڑاں

بھاگی اور سنہری کی بلند آواز اندر اختر بانو کے

کمرے تک آ رہی تھی۔ اختر بانو آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ناشتے کے بعد انہوں نے اپنی روزمرہ کی دوائی لی تھی اور پھر یوں ہی کچھ دیر کو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھیں۔ ثوبان شاہ حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ ثمینہ اپنی بہن کے گھر گئی ہوئی تھی اس کی مزاج پرسی کے لیے۔ ثمرہ اپنے کمرے میں تھی اور شاید شایان بھی کمرے میں ہوگا۔

وہ اٹھیں۔

"موڑ توڑ تلے راڑاں۔"

سنہری کی آواز میں ایک خاص لوچ تھا۔ تالیوں کی آواز میں بھاگی کی آواز ابھری تھی۔

اوراڑاں راڑاں مور بھلے دے تلے گجر جو

مور توڑ تلے راڑاں

سنہری نے آواز کے ساتھ آواز ملائی تھی اختر بانو کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، حویلی میں نعمان کی شادی کی رونقیں لگی تھیں اور دولہا میاں ابھی کراچی بیٹھے تھے۔

پاؤں میں چپل پہنتے ہوئے اختر بانو باہر نکلیں تو لاؤنج میں سنہری اور بھاگی کے ساتھ دو تین اور بارہ تیرہ سالہ لڑکیاں بھی زور شور سے تالیاں بجاتی ہوئی گا رہی تھیں۔ یہ بچیاں بھی ملازمین کی ہی تھیں۔ لیکن حویلی میں کام نہیں کرتی تھیں شاید سنہری انہیں بلا کر لائی تھی۔

رانڑاں تو مہاراج جیندا

نتھ گھڑا ہم سنوارے اللہ ہی

"یہ کیا بے وقت کی راگنی شروع کر رکھی ہے تم لوگوں نے۔" اختر بانو نے ان کے قریب آ کر کہا تو لفظ بھاگی کے اندر ہی رہ گئے۔

"وہ جی بڑی بی بی جی۔" سنہری نے اپنی بند آنکھیں کھولیں کہ وہ آنکھیں بند کیے بڑے جوش سے گا رہی تھی۔

"وہ جی، ہم پریکٹس کر رہے ہیں۔" وہ یکدم کھڑی ہو گئی تھی۔

"ثمینہ بی بی نے کہا ہے رات وہ اپنی بھانجیوں کو بھی لے کر آئیں گی تو خوب رونق لگائیں گے، تو ہم نے سوچا ہم بھی تھوڑی سی پریکٹس کر لیں خوامخواہ بے عزتی نہ ہو جائے۔"

"کرتی رہنا پریکٹس اس وقت تو اٹھاؤ یہ سب اور لاؤنج کی صفائی کر دو ٹھیک سے۔" اختر بانو نے ایک طرف پڑی ڈھولکی کی طرف اشارہ کیا۔

"اور بھاگی، تم دیکھو جا کر ماسی تاج کیا کر رہی ہے۔ سب ملازمین کے لیے اور ڈیرے پر بھجوانے کے لیے کھانا تو وہ بنا رہی ہوگی۔ دوپہر میں تو میں ثمرہ آپا اور زنل ہی ہوں گے۔ البتہ رات کو شاید شاہ جی بھی آ جائیں گے اور شایان بھی پلاؤ کی فرمائشیں کر کے گیا ہے۔ رات کے لیے پلاؤ اور قورمہ وغیرہ بنا لینا۔ اور دن کے لیے صرف آلو گوشت بنا لینا۔"

سنہری نے ڈھولک اٹھالی تھی اور ایک ہاتھ سے اس پر تھاپ لگا رہی تھی۔ بھاگی سنہری کو بھی اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتی ہوئی چلی گئی تو اختر بانو دوسری بچیوں کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"ہاں تو بچیوں رات کو آنا۔ یہ سنہری لے آئے گی تمہیں جا کر۔" لڑکیاں بھی مسکرانے لگی تھیں۔

"یہ ڈرائیور چاچا کی بیٹی ہے۔" سنہری کو خیال آیا تھا کہ اس نے ابھی تک تعارف نہیں کروایا تھا۔

"اور یہ دونوں۔" اس نے باقی دو لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"خان بابا کی بیٹیاں ہیں۔" ان کی سرخ و سفید رنگت بتا رہی تھی کہ وہ خان سمندر خان کی ہی کچھ عزیز ہوں گی۔ وہ گارڈ تھا اور وہ کچھ عرصہ پہلے ہی مردان کے قریب کسی گاؤں سے آیا تھا۔

"سنو سنہری۔" اختر بانو نے اسے جاتے جاتے روکا۔

"کل دلاور بھائی مٹھائی اور کیک لائے تھے۔ ماسی تاج سے کہنا ان بچیوں کو اس میں سے کچھ دیں۔"

بچیاں شرماتی ہوئی سنہری کے ساتھ چلی گئیں تو اختر بانو کو یکدم خیال آیا کہ اس نے میٹھے کا تو بتایا ہی نہیں۔ ثوبان شاہ کو میٹھا پسند تھا۔ لنچ میں نہ بھی ہو تو خیر

تھی لیکن ڈنر کے بعد ضرور میٹھا لیتے تھے چاہے ذرا سا ہی لیں۔ موسم کی مناسبت سے ماسی تاج سے کہتی ہوں وہ کوئی حلوہ بنا لیں بلکہ بیسن اور انڈوں کا حلوہ ہی بنا لے۔ ثوبان شاہ کو بیسن کا ہر طرح کا حلوہ پسند تھا چاہے سادا بیسن کا ہو یا سوجی اور بیسن کا۔ اختر بانو لاؤنج میں بیٹھنے کے بجائے باہر آئیں برآمدے میں کھڑے کھڑے صحن میں نظر دوڑائی۔ دھوپ ٹکڑیوں کی صورت صحن کے فرش پر بکھری ہوئی تھی۔

گو قدرے پھیکی پھیکی سی تھی۔ پھر بھی اندر کی نسبت باہر ہلکی حدت سی تھی۔ اختر بانو کچھ دیر صحن کی طرف دیکھتی رہیں۔ ماسی تاج کو سمجھا دوں پھر ذرا سی دیر دھوپ میں بیٹھ جاتی ہوں آج کل اختر بانو کو پتا نہیں کیوں زیادہ سردی محسوس ہوتی تھی ورنہ پہلے تو شدید سردی میں بھی گرم کپڑے کم ہی پہنتی تھی۔ شال کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹتے ہوئے وہ کچن کی طرف جانے ہی لگی تھی کہ صحن کا دروازہ کھلا اور منیرہ ہاتھ میں ایک شاپر اٹھائے اندر داخل ہوئی تو اختر بانو رک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

”السلام علیکم بی بی جی۔“ منیرہ نے قریب آ کر سلام کیا لیکن وہ اس کے پیچھے دیکھ رہی تھی۔

”زل کیا پیچھے کہیں رک گئی ہے۔“

”جی۔“ منیرہ اختر بانو کی بات نہ سمجھ سکی تھی۔

”مجھے تو پتا نہیں۔ میں تو زل بی بی کو یہ چادر دینے آئی تھی۔ چھ سات ماہ پہلے بنانی شروع کی تھی۔ شیشوں اور سندھی کڑھائی کا کام کیا ہے۔ خالہ نے بتایا تھا کہ زل بی بی آئی ہوئی ہیں۔“

”کیا مطلب منیرہ! زل تو تمہاری طرف گئی تھی تم سے ملنے۔ تمہارے لیے کچھ گفٹ لائی تھی۔ کہہ رہی تھی منیرہ تو جانے کب آئے گی میں خود ہی جا کر مل بھی آؤں اور دے بھی آؤں۔“

”لیکن زل بی بی تو نہیں آئیں ہماری طرف اور میں تو سیدھی گھر سے آ رہی ہوں اور وہ تو مجھے راستے میں بھی کہیں نہیں ملیں۔ کب گئی تھیں وہ۔“ منیرہ پریشان ہوگئی تھی۔

”کافی دیر ہوگئی ہے کہیں راستہ نہ بھول گئی ہو۔“

”سیدھا راستہ ہے جی، کوئی موڑ شوڑ نہیں۔“ اختر بانو کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

”کیا کوئی اور راستہ بھی ہے تمہارے گھر جانے کا۔“

”ہاں جی وہ ہے تو ڈیرے والا راستہ۔ ادھر سے گھر جلدی آ جاتا ہے یہ راستہ تھوڑا لمبا ہے۔“

ابھی اختر بانو نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ صحن کے دروازے پر کسی نے زور سے دستک دی بلکہ دستک کیا۔ کوئی بہت زور سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔

”یا اللہ خیر۔“ اختر بانو نے دل پر ہاتھ رکھا۔

اندرونی صحن میں کوئی غیر یا مرد ملازمین بھی نہیں آتے تھے۔ گھر کے افراد یا پھر خواتین ملازمائیں ہی آتی تھیں، جنہیں یوں دستک دینے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ مردانہ تو تھا ہی الگ۔ اختر بانو نے منیرہ کی طرف دیکھا تو منیرہ تیز تیز چلتی ہوئی صحن کے دروازے کی طرف گئی۔ دروازہ اب بھی اس طرح دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ منیرہ نے دروازہ کھولا۔ دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے چراغ سائیں کھڑا تھا۔ منیرہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”جی چاچا، کیا بات ہے خیر ہے نا۔“

”بی بی ...... بڑی بی بی کو بلاؤ جلدی کرو بات کرنی ہے۔“ چراغ سائیں کو منیرہ نے پہلی بار بات کرتے سنا تھا۔ جب سے وہ بیاہ کر آئی تھی اس نے اسے صرف بابل کے گیت گاتے ہی سنا تھا۔ اس کی پرسوز آواز حویلی کے آس پاس احاطے میں سنائی دیتی رہتی تھی۔ بنا بولے وہ خاموشی سے اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ صبح و شام بالٹی لے کر باڑے سے دودھ لینے جاتا اور بغیر کچھ کہے دودھ آ کر دے جاتا تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

pklibrary.com

دُعا ایوب

حرکات

''بہو......ارے، بہو بیگم سنتی ہو؟'' عالیہ خاتون نے بے بسی سے پکارا۔

موبائل پہ اپنی بہن سے بات کرتے ہوئے ان کی بہو نے ناگواری سے ساس کی پکار کو سنا۔ چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد گفتگو دوبارہ شروع کیا۔ موبائل کو ایک کان سے دوسرے کان پہ منتقل کیا۔ لمبی سی جمائی لیتے ہوئے تخت پہ لیٹ گئی اور ساتھ ہی جتاتی ہوئی نظروں سے ساس کو دیکھا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ بیٹھی ہوئی عالیہ خاتون نے بہو کو تکتے ہوئے صبر کا گھونٹ بھرا۔

بھوک سے عالیہ خاتون کی شوگر لو ہونے لگی تھی اور ان کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ صبح ساڑھے سات بجے ناشتے میں کھائی ہوئی آدھی روٹی اور دو سلائس کب کے ہضم ہو چکے تھے۔ جب تک آہستہ آہستہ روٹی کو چباتیں تو روٹی ٹھنڈی ہو کر اکڑ جاتی۔ ٹھنڈی روٹی کو چبانا ان کے لیے جوئے شیر لانا تھا۔ بچی ہوئی آدھی روٹی خاموشی سے واپس رکھ دیتیں۔ دوسری گرم روٹی مانگنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا۔ اب دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ مگر گھر میں کھانا پکنے کے کوئی آثار نہ تھے۔

بہو کو مسلسل فون پہ لگے دیکھ کر وہ اپنی مدد آپ کے تحت اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ساتھ رکھی ہوئی لاٹھی کو اٹھایا۔ لاٹھی کے سہارے چلتی ہوئی باہر برآمدہ تک آئیں۔ لاٹھی کی ٹھک ٹھک پہ بہو بیگم (آمنہ) نے سر اٹھایا، ساس کو باہر آتے دیکھ کر بات کو سمیٹا اور اللہ حافظ کہتے ہوئے موبائل کی جان چھوڑی۔

''ارے آمنہ بیٹا! کچھ کھانے کو لا دو۔ میرے تو ہاتھ پاؤں کانپنے لگے ہیں۔''

آمنہ خاموشی سے ساس کے آگے سیب رکھتے ہوئے واپس باورچی خانے میں چلی گئی اور دوپہر کے کھانے کی تیاری میں لگ گئی۔

''ارے بیٹا! چھیل تو دیتیں سیب چبانا میرے لیے مشکل ہے۔ تمہیں معلوم بھی ہے میرے ہاتھ کام نہیں کرتے۔''

عالیہ خاتون نے بے بسی سے کہا اور بمشکل سیب کاٹ کر کانپتے ہاتھوں سے کھانے لگیں۔

☆☆☆

عالیہ خاتون اور قدیر صاحب کے تین بچے تھے۔ بڑا بیٹا منور اور دو بیٹیاں قدسیہ اور طاہرہ بال بچوں والے تھے۔ اب تو بچوں کے بچے بھی جوان تھے۔ تیسری نسل جوان، دوسری ادھیڑ عمر جبکہ عالیہ خاتون ٹمٹماتا ہوا چراغ تھیں۔ اپنے وقت کی کامیاب استانی تھیں۔ ریٹائرڈ ہوئے عرصہ ہو گیا اب پنشن کا آسرا تھا۔ بیٹے کا چلتا ہوا کاروبار تھا۔ اس کے تینوں بیٹے اچھے تعلیمی اداروں میں اعلا تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مگر ہر وقت دونوں میاں بیوی مہنگائی کا رونا روتے۔ ہر ماہ اسٹور سے وافر مقدار میں کھانے پینے کا سامان روزانہ تازہ پھل اور سبزی آتی مگر ساس کو بھوک سے مارنا، ان کی بہو کا معمول تھا۔

دونوں بیٹیاں خوش حال زندگی گزار رہی تھیں۔ مگر جب بھی آتیں تو سسرال کے دکھڑے، مہنگائی اور بچوں کی تعلیم پہ ہونے والے اخراجات کو ماں کے سامنے بڑھا چڑھا کے پیش کرتیں، اب ان کی بیٹیاں

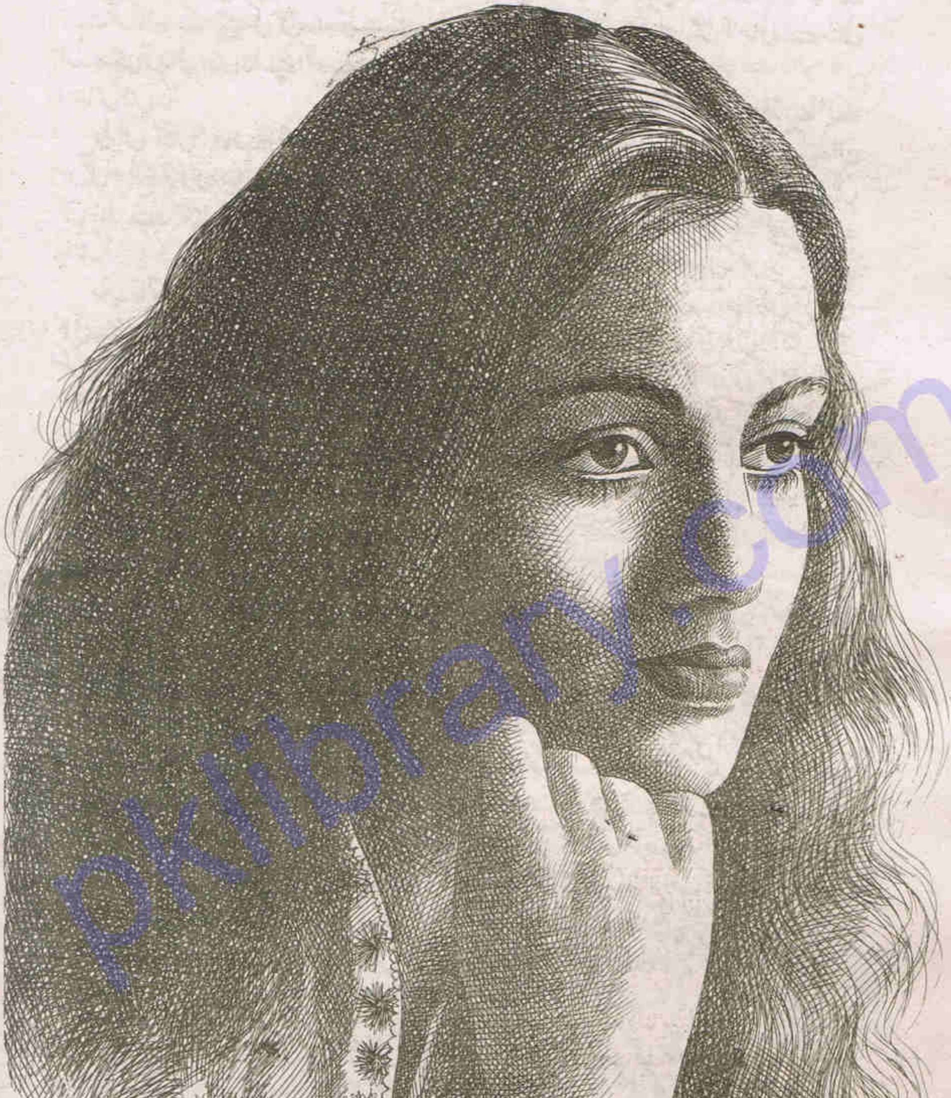

جوان تھیں۔ ان کے رشتوں کے لیے پریشان تھیں۔ اکلوتے بھائی اور بھاوج کی بے اعتنائی پر کڑھتیں کہ جس کے تین جوان بیٹے ہیں مگر بہنوں اور بھانجیوں کے لیے کوئی احساس نہیں۔

بیٹیاں اپنے رونے روتیں، حیلے بہانوں سے ماں سے ان کی پنشن کا چیک لے جاتیں۔ پتا چلنے پہ بیٹا اور بہو طعنوں کی وہ مار مارتے کہ خدا کی پناہ، بہو ہر آئے گئے کے سامنے کہتی۔

"ارے کھانا پینا، کپڑا جوتا، دوا بیٹے کے ذمے مگر ماں کے پیسے کی حق دار بیٹیاں ہیں۔ ارے میں تو پرائی ہوں۔ اپنے اکلوتے بیٹے کا بھی احساس نہیں۔"

بیٹیاں کہتیں" ہمارے شوہر کہتے ہیں تم تو سوتیلی ہو۔ سگا تو وہی بیٹا ہے جو ماں کے پیسوں کا حق دار ہے۔ تمہیں تو کسی گنتی میں شمار نہیں کیا جاتا۔"

عالیہ خاتون نے ایک دن تنگ آ کے پنشن کی کاپی بیٹے کے ہاتھ میں تھما دی۔ کچھ دن تو بہو نے سکون کے گزارے مگر پھر وہی روٹین اپنالی۔

☆☆☆

"ارے اسما! کیا بتاؤں؟ تمہاری تو ایک ہی بیٹی ہے۔ ہم سے پوچھو۔ کتنے اخراجات ہیں۔ ایک خرچ پورا کریں تو دوسرا خرچ منہ پھاڑ کے کہتا ہے میں ابھی باقی ہوں کچھ نظر کرم ادھر بھی کردیں۔ پتا نہیں کیا ہوگیا ہے پچھلے مہینے ہمارا چھت والا پنکھا خراب ہوگیا۔ پنکھا مرمت ہوا تو پانی کی موٹر خراب ہوگئی۔ آپ کو تو پتا ہے مکینک کتنے نخرے کرتے ہیں جب تک وہ کم بخت نخرے کرتا رہا تب تک پانی ختم ہوگیا ایک ٹینکر پانی ڈلوانا پڑ گیا۔ مہینہ کے آخر میں یہ اضافی خرچ ہوگیا موٹر کی مرمت پہ الگ خرچا ہوا۔"

آمنہ مسلسل بولتی رہی۔ آمنہ اپنی چھوٹی بہن اسما سے موبائل پہ بات کر رہی تھی۔ آمنہ کی عادت تھی جب تک روزانہ بہنوں یا دوستوں کو کال نہ کرلیتی تب تک اس کا دن نہ گزرتا۔ گھر میں دونوں ساس بہو اکیلی ہوتیں مگر ساس کے کمرے میں بیٹھنے اور باتیں کرنے کا وقت نہیں ملتا اڑوس پڑوس، دوست احباب میں بڑی خوش اخلاق اور مہمان نواز مانی جاتی مگر گھر میں رہنے والے ایک کمزور فرد کے لیے اس کے پاس دونوں چیزوں کی قلت تھی (ایک وقت اور دوسری غذا) عالیہ خاتون کے پاس دلچسپ اور بچکانہ مشغلہ بہو کو سننا تھا۔ جس کی آواز پورے گھر میں آسانی سے سنائی دیتی۔

"ارے کیا بتاؤں "مرے پہ سو درّے" کے مصداق تمہارے بھائی کا موبائل پتا نہیں کیسے ان کے ہاتھوں سے پھسل کے پانی میں گر پڑا۔ کل میرے موبائل کا نیا چارجر جل گیا۔ منور مجھ سے لڑنے لگے۔ تم چیزوں کا دھیان نہیں رکھتیں اس لیے بار بار خراب ہوجاتی ہیں۔ ارے میں کوئی ننھی کاکی ہوں جو ان سے کھیلتی رہتی ہوں۔ انہیں کھیلتے کھیلتے بگاڑ دیتی ہوں۔ اور تو اور وہ کم بخت مارا مکینک دانت نکوستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ منور صاحب آپ تو ہمارے مستقل گاہک بن گئے ہیں، ہم آپ کو اسپیشل ڈسکاؤنٹ دیں گے۔ دل تو کر رہا تھا اس کم بخت کے پیلے دانتوں کو اکھیڑ کے اس کے ہاتھوں میں تھما دوں۔"

بہو کی بات سن کے عالیہ خاتون مسکرا دیں۔

آمنہ نے چند سیکنڈ کا وقفہ لیا۔

"اچھا اچھا مجھ پہ ہنس لو۔ بہن کے آگے دکھڑے بیان نہ کروں تو کہاں جاؤں۔ پتا نہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسا تو نہیں ہوتا یہ خصوصی پریشانی اور ایمرجنسی خرچے ہمارے لیے ہی ہوتے ہیں۔ اب تو منور بھی سر درد اور ٹینشن کے مریض بن گئے ہیں۔ شہر کے معروف نیورو سرجن سے علاج کروا رہے ہیں۔ علاج پہ کثیر رقم خرچ ہوجاتی ہے اس کے ساتھ ہی ان کا چڑچڑاپن برداشت کروں۔

لوگ کہتے ہیں کتنی خوش قسمت ہو۔ ایک بوڑھی ساس ہے۔ اکیلی گھر پہ راج کرتی ہو۔ مگر انہیں کیا معلوم تمہارے بھائی صاحب سسر، نندوں اور جیٹھانیوں پہ بھاری ہیں۔ تینوں لڑکے جنہیں ماں کا کوئی پتا نہیں ہے گھر آئے، کھایا پیا، سوئے اور اٹھ کے باہر چلے گئے۔ بھلے ماں دو گھڑی بات

pklibrary.com

کرنے کو ترستی رہے۔ اللہ نے بیٹی کوئی دی ہی نہیں جو احساس کرتی اور دو گھڑی ساتھ بیٹھ جاتی۔ تم بہنوں کا سہارا ہے، چند لمحے بات کر کے دکھ سکھ کر لیتی ہوں۔ ہیلو...... ہیلو اوہ کال کٹ گئی۔"

بہو کی باتیں سنتے ہوئے عالیہ خاتون یاسیت سے مسکرا دیں۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں بیٹیاں ملنے نہیں آئیں۔ بیٹے کے آنے جانے کے وقت پہ بامشکل چلتے ہوئے باہر برآمدے میں بیٹھ جاتی ہوں تو اس کی شکل دیکھ لیتی ہوں ورنہ اسے تو ماں کے کمرے میں جھانکنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔"

بہو لوگوں کے آگے تنہائی کا رونا روتی ہے مگر بوڑھی ساس گھر میں پڑی ہے اس سے بات کرنے کا وقت نہیں ملتا۔"

عالیہ خاتون نے خود کلامی کرتے کرتے بہو کو دیکھا جو برآمدے میں رکھے تخت پہ لیٹ گئی تھی۔ عالیہ خاتون کے کمرے کی اکلوتی کھڑکی برآمدے میں کھلتی تھی اور اس سے کچن نظر آتا۔ ان کی بہو سارا وقت برآمدے میں گزارتی۔

جب جوڑوں کے درد کے باعث چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے تنہائی سے تنگ آ کے ضد کر کے اپنا پلنگ کھڑکی کے ساتھ رکھوالیا۔ جب انہیں گھر میں دوسرے فرد چلتے پھرتے نظر آتے تو انہیں کچھ سکون ملتا۔ ورنہ کمرے کی دیواروں کو دیکھ دیکھ کر ان کی آنکھیں تھک جاتیں۔ شروع شروع میں تو آمنہ نے انہیں کھڑکی کے ساتھ بیٹھے دیکھ کے انہیں جاسوس کا لقب دیا مگر بعد میں مطمئن ہو گئی۔

"ارے بیٹا! دو گھڑی میرے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے بہو کو پکارا۔

ساس کی آواز سن کے آمنہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ "ارے، اماں، کیا کروں؟ وقت نہیں ملتا۔ اکیلی کرنے والی ہوں کوئی ہاتھ بٹانے والا نہیں۔ وقت بھاگا جا رہا ہے۔ لگتا ہے برکت صرف کتابوں کہانیوں میں باقی ہے ورنہ ہمارے تو گھر اور وقت سے اسے گئے ہوئے برسوں بیت گئے۔"

آمنہ نے ہزاروں بار کا دہرایا ہوا محبوب فقرہ پھر دہرایا تو کمزور نحیف اور لاغر وجود جسے اولاد کی بے اعتنائی اور تنہائی نے پہلے ہی ادھ موا کر رکھا تھا۔ بہو سے برکت نہ ہونے کا سن کے یاسیت سے خود کلامی کرنے لگیں۔

"اکلوتا بیٹا جس کو اللہ نے جتنا زیادہ نوازا ہے وہ اتنا زیادہ کاروبار کو بڑھانے میں مگن ہے۔ دو اور دو کے چکروں میں پڑ کر اس کے پاس نہ بوڑھی ماں کے لیے چند لمحے ہیں نہ اپنی ذات کے لیے۔ بیٹیاں مہینوں بعد شکل دکھاتی ہیں تو وہی اولاد کی پریشانیاں، سسرال کے دکھڑے، اکلوتے بھائی اور بھاوج کی بے اعتنائی کا تذکرہ بوڑھی ماں کی کوئی دل جوئی اور پرواہ نہیں۔

"اکلوتی بہو جو ہزاروں نعمتوں کے ہونے کے باوجود ہر وقت کچھ نہیں، کچھ نہیں کی گردان کرتی رہتی ہے۔ نہ اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہ گھر میں موجود کمزور، لاغر وجود کے لیے وقت، بھرے ہوئے دستر خوان میں سے ساس کو ناپ تول کے دیتی ہے، برکت ہونے کے لیے دوسروں سے دعا کرواتی ہے گھر میں موجود "برکت" اس سے گفتگو کرنے کے لیے اس کی راہ تکتی رہتی ہے۔"

☆☆

آمیر

دوسرا دن کی دلہن

سعدیہ اسحاق کی برتھ ڈے کی تقریب تھی۔ رونق کا سماں بندھا تھا۔ قریبی فرینڈز مدعو تھیں۔

وسیع وعریض لان میں برقی قمقموں کی روشنیاں رات کی رانی کی پھیلی بھینی بھینی خوشبو، دلکش لباس، بات بے بات قہقہوں کی گونج، ایک کونے میں باربی کیو کا انتظام، لان کے درمیان میں سجایا برتھ ڈے کارنر، ماحول کو دلفریب بنا رہا تھا۔

''ابھی تک سدرہ نہیں آئی.....؟'' کسی نے استفسار کیا تھا۔

''ہائے ایوری ون۔'' اگلے لمحے سدرہ کی کھنکتی آواز نے توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔

شیفون کی کالی ساڑھی، سفید نگوں کا بیش قیمت سیٹ، نفاست سے کیے گئے میک اپ میں بلاشبہ وہ بہت بج رہی تھی۔

وہ شروع سے خوش پوشاک تھی بلکہ ہر معاملے میں اس کی چوائس بہترین تھی۔ ہیئر اسٹائل سے لے کر نیل پینٹ تک دل موہ لیتا تھا۔ ہر فیشن اس پہ سوٹ کرتا تھا۔ پہننے اوڑھنے سے بخوبی واقف تھی۔ اس کی پسند اور انتخاب کی داد دیے بغیر رہا نہ جا سکتا تھا۔ ستائشی نظروں سے سراہا گیا۔

''واؤ.....بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' سعدیہ نے قریب آکر گلے لگاتے ہوئے تعریف کی۔ حسین تو وہ خود بھی خوب دکھائی دے رہی تھی۔

''بہت شکریہ مائی فرینڈ۔'' وہ مسکرائی تو مزید اور نکھار آیا۔

''دھیان سے سدرہ! ہر گلے ملنے والا اپنا نہیں ہوتا۔'' برابر سے گزرتی مسز اویس نے جملہ کسا تھا یا خبردار کیا تھا۔

اسے عجیب اور برا لگا۔ مسز اویس کو زہریلا بولنے کی عادت تھی۔

''مطلب.....؟'' سدرہ کے ماتھے پر بل پڑے۔ عین اسی وقت ایک بچہ دوڑتا ہوا سعدیہ سے ٹکرایا اور اس کے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک کا گلاس سدرہ کی ساڑھی پر جا گرا۔

''اوہ.....آئی ایم سوری۔'' سعدیہ بری طرح بوکھلا گئی۔

''اٹس اوکے۔'' سدرہ نے بے اختیار ساڑھی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''میں واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔'' کہتی ہوئی آگے بڑھی تو سعدیہ بھی اس کے ساتھ ہولی۔

مگر ایک تیز و غصیلی نگاہ مسز اویس پر ڈالنا نہ بھولی تھی۔

تیز وطرار مسز اویس کہاں گھبرانے والی تھیں۔ طنزیہ مسکان اس کی جانب اچھال کر کندھے اچکاتے ہوئے چلتی بنیں۔

''بدتمیز عورت جانے کیا کہنا چاہتی تھی۔'' سدرہ نے غصے سے دانت پیسے۔ ''اور تم کیوں چپ رہیں۔'' اسے بھی ڈپٹا۔

''چھوڑو موڈ خراب نہ کرو۔ ان کی تو عادت ہے فضول بولنے کی۔ ساڑھی کی فکر کرو۔'' سعدیہ نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی سدرہ باتھ روم سے باہر آئی، تو باتوں میں سدرہ مشغول ہوگئی۔

pklibrary.com

سدرہ کے پاس باتوں کا خزانہ تھا اور باتیں بھی چٹ پٹی، چٹخارے دار۔ ساری سہیلیاں ہمہ تن گوش تھیں، کہیں کوئی جملہ مس نہ ہو جائے اور وہ محروم نہ رہ جائیں۔

سدرہ کا شمار ایسی خواتین میں ہوتا تھا جن کا دوسروں کی ٹوہ میں رہنا بہترین مشغلہ ہوتا ہے۔ وہ سامنے والے سے ایسے اگلواتی کہ بیچارے کو خبر بھی نہ ہو پاتی۔ پھر پیٹ ہلکا کر کے خبریں نشر کرتی اور خوب لطف اندوز ہوتی۔

وہ اپنی ہی جیسی لیڈیز کی پسندیدہ تھی۔ ڈھونڈ ڈھانڈ کے مزے مزے کی خبریں جمع کر کے لاتی اور چسکے لے لے کر سناتی اور سب مل کر اپنی آرا کا اظہار کرتے۔ دوسروں کی دھجیاں قہقہوں کے ساتھ بکھیری جاتیں۔

اس وقت بھی وہ اپنے پاس جمع شدہ ''معلومات'' فراہم کر رہی تھی، جسے انتہائی دلچسپی سے سنا جا رہا تھا۔

''ارے سدرہ! میں نے سنا ہے تابندہ کے ہسبینڈ کا اپنے دفتر میں چکر چل رہا ہے۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی رہنے لگی ہے ذرا سراغ تو لگاؤ تمہارے تو پڑوس میں رہتی ہے۔'' ایک سہیلی نے بالوں کی لٹ سے کھیلتے ہوئے تشویش سے اسے کام سونپا۔

''نو پرابلم کل شام میں چکر لگاتی ہوں پھر رپورٹ دوں گی۔'' سدرہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''ہمارے گروپ میں ٹوہ لینے والا کام سدرہ ہی کر سکتی ہے۔'' کسی نے کہا تو اس سمیت سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ جب باتوں سے فرصت ملی تو سعدیہ کو کیک کاٹنے کا ہوش آیا تھا۔

تالیوں کی گونج میں سالگرہ کا کیک کاٹا گیا اور سب سے پہلا کیک کا پیس سعدیہ نے سدرہ کو کھلایا۔

سدرہ نے اسے مہنگا ترین گفٹ دیا۔

سب سہیلیوں نے سعدیہ کو مشورہ دیا کہ پچیسویں سالگرہ منا رہی ہے، اب اسے شادی کر لینی چاہیے..... اتنے میں کھانا لگا۔

سدرہ پلیٹ لے کر جس ٹیبل پر آئی تو برابر والی کرسی پہ بیٹھی کلثوم پہ نگاہ پڑی۔

''اوہ..... ہائے۔'' وہ لہجے میں مٹھاس انڈیل کر مخاطب تھی۔ ''کیسی ہو.....؟''

''ٹھیک۔'' انتہائی سرد مہری سے مختصر جواب آیا۔

''اور تمہاری ساس صاحبہ کا رویہ اب کیسا ہے تمہارے ساتھ؟'' اس نے لذیذ بوٹی ۔۔ کو چٹنی میں ڈبو کر منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا وجہ جانتی تھی کہ کیوں پوچھا جا رہا ہے۔ دراصل کچھ عرصے قبل، اس نے سدرہ کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنا غم دل ہلکا کیا تھا کہ اس کی سخت ساس کیسے کیسے مظالم ڈھاتی ہیں۔ بس پھر کیا تھا سدرہ نے ٹوہ لینے کے بعد بات پھیلا دی۔ اڑتی اڑتی خبر ساس کے کانوں تک پہنچی اور ساس نے ایسی خبر لی کہ وہ بلک بلک کر روتی رہ گئی اور اسی پہ اکتفا نہ کیا تھا بلکہ بیٹے کو، ایک کی چار لگا کر پٹوایا بھی تھا۔ پھر اس نے اپنا دکھڑا کسی کے آگے رونے کی غلطی نہ دہرائی۔ سدرہ سے وہ متنفر ہو گئی تھی۔ جب اسے دیکھتی تو زخم ہرے ہو جاتے۔

سدرہ نے مزید پوچھ گچھ کرنی چاہی لیکن موقع فراہم کیے بغیر اس نے اپنی پلیٹ سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اونہہ.....'' سدرہ نے سر جھٹکا۔

☆☆☆

تقریب پُر لطف رہی۔ سب نے بہت انجوائے کیا تھا خاص کر سدرہ نے۔ آخر اس کی بیسٹ فرینڈ کی سالگرہ تھی۔

اس کی اور سعدیہ کی دوستی پرانی تھی۔ دونوں سہیلیوں کا مزاج ایک جیسا تھا۔ گھنٹوں گپ شپ کرتیں۔ شاپنگ کے لیے ساتھ جاتیں، سعدیہ اس کی ہم ذوق تھی۔ سدرہ جب تک اس سے بات نہ کر لیتی اسے قرار نہ آتا۔

رات گئے تھکی ماندی گھر پہنچی تو حسن جاگ رہا تھا۔ اس نے برتھ ڈے پارٹی کا احوال سنایا۔ ڈیکوریشن سے لے کر مینیو تک بتایا۔ خلاف توقع حسن نے توجہ اور دلچسپی سے سنا ورنہ اس کی سہیلیوں کے قصوں میں وہ دلچسپی نہ لیتا تھا۔ بے زاری چہرے سے ٹپک رہی ہوتی۔

اسے اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اس کی باتیں دھیان سے سن رہا ہے۔

وہ اور حسن خوش گوار زندگی گزار رہے تھے۔ شادی کو چوتھا سال لگا تھا۔ ابھی تک گھر میں قلقاریاں نہیں گونجی تھیں۔ خوش مزاج اور محبت کرنے والے ساتھی کی سنگت میں وہ بلبل کی مانند چہکتی رہتی۔ فخریہ

اپنی سہیلیوں سے کہتی کہ حسن اچھا اور خیال رکھنے والا شوہر ثابت ہوا ہے۔

☆☆☆

پلان سعدیہ کے ساتھ ڈنر کرنے کا تھا لیکن عین وقت پر اس نے معذرت کر لی کہ وہ ممی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہے۔ ان کی اپائنٹمنٹ ہے بھول گئی تھی۔ کل چلیں گے۔

اب سعدیہ کے انکار کے بعد وہ سخت بور ہو رہی تھی۔

حسن صبح ہی بتا کر دفتر گیا تھا لیٹ آئے گا۔ سو اس نے اپنی چھوٹی بہن عطیہ کو کال کی اور اسے تیار رہنے کا کہا۔

آدھے گھنٹے بعد عطیہ کو پک کیا اور اسی ہوٹل جا پہنچی جہاں اس کا اور سعدیہ کا پلان تھا۔

یہ سدرہ اور حسن کا فیورٹ ہوٹل تھا۔ زیادہ تر دونوں ادھر ہی کھانا کھانے آتے تھے۔

دلفریب وخوش گوار ماحول نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ دھواں اڑاتے کھانوں کی مہک نے بھوک بڑھا دی تھی۔ کھانے کا آڈر دے کر ہال میں نظریں دوڑائیں۔ گہما گہمی تھی ۔ لوگ مسرور اور باتوں میں مگن تھے۔ اس کی نگاہیں کونے میں بیٹھے ایک جوڑے پر پڑی۔ مرد وعورت کی پشت تھی۔ شدید انسیت کا احساس جاگا تھا۔ وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپی کہاں.....؟" موبائل میں مصروف عطیہ نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"آتی ہوں۔" کہتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھی۔ اپنے قدم من من بھر کے محسوس ہو رہے تھے چلنا محال ہو رہا تھا۔

کوئی خدشہ، کوئی اندیشہ سر اٹھا رہا تھا۔ خوف اس کے جسم میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ آخر ٹیبل تک پہنچ ہی گئی۔ دونوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔ چکرا کر لڑکھڑائی تھی۔ قریب رکھی کرسی کا سہارا لیا۔

سامنے اس کا محبوب شوہر اور عزیز سہیلی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے۔ ان کے بیٹھنے کا انداز ہاتھوں میں ہاتھ ساری داستان بیان کر رہا تھا۔

کب کیسے وہ اتنا آگے بڑھ گئے اور اسے بھنک بھی نہ ہوئی تھی۔ اسے اچانک سامنے پا کر دونوں کے چہرے فق پڑ گئے۔

"تم.....تم دونوں۔" اس کی زبان گنگ ہو رہی تھی۔

سعدیہ کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں نمودار ہوئیں۔ حسن چند لمحے ساکت رہا۔ پھر جیسے اس نے کوئی فیصلہ کیا تھا۔

"ہاں ہم دونوں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا تھا۔ لہجے کی سرد مہری سے دل میں ٹیس اٹھی تھی۔

حسن نے سعدیہ کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی اور کھڑا ہوا۔ اس قدم نے سعدیہ کو قوت بخشی تھی۔ وہ بھی تن کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں کے چہروں پہ شرمندگی نام کو بھی نہ تھی۔

دونوں سپاٹ چہرے لیے اسے کرچی کرچی ہوتا دیکھتے رہے پھر ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے چل دیے۔

وہ حسن کو نہ روک سکی ، نہ چلا سکی، نہ سنا سکی۔ شوہر کی بے وفائی۔

بیسٹ فرینڈ کا دھوکہ۔

کرسی پہ ڈھے گئی، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تب ہی کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ خوش فہمی ہوئی۔ شاید حسن لوٹ آیا ہے۔ سر اٹھا کر امید کے جگنو لیے چمکتی آنکھوں سے دیکھا تو سامنے کلثوم کھڑی تھی۔ گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ دوسروں کی ٹوہ میں رہتے رہتے اپنے ہی گھر میں کھیلے جانے والے کھیل اور راز سے کیسے بے خبر رہ گئیں۔

سدرہ کلثوم کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔

☆☆

pklibrary.com

عائشہ نصیر احمد

سلسلے دل کے

وہ جمعے کی نماز کے لیے تیار ہو کر اس طرف آیا تو ہمیشہ کی طرح ابا کو ٹی وی کے آگے براجمان پایا۔

ٹی وی پر کرائم پر مبنی کوئی جاسوسی ڈرامہ چل رہا تھا۔ یہ ڈرامہ ابا جی بنا تھکے صبح سے شام لگاتار دیکھ سکتے تھے اور دیکھتے تھے۔

ان کی اس قدر سنجیدہ دلچسپی دیکھتے ایک دو بار ہاشم نے بھی یہ سیریل دیکھنے کی کوشش کی تھی اور تب اس پر منکشف ہوا کہ ان کی پولیس تو اسکاٹ لینڈ یارڈ کو بھی پیچھے چھوڑ چکی ہے۔

”ابا جی! آج جمعہ ہے وقت کا خیال کریں مولوی صاحب خطبہ دے رہے ہوں گے۔ آپ یہاں کافروں کا چینل لگائے بیٹھے ہیں اٹھیں نماز کی تیاری کریں۔“ جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں کہتے اس نے ریموٹ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

”او چل میرا ابا نہ بن۔ پچھلے جمعے گیا تھا پندرہ سو کی چپل کوئی اپنے باپ کا مال سمجھ کے لے گیا۔ اس بار گیا تو یہ غسل خانے کی چپل بھی کسی نے نہیں چھوڑنی۔“

انہوں نے دروازے میں پڑی باتھ روم سلیپرز کی جانب اشارہ کیا جس سے وہ آج کل گزارا کر رہے تھے۔

”سارے چور، نکمے اور حرام خور ہمارے محلے میں آ کے بس گئے ہیں، تجھ سے تو اتنا نہیں ہوتا کسی ٹھیلے سے باپ کو سو دو سو کی چپل ہی دلا دے۔ ایک وہ نادر ہے کبھی پیو کو پیار سے بلایا نہیں۔ مگر پیوا سے عمرہ کروانے لے گیا کہ باپ ہے دعائیں دے گا۔“ ابا کی زبان بھلا اب رکنی تھی۔ مگر وہ بھی ان ہی کا بیٹا تھا۔

”ابا جی! جمعے کی نماز پڑھوا کہ آپ سے دعائیں سمیٹ لوں پھر عمرہ بھی کروا دوں گا۔ چلیں اٹھیں، میری چپل پہن لیں۔ میں دوسری پہن لیتا ہوں۔“

وہ کبھی مسجد جاتے ہوئے مہنگی چپل پہننے کی غلطی نہیں کرتا تھا، اس وقت بھی اس نے فوراً ان کے سامنے وہ سستے سے سلیپرز اتار دیے۔

”اور شام کو نئی لیتا بھی آؤں گا آپ کے لیے“ اس نے ایک اور آفر بھی کر ڈالی ابا نے چند لمحے ان سلیپرز کو دیکھا اور پھر اس کی طرف پھر جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر بولے۔ ”مجھے نے نہیں جانا۔ اگر یہ چپل بھی کوئی لے گیا تو؟ میں کیا واپس ننگے پیر آؤں گا۔“

انہوں نے ہاتھ ہلا کر کہتے ہوئے ہاشم کی آفر جیسے اس کے منہ پر ماری صاف ظاہر تھا وہ بس جان چھڑانا چاہ رہے تھے۔

ہاشم نے ایک گہری سانس لے کر بمشکل اپنی اندرونی جھنجلاہٹ پر قابو پایا۔

”اگر ایسا ہوا تب بھی آپ میری والی پہن لینا۔ میں ننگے پیر آ جاؤں گا۔ اب ٹھیک ہے؟“ ریموٹ کی تلاش میں ناکامی کے بعد اس نے آ کر ٹی وی کا تار ہی نکال دیا۔

ایسا نہیں تھا کہ خود وہ پنج وقتہ نمازی تھا۔ اس کی بھی اکثر نمازیں چھوٹتی تھیں، مگر جمعے کی نماز چھوڑنے کو تو وہ کفر تصور کرتا تھا اور اس لیے باقی دنوں میں ابا جی کی نماز نہ پڑھنے کی عادت سے چشم پوشی کرتے کرتے وہ اکثر جمعے کو ان کے سر ہو جاتا۔ اور زیادہ تر ابا کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑتے۔ جیسے اس وقت ہوا تھا بالآخر وہ اسے گھورتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

pklibrary.com

مکمل ناول

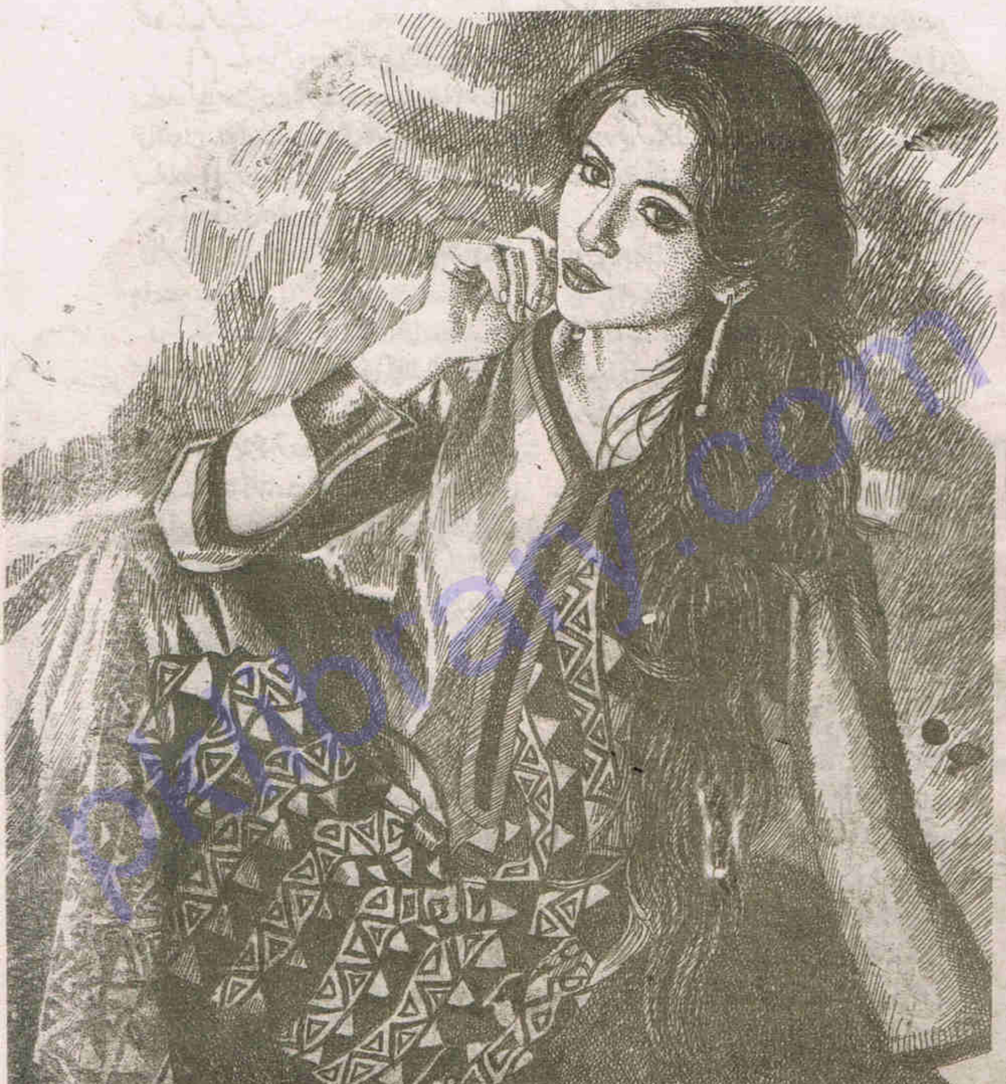

pklibrary.com

"پتا نہیں...... قاتل وہ ہو گی یا پھر اس کا وہ خبیث بہنوئی۔" وہ اپنے ڈرامے کی فکر میں غلطاں باہر کی جانب بڑھے۔ مگر پھر اچانک ہی کسی خیال کے تحت رک کر پلٹے۔

ہاشم نے سانس روک کر پریشانی سے انہیں دیکھا۔ کیا انہوں نے پھر سے ارادہ بدل دیا؟ اور تب ہی انہوں نے جیب سے ٹی وی کا ریموٹ نکال کر میز پر رکھا اور باہر نکل گئے۔

ہاشم کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی اور ہمیشہ کی طرح لبوں پر وہی دعا آ کے ٹھہر گئی۔ "یا اللہ ابا جی کو ہدایت دے۔"

کمرے سے نکل کر وہ جوں ہی دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔ آپا کی کراری آواز اس اس کی سماعت جھنجھنا گئی۔

"او ہاشم، خود تو روز یہ کاٹی کے نئے نئے سوٹ پہن کے اکڑتا پھرتا ہے۔ اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ کسی ایک آدھ جوڑے سے میرے منے کی بھی کوئی قمیص نکال دے۔ بھلا کتنا کپڑا لگے گا تیرا۔ دو تین گز؟"

"آپا! میری درزی کی دکان ہے۔ کپڑوں کی نہیں۔" وہ تلملا کر پلٹا۔

آپا اپنے جس کو منا کہہ رہی تھیں وہ تیرہ سال کا تند نکلتا۔ جوان ہوتا بچہ تھا اور ایک بار اپنے بیش قیمت سوٹ میں اس کے لیے گنجائش نکالتے ہوئے ہاشم کو اپنا پورا سوٹ اس پر قربان کرنا پڑا تھا۔

"ہاں تو درزی کی دکان ہے یہ تو اور بھی سہولت ہے۔ دن میں کتنے لوگ تجھے اپنے جوڑے سلوانے کو دیتے ہیں۔ ان کے بچے کھچے ٹوٹوں سے اگر تو فیصل کو کوئی جوڑا سی دے گا تو کیا وہ تجھ پر دفعہ لگا کے جیل بھیج دیں گے۔" آپا کو کیا غرض تھی اگر وہ سچ مچ بھی اس پر پرچہ کٹوا کر اسے جیل بھیج دیتے۔

"آپا! میں نے خدا کو منہ دکھانا ہے۔ ان کے وہ بچے کھچے ٹوٹے میں انہیں واپس کرتا ہوں۔ آپ کے منے کی بری نہیں بنا سکتا۔ جانے دیں مجھے نماز کے لیے دیر ہو رہی ہے۔" چڑ کر کہتے ہوئے اس نے مزید ان کی کوئی بات سننے کی زحمت نہیں کی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ پیچھے آپا کا واویلا شروع ہو چکا تھا۔

"دیکھا اماں، آپ نے۔ اس کے تیور دیکھے؟ ابھی بیوی آئی نہیں اور یہ حال ہے، نہ لحاظ نہ مروت، میرے منہ پر سنا کر چلا گیا۔" انہیں زیادہ غصہ اپنی پوری بات نہ سننے پر آیا تھا سو جلے دل کے پھپھولے اماں کو دیکھ کر پھوڑے جو ٹوکری میں بھنڈیاں لیے کچن سے نکل رہی تھیں۔

"چھوڑ ناں...... تو منے کی ایک قمیص کے لیے کیوں کلیجہ ساڑھ رہی ہے۔ اور خالی قمیص کا کرے گی کیا۔ منا اب اتنا بھی منا نہیں رہا کہ نیکر پہنا دو اور نہ ہی دھوتی پہننے کا زمانہ رہا ہے۔ لے تو یہ بھنڈیاں کاٹ دے۔ اتنی دیر ہو گئی میں نے ابھی تک ہانڈی بھی نہیں چڑھائی۔ ابھی وہ خردماغ اور تیرے ابا نماز پڑھ کے آئیں گے تو کھانا تیار نہ ہونے پر الگ ہنگامہ کریں گے۔"

پہلے قدرے تیز لہجے میں اور آخر میں پچکارتے ہوئے انہوں نے اس سامنے کے ٹوکری رکھی۔

"کیا مصیبت ہے اماں! میں تھکی ہاری یہاں اس لیے آتی ہوں کہ دو پل آرام کے ملیں گے اور یہاں بھی تم کام سے لگا دیتی ہو۔"

اماں کی توقع کے عین مطابق وہ یہ سنتے ہی بدکی، آج اس کی نند کا میکے آنا ہوا تو وہ بجائے اس کی مہمان نوازی کرنے کے ساس اور اپنی بھی تینوں بیٹیاں اس کے سپرد کر کے اپنی مہمان نوازی کروانے ماں کے گھر چلی آئی۔

"اور ہنگامہ...... وہ ابا نے ویسے بھی کرنا ہے یہ بھنڈیاں دیکھ کر اس دن میرے گھر میں مجھے جو سنائی تھیں میری ساس کے ساتھ مل کر۔ وہ میں بھولی نہیں ہوں۔" اسے اچانک ہی اس دن کا واقعہ یاد آیا اور ناراض لہجے میں شکایات بھی شامل ہو گئی۔

"ہاں تو چار بجے تک کھانے کے لیے بٹھائے رکھے گی اور پھر سوکھی بھنڈیاں سامنے رکھے گی تو میرا بھی دماغ گھومے گا۔ وہ تو پھر تیرا ابا ہے۔"

pklibrary.com

اماں کو علوم تھا اس واقعے کا پس منظر دوسرا وہ اچھی طرح واقف بھی تھیں بیٹی کی حرکتوں سے۔

''بچوں کا ساتھ ہے اماں، اور میں اکیلی جان، دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے اور اس دن ہانیہ کو بھی بخار تھا چڑ چڑی ہو رہی تھی۔ قسم کھاتی ہوں اماں، میں قورمہ بنانے والی تھی مگر مرغی کا گوشت ختم تھا اور بڑا گوشت آپ کو پتا ہے اتنی جلدی گلتا کہاں ہے۔''

''تو کوکر میں چڑھا دیتی، تیرے جہیز کا کوکر تو ابھی تک نیا نکور پڑا ہے۔''

اماں نے اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر مجبوراً خود ہی چھری اٹھالی تھی اور غصہ بھنڈیوں پر اتارنے لگیں۔

''تیری ساس بے چاری رو رہی تھیں تیرے ابا کے آگے کہ یہ میرے ساتھ بھی یہی کرتی ہے۔ شوگر کی مریضہ ہوں گھڑی گھڑی بھوک لگتی ہے اور یہ صبح ہوتے ہی جو ٹی وی کے آگے بیٹھتی ہے تو ناشتہ گیارہ بجے دیتی ہے، دوپہر کا کھانا چار بجے اور رات کا تو پوچھو ہی مت۔''

''اور ابا بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ انہیں بھلا کیا پتا کہ وہ سچ بول رہی ہیں کہ جھوٹ۔'' وہ تڑخی۔

اماں اسے قہر آلود نظروں سے، گھورتے ہوئے کچھ کہنے ہی لگی تھیں کہ دروازہ کھولنے کی آواز پر دونوں کو چونکنا پڑا۔

''السلام علیکم خالہ!'' بڑی سی چادر میں خود کو سلیقے سے ڈھانپے اندر داخل ہوتی ابرش کے ہاتھ میں کوئی ڈش تھی۔

''وعلیکم السلام...... خیر تو ہے آج یہاں کا راستہ کیسے بھول گئی۔ یا پھر خالہ سے چھپ کے آئی ہے۔'' اسے دیکھتے ہی آپا کو اپنی کھولن نکالنے کی اچھی راہ ملی۔

''کوفتے بنائے تھے تو سوچا خالہ کو دے آؤں۔ ان کو پسند ہیں۔'' ان کا تند لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہتے ڈونگا اماں کو پکڑایا۔ جنہیں اس وقت اس کی کوفتوں کے ساتھ آمد نعمت غیر مترقبہ لگی تھی۔

''بڑے وقت پر آئی ہے ابرش...... میں بس بھنڈیاں چڑھانے ہی والی تھی۔'' اماں نے جلدی سے تخت سے اٹھ کر ٹوکری سائیڈ پر کر کے اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔ ''بیٹھ جا۔''

''چلو اچھا ہے ہماری بھی سبزی سے جان چھوٹی'' آپا نے جیسے شکر کا کلمہ پڑھا۔ پھر ایکسرے کرتی نگاہیں اس کی طرف گھمائیں، جو سمٹی ہوئی سی تخت کے کنارے ٹکی تھی لان کے زرد اور سفید رنگ کے امتزاج والے سوٹ میں اس کی گوری رنگت دمک رہی تھی تروتازہ موتیا کے پھول جیسی۔

''اماں بتا رہی تھیں خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں میں پوچھنے کے لیے آنے والی تھی مگر پھر خیال آیا۔ جمعہ ہے خالو گھر پر ہوئے تو کہیں کلمے سننے کی فرمائش نہ کر دیں۔''

''اب ٹھیک ہے ان کی طبیعت'' بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ابرش کو خود پر غصہ آنے لگا۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ آپا آئی بیٹھی ہیں تو وہ خود آنے کی غلطی کبھی نہ کرتی بلکہ پڑوس کے کسی بچے کے ہاتھ، کوفتے بھجوا دیتی۔ مگر اس کا ہی ایک مسئلہ تھا اور وہ اسی کے ہاتھوں مجبور تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب ہاشم اور ابا نماز پڑھ کے لوٹے تو آپا نے، خاص طور پر نوٹ کیا ہاشم کی پہلی نظر ابرش پر پڑی تھی اور آپا کی ہاشم پر۔

ابرش نے تو ایک نظر دیکھ کر ہی پلکیں جھکا لیں مگر آپا کی تیز نظروں سے اس کی دودھیا رنگت میں گھلتی شفق مخفی نہ رہ سکی۔

''ہونہہ...... تو یہ کوفتے خالہ کے لیے نہیں۔ خالہ کے بیٹے کے لیے لائے گئے تھے۔''

☆☆☆

میوزک کی آواز کافی اونچی تھی۔ قینچی ہاتھ میں پکڑے کٹنگ میں مصروف ہاشم کے ذہن کے تانے بانے کہیں اور الجھے ہوئے تھے ورنہ وہ اس بات پر بلال کو ٹوکتا ضرور، اپنے ان خیالوں سے تب وہ چونکا

جب میوزک کی آواز بند ہوئی اور ایک پاٹ دار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''ہاشم او ہاشم۔''

یہ آواز بھلا وہ کیسے نہ پہچانتا۔ اس کے ہاتھ تھمے۔ ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر اس نے سامنے دیکھا تو وہ چہرے پر ناگواری و استہزا کا ملا جلا تاثر لیے خشمگیں نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

''جی ...... جی ...... خالو جی!'' وہ سٹپٹایا ان کی نظروں سے جیسے بچپن میں اکثر سبق یاد نہ ہونے پر وہ استاد جی کی نظروں اور چھڑی سے گھبرایا کرتا تھا۔

''صبح سے لے کر شام تک سوئی دھاگہ لے کر یہاں بیٹھے اپنی آنکھیں پھوڑ لیں تو نے۔ کیوں یہ گانا بجانا لگا کر اپنا حلال رزق حرام کر رہا ہے اور محلے والوں کا جو جینا حرام کیا ہے وہ الگ۔''

''یہ تو میں نے نہیں کیا خالو جی...... یہ تو......'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ اس کے معاونین نما شاگردوں کے شوق ہیں، مگر بلال کی مشین پر نظر پڑتے ہی اس کی بات اس کے منہ میں رہ گئی۔ بلال کب منظر سے غائب ہوا اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔

میوزک کی چیختی چنگھاڑتی آواز بھی شاید خالو نے ہی سوئچ نکال کر بند کی تھی۔ وہ اب اسے ملامت آمیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

''یہ گانے بلال نے لگا رکھے تھے۔'' ان کی مسلسل گھورتی نظروں کی تاب نہ لا کر نظریں چراتے ہوئے، اس نے بالآخر لب کھول ہی لیے مگر دھیمے، کمزور اور منمناتی آواز میں۔

''تو بالکل اپنے ابا پر گیا ہے اس نے ابھی تک اپنا قبلہ درست نہیں کیا۔ اللہ تجھ پر اپنا رحم فرمائے۔ تجھے پتا بھی ہے ہر وقت یہ گانا بجانا سننے سے آخری وقت میں کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔''

''اللہ نہ کرے خالو جی! ایسا تو نہ کہیں۔'' وہ تڑپ ہی گیا خالو جی آج شاید فرصت میں ادھر آ نکلے تھے۔ اب ان کا ارادہ نہ لگ رہا تھا ہاشم کی روح فنا کیے بغیر ٹلنے کا۔

''ہاں تو تجھے ان ڈھول تاشوں اور اس مشین سے فرصت ملے تو کوئی دینی کتاب پڑھے یا مسجد میں درس سننے بیٹھے۔ ادھر فرض پڑھے۔ ٹونگیں ماریں۔ ادھر دکان کو دوڑے۔ اور سن، تیرے ابا نے کیا اب جمعے کی نماز بھی چھوڑ دی؟'' کمر پر ہاتھ رکھے انہیں اچانک ہی کچھ یاد آیا تو چبھتے لہجے میں کچھ اور سوئیاں اتریں۔

''نہیں خالو جی، اس جمعے تو میں انہیں خود لے کے آیا تھا۔'' ان کی نفی کرتے ہوئے روانی میں اس کے منہ سے کیا نکلا جب ان کے تاثر میں تغیر دیکھا تو بے اختیار ہی زبان دانتوں تلے داب لی۔

''کیوں...... وہ کیا بچہ ہے جو تو کان سے پکڑ کے مسجد لے آیا؟ میری مان تو اسے کسی چلے سہ روزہ پر بھیج۔ یہ جو اس کے دل پر مہر لگی ہے یہ ہٹے شاید اس کی کچھ کایا پلٹے ویسے لگتا تو مشکل ہی ہے اور تو بھی یہ گانے وانے چھوڑ۔ سننا ہی ہے تو نعتیں سنا کر دکان میں بھی برکت ہوگی اور ثواب بھی ملے گا۔ چلتا ہوں۔'' بالآخر انہوں نے کلاس برخاست ہونے کا اعلان کیا۔

اور ہاشم کے سینے میں دبی ہوئی سانس خارج ہوئی۔ ''رکیں خالو، آپ کے لیے ٹھنڈی بوتل منگواتا ہوں۔'' اندر سے ابھرتی نہ نہ کی صداؤں پر کان نہ دھرتے ہوئے اس نے رسم میزبانی نبھانی چاہی۔

''نہیں رہنے دے۔ تیرے بھی کام کا ٹائم ہے اور مجھے بھی اپنے کام نمٹانے ہیں۔'' انہوں نے منع کرتے ہوئے سر پر رکھی ٹوپی درست کی اور باہر نکل گئے۔

اس سے پہلے کہ ہاشم دوبارہ اپنے کام پر توجہ کرتا۔ اس کا موبائل بجا۔ اسکرین پر نگاہ پڑتے ہی اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ چند لمحے تو وہ دیکھتا رہا پھر کال ریسیو کر کے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''کیا کر رہے تھے فون اٹھانے میں اتنی دیر؟'' اس کی کھنکتی شک بھری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

pklibrary.com

"کلاس میں تھا۔ فون اٹھا نہیں سکتا۔"
"ہیں...... کیا بول رہے ہو۔ کوئی ایوننگ کلاسز جوائن کرلی ہیں کیا؟" وہ مزید مشکوک ہوئی۔
"نہیں...... استاد جی ادھر آتے ہیں مجھے کلاس دینے۔" اس کے الجھن بھرے لہجے پر ہاشم نے مسکراہٹ دبائی۔
"اف بکواس نہ کرو۔ سیدھی بات بتاؤ نا۔" وہ جھنجلائی۔
"کافی بدتمیز ہو تم لگتا ہے تمہارے ابا نے تمہیں بالکل تمیز نہیں سکھائی۔"
"ابا پہ کیوں جا رہے ہو اب۔" ابرش کی آواز نا چاہتے ہوئے بھی بلند ہوئی۔
"ہاں...... ابا چاہے جس پر جائیں۔ جسے جہنم کا ٹکٹ جاری کریں۔" تھوڑی دیر پہلے کی خالو کی باتیں یاد کر کے ہاشم کا حلق کڑوا ہوا۔
دوسری طرف لمحہ بھر کو خاموشی چھائی۔ "اچھا تو لگتا ہے ابا نے تمہیں کچھ سنا دیں اور اب تم ان کا غصہ مجھ پر نکال رہے ہو۔" وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔
"نہیں خیر...... تم پر تو نہیں نکال رہا۔" وہ دھیما پڑا۔ "مگر کبھی کبھی وہ زیادہ ہی حد کر دیتے ہیں۔"
"دیکھو دل بڑا رکھو، تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہے۔" ابرش کا انداز ایسا تھا جیسے یاد دلا رہی ہو۔
"ہاں...... کیا فائدہ۔" اس نے ایک آہ بھری۔ "بیٹی کا ہاتھ تو وہ دے نہیں رہے ایک جہنمی کو داماد بنالیں تو جتنا مرضی سنائیں۔ اف نہیں کروں گا۔"
"تم جانتے ہو ان کا مسئلہ تم سے نہیں ہے۔ وہ تو بس خالو کی وجہ سے۔"
"ہاں تو وہ میرے باپ ہیں۔" ہاشم نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "میں یا وہ جو بھی کریں۔ انہیں ہماری قبر میں نہیں لیٹنا۔ انہیں ہماری جگہ جواب نہیں دینا۔ خیر چھوڑو، مجھے اس بارے میں مزید بحث نہیں کرنی۔ میں بعد میں بات کروں گا۔" بلال کو دکان میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے بات سمیٹی۔
"اچھا ہاشم...... سنو۔" ابرش نے جلدی سے اسے کال کاٹنے سے روکا۔
"کیا؟"
"میں شادی صرف تم ہی سے کروں گی۔" اس کی دھیمی لرزتی آواز ریسیور سے اس کے دل میں اترتی شکر گھول گئی تھی۔
اس کے چہرے پر خوب صورت سی مسکراہٹ آئی۔ "جانتا ہوں۔"

☆☆☆

"ابھی تھوڑی دیر پہلے حاجی صاحب سے ملنے جا رہا تھا۔ ہاشم کی دکان سے گزرنے لگا تو کان کے پردے پھٹ گئے۔ یہ اونچی آواز میں گانا بجانا لگا رکھا تھا۔"
ارے او خدا کے بندے...... گناہ و ثواب سے تو تمہیں کوئی سروکار ہی نہیں، کم سے کم محلے والوں پر تو تھوڑا ترس کھا لو۔ یہ اب مجھے سمجھ میں آ رہا ہے حنیف کو یہ اونچا سننے کی بیماری کیوں لگی۔ وہ بھی اس کے پڑوس میں ہی رہتا ہے۔"
ابا جی عصر کی نماز پڑھ کے گھر آئے تو برآمدے کے تخت پر براجمان چائے پیتے ہوئے یہ بات چھیڑی اور ادھر کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کرتی ابرش کے اعصاب تن گئے۔
"ہوتے ہیں اس عمر میں لڑکوں کے یہ شوق۔ آپ کو تو بس اس کی ہر بات پر اعتراض کرنا ہوتا ہے۔" امی برداشت نہیں کر پاتی تھیں بھانجے کے خلاف کوئی بات۔
"شوق!" ابا نے استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ "میرے تو نہیں تھے اس عمر میں یہ شوق۔ میں تو اس وقت بھی پنج وقتہ نمازی تھا۔ پانچوں وقت کی اذان دینا بھی میری ذمہ داری تھی۔ کوئی تبلیغی جماعت آجاتی تو اس کی ساری خدمت میرے سپرد تھی۔ جمعے کی رات تو کبھی گھر میں گزاری ہی نہیں۔ کئی چلے لگا چکا تھا۔"
"ہاں...... اب ہر کوئی تو آپ کی طرح نہیں ہوسکتا ناں۔ پھر گھر کے ماحول کا بھی اثر ہوتا ہے۔"

pklibrary.com

آپ کے ابا جی پیش امام تھے۔ آپ کو شروع سے ہی ایسی تربیت ملی تھی۔" انہوں نے اب بھی غیر واضح انداز میں ہاشم کی وکالت کرنے کی کوشش کی تھی مگر انجانے میں ایک اور بحث چھیڑ دی۔

"ہاں...... یہ صحیح کہا۔ گھر کے ماحول کا اثر۔" سر ہلا کر کہتے ہوئے یہ بات جیسے ان کے دل کو لگی۔ "اس کا باپ ابھی تک نہیں سدھرا تو ہاشم تو ابھی کل کا بچہ ہے۔ مجھے ابھی تک یاد ہے کیسے وہ دوپہر کا سینما گیا۔ رات کا آخری شو دیکھ کر نکلتا تھا۔ نہ کھانے کا ہوش، نہ بیوی بچوں کا۔ اس کی دکان میں بھی اس نے ایسے ہی نور جہاں کے گانے اونچی آواز میں لگائے ہوتے تھے ایک بار تو اسے ابا جی نے ٹوکا بھی تھا۔ وہ تو اللہ بھلا کرے اس کے اس ناٹے ملازم کا جو ریپئرنگ کے لیے لائے سارے ٹی وی لے کر فرار ہوا اور محلے والوں کی جان چھوٹی۔"

"لو اس کم بخت نے کتنا نقصان کیا تھا فضل بھائی کا، بے چاروں کو ادھر ادھر سے پیسے ادھار لے کر ٹی وی کے مالکوں کو دینے پڑے تھے اور آپ اسے دعا دے رہے ہیں۔" امی نے حیرت اچنبھے اور ناراضی کی ملی جلی کیفیت میں انہیں دیکھا۔

"ہاں تو جب ملازم کے بھروسے دکان چھوڑ کر محلے کے لونڈے لپاڑوں کے ساتھ گلی چھرے اڑائے گا۔ تو یہ تو ہوگا ہی۔ کل عقیل کے ساتھ بیٹھا ٹھٹھے لگا رہا تھا۔ میں نے کہا عصر کا وقت ہے۔ نماز پڑھ آئیں۔ تو کہتا ہے ابھی تھوڑی دیر میں پڑھ لوں گا۔ میں نے باجماعت نماز کے فضائل بتائے مگر مجال ہے جو کس سے مس ہوا ہو۔ اس عمر میں آ کے بندہ تہجد پڑھنے لگتا ہے۔ تمہارے بہنوئی سے فرض نمازیں نہیں پڑھی جا رہیں۔" ابا جی نے آخری گھونٹ بھر کر چائے کی پیالی ساسر میں رکھی۔

"تو آپ مجھے کیوں یہ سب سنا رہے ہیں۔" امی بالآخر چڑ گئیں۔ "بہنوئی ہے میرا، کوئی ابا تو نہیں۔" آخری جملہ وہ ذرا دھیمے سے بڑبڑائیں۔

"اور یہ جو آپ کہہ رہے ہیں نا یہ بھی غیبت کے زمرے میں آتا ہے۔ سن لیں یہ بات۔"

"غیبت نہیں۔ بس وہ وجہ بتا رہا ہوں، جس کے لیے صبح و شام تم میرے کان کھاتی رہتی ہو کیا برائی ہے میرے بھانجے میں، کیا خرابی ہے میری بہن کے گھر میں۔ میں ایسے لڑکے کے ہاتھ میں بیٹی کا ہاتھ نہیں دے سکتا جو جمعے کے مسلمانوں میں سے ہو۔" وہ بولے۔

"ہونہہ...... نرے بہانے۔" امی اور سلگیں۔ "آپ کو تو شروع سے ہی بیر ہے میری بہن اور بہنوئی سے۔ میں بھی دیکھتی ہوں کون سا ہیرا ڈھونڈتے ہیں اپنی بیٹی کے لیے۔"

اور کچن میں جلتے مسالے پر نظریں جمائے ابرش اپنے دل کو بھی یونہی جلتا محسوس کر رہی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ابا جی کا ارادہ کیسے بدلے گا۔ ہاشم کے لیے اس کے ابا کا نظریہ کیسے بدلے گا۔ ایسے میں اس کی تمام تر بے چینی اور تڑپ دعاؤں میں آ سمٹی تھی۔ اس نے ہاشم کے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا وہ اس کا سگا خالہ زاد تھا۔

ابا جی اکثر ہاشم کے والد کی لاابالی فطرت کے بارے میں، تب بھی ایسے ہی بات کیا کرتے تھے مگر ابرش کو لگتا تھا کہ یہ بس معمول کی ناراضی یا ناپسندیدگی ہے۔ فضل خالو کے لیے نہیں بلکہ ان کے طرز عمل کے لیے مگر جس دن خالہ باقاعدہ طور اس کا رشتہ مانگنے آئیں اور ابا جی نے جیسے انکار کیا۔ ابرش کے دل کو پتنگے لگ گئے۔ یہ کوئی معمولی انکار نہیں تھا۔ ان کی تمام تر کوششوں اور پھیروں کے باوجود ابا جی کی ناں، ہاں میں نہ بدلی۔

بات صرف ابرش کی نہیں تھی۔ ہاشم بھی اتنی آسانی سے اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ فی الحال تو یہ معاملہ اٹکا ہوا تھا۔ مگر صرف تب تک جب تک ابا کو ان کی مرضی کا لڑکا نہ مل جاتا اور اس کو یہی پریشانی تھی کہ تب وہ کیا کرے گی۔

☆☆☆

pklibrary.com

''اماں! میں کہتی ہوں۔ آخر کب تک اپنی بھانجی کے انتظار میں ہاشم کو کنوارا رکھیں گی۔ کچھ یاد بھی ہے عمر کا کون سا سال چل رہا ہے؟ اس کے ساتھ کے لڑکے چار، چار، پانچ پانچ بچوں کے باپ بن گئے ہیں۔ اب تو کچھ خیال کریں۔''

آپا آج پھر آئی بیٹھی تھیں اور جانے آج کون سا پلان بنا کر آئی تھیں۔ مگر اپنا ذکر سنتے ہی ٹی وی کے سامنے بیٹھے میچ دیکھتے ہاشم کے کان کھڑے ہو گئے۔

''یہ میرے ساتھ کے کون سے لڑکے چار پانچ بچوں کے باپ بن گئے ہیں ذرا میں بھی تو سنوں۔'' ایسا نہیں تھا کہ اسے عمر کا کوئی کامپلیکس تھا مگر آپا بھی بہر حال حد سے تجاوز کر گئی تھیں۔

''اچھا چلو...... چار پانچ نہ سہی، دو اور تین کے تو بن ہی گئے ہیں۔'' آپا نے ہاتھ ہلایا۔

''دو اور تین کے بھی نہیں بنے، بنے ہی نہیں ہیں۔ میرے سارے دوست ابھی تک کنوارے ہیں۔'' ہاشم چڑ گیا۔ ''اس لیے خدا کے لیے اماں کو یہ الٹی سیدھی پٹیاں پڑھانا بند کریں۔''

''لو...... میں پٹیاں پڑھا رہی ہوں؟ اماں! کیا میں کچھ غلط بول رہی ہوں بتائیں؟'' وہ بگڑ کر اماں کی جانب متوجہ ہوئی۔ جن کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں بکھر گئی تھیں۔

''خالو جی تو ماننے سے رہے، کیا پتا آج کل میں ابرش کا رشتہ بھی کر دیں۔ پھر کیا کریں گے آپ لوگ۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم بھی ہاشم کے لیے لڑکیاں دیکھنی شروع کر دیں۔ بلکہ میری نظر میں ہے بھی ایک لڑکی۔''

انہیں اندازہ نہیں تھا یا پھر انہیں پروا ہی نہیں تھی کہ اپنی گل افشانیوں سے وہ کیسے میچ میں منہمک ہاشم کا سارا انہماک غارت کر گئی تھیں۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو میرے لیے لڑکیاں دیکھنے کی۔ اماں میرے لیے لڑکی دیکھ چکیں اور میرے لیے وہ کافی ہے۔ یہاں تو بندہ اطمینان سے ٹی وی پر میچ بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

ریموٹ پٹخ کر اٹھتے ہوئے اس نے چارجنگ پر لگا اپنا موبائل کھینچا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''دیکھ لیا تو نے، وہ ابرش کے سوا کسی کے لیے نہیں مانے گا۔ اور سچ کہوں تو مجھے بھی ابرش بہت عزیز ہے۔ مجھ میں نہیں ہمت اس عمر میں غیروں کی منتیں کرنے کی۔'' اماں بیزاری سے بولیں۔

''ہاں۔ اپنوں کے پیروں پہ جا کے پڑیں۔ وہ ٹھیک ہے؟'' آپا تلملا گئیں۔ ''اور آپ کو ابرش عزیز ہے۔ خالہ کو بھی تو ہاشم عزیز ہونا چاہیے ناں۔ وہ کیسے ساری بات خالو کی مرضی پر ڈال کر خود پیچھے ہٹ گئی ہیں۔ چالاک نہ ہوں تو۔''

''دیکھ سمیرا! تو نہ پڑ اس معاملے میں۔ میں ہاشم کو جانتی ہوں بلکہ تو بھی جانتی ہے خوامخواہ کسی دوسری لڑکی کی بات کر کے فساد نہ ڈال۔ اگر عنایت بھائی نے ابرش کا رشتہ کہیں کر دیا تب دیکھی جائے گی۔ ابھی رہنے دے اس بات کو۔'' اماں نے ہاتھ اٹھا کر گویا بات ہی ختم کر دی۔

آپا چند لمحے تو انہیں دیکھتی رہیں غصے اور بے بسی کی ملی جلی نظروں سے سانسوں کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ بھی ہو رہا تھا ان کے اندرونی اشتعال کا مگر پھر کہا تو صرف اتنا۔

''ٹھیک ہے اگر خالو نے ابرش کا رشتہ کہیں اور طے کر دیا اور اللہ کرے کہ کر دیں۔'' دوسری بات دل میں سوچی۔ ''تو پھر میرے پاس مت آنا ہاشم کے لیے لڑکی دیکھنے کی بات لے کر۔'' وہ اپنی بات کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نہیں آؤں گی چل، جیسے تیری لڑکی بنانے کی فیکٹری ہے ناں۔ کوئی اپنی جیسی لا کر میرے متھے مار دی تو عمر بھر سر پکڑ کے روتی رہوں گی۔''

یہ بات وہ تب بڑبڑائیں جب وہ تقریباً کمرے سے نکل چکی تھیں۔ غنیمت تھا کہ انہوں نے سنا نہیں ورنہ پھر وہ ایک گھنٹہ تک ان کا سر کھاتیں۔

☆☆☆

اس دن وہ عادل کے ساتھ اس کے کیفے میں

pklibrary.com

بیٹھا تھا۔ ظہر کی اذان ہوئی تو وہ بلا ارادہ ہی اٹھ کھڑا ہوا عادل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کدھر بھائی؟'' اس وقت وہ کسی مباحثے میں مصروف تھا اس لیے اس کے اچانک اٹھنے پر اس کا چونکنا فطری تھا۔

''نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''اوہو...... '' عادل کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ آئی۔ ''تو سسر کو رام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔'' وہ واقف تھا اس معاملے سے اور ہوتا بھی کیوں نہ بچپن کا دوست جو تھا۔

''لعنت۔ ہے تیری سوچ پہ......'' وہ اسے ملامت کرنے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

''ہاں تو تجھے جمعے کے علاوہ کب نماز پڑھتے دیکھا ہے میں نے۔'' اس نے بھی جل کر آئینہ دکھایا۔

''وہ بات نہیں ہے۔''

''پھر کیا بات ہے؟'' عادل بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

''دیکھو خالو جی کی باتیں مجھے لاکھ بری لگیں مگر ہیں تو سچ ہی۔ اور باتیں بھی نہیں ان کے بات کرنے کا انداز۔'' ہاشم سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''جیسے کہ......''

''جیسے کہ بے نمازی کی روزی میں برکت نہیں ہوتی۔'' اس کی پیشانی پر شکن تھی۔

''تجھے کیا کوئی مالی پریشانی ہونے لگی ہے آج کل؟'' عادل نے سوال اٹھایا۔

''ایسا تو نہیں خیر...... مگر ابا جی کو بھی آج کل پیسوں کی ضرورت کچھ زیادہ پڑنے لگی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی کام اٹکے پڑے ہیں۔ کوئی معاملہ نہیں سدھر رہا۔ اس لیے...... خیال آیا مجھے کہ جب میں فرائض ہی ادا نہیں کر رہا تو پھر اپنے کام نہ ہونے کا یا دعائیں قبول نہ ہونے کا شکوہ بھی کس منہ سے کرتا ہوں۔''

''واہ...... کتنی سمجھ داری کی باتیں کر رہا ہے میرا یار۔'' عادل اسے چھیڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''آخر تو انسان بن ہی گیا۔''

''کیوں پہلے شتر مرغ تھا۔'' ہاشم تپا۔

''انسان تو نہیں تھا کم سے کم'' عادل نے سر کھجایا۔ ''چل میں بھی تیرے ساتھ چلتا ہوں۔''

''سچ میں۔'' ہاشم نے بے یقین نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں اس معاملے میں ایک جیسے تھے اس لیے اب اس کی حیرانی بجا تھی۔

''ہاں...... کیا کہوں اب۔ تیری باتیں میرے دل کو لگ گئیں۔'' اس نے کہا تھا۔ ہاشم کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ اپنے ملازم کو ہدایات دے کر اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔

محلے کی مسجد کی طرف جانے کے بجائے جب وہ گھوم کر اس دوسری سڑک کی طرف آیا۔ کچھ ہی فاصلے پر ایک دوسری مسجد تھی۔

عادل نے اس کا بازو پکڑا۔ ''کیا کر رہا ہے بھائی؟''

''میں نہیں چاہتا۔ تیری طرح خالو بھی یہ ہی سمجھیں کہ میں انہیں دکھانے کے لیے نماز پڑھ رہا ہوں۔'' عادل ہنس پڑا۔

''تو پاگل ہے۔''

جب وہ نماز پڑھ کر دکان پر آیا تو ابا کو وہاں پہلے سے موجود پایا۔ ان کے ساتھ ایک بارہ تیرہ سالہ لڑکا بھی تھا۔

وہ اسے دیکھتے ہی بولے۔ ''کدھر سیر سپاٹے کرتا پھر رہا ہے تو، دکان ان نالائقوں کے بھروسے کے چھوڑ کے۔''

انہیں بالکل پرواہ نہیں تھی کہ وہ سارے نالائق اس وقت دکان میں ہی موجود ہیں اور اس بات پر ناراضی بھری نگاہوں سے انہیں گھورنے بھی لگے تھے۔

''گیا تھا کسی کام سے آپ بتائیں خیر تھی؟'' ہاشم چاہنے کے باوجود نہ جتا سکا کہ میرے نالائق شاگرد آپ کے نالائقوں کی طرح نہیں ہیں کہ دکان سمیٹ کر چلتے بنیں۔ قصہ وہ ابا سے ہزار بار سن چکا تھا

اور یہ بھی کہ اسے اپنے معاونین پر یوں اندھا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

"ہاں خیریت ہی سمجھو۔ یہ علی ہے احمد ودود کا پوتا۔ تجھے یاد ہوگا میرا وہ دوست؟" اس معصوم صورت لڑکے کا تعارف کرواتے ہوئے جب انہوں نے اس سے یہ سوال کیا تو وہ لحہ بھر کو گڑ بڑا سا گیا۔ اسے بالکل یاد نہیں تھا ابا جی کا اس نام کا کوئی دوست، مگر اس نے یہ ظاہر نہیں کیا۔

"ہاں تو؟"

"اس کا ابا چاہ رہا تھا یہ کوئی ہنر سیکھ لے۔ میں نے کہہ دیا۔ ہاشم ہے ناں میرا بیٹا ٹیلر ماسٹر اس کے ساتھ ہی دکان پہ لگوا دیتا ہوں۔ بول ٹھیک کیا ناں میں نے؟" وہ اس سے تائید چاہ رہے تھے اس نے لڑکے کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی۔

"کیا یہ اسکول نہیں جاتا؟"

"جاتا ہوں جی، صبح میں جاتا ہوں۔ دوپہر کے بعد آسکتا ہوں اگر آپ بولیں تو۔" لڑکا جھٹ بول اٹھا۔

ٹھوڑی سہلاتے ہوئے وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی دکان کافی چلتی تھی۔ اس کا ایک نام تھا تین معاونین تو پہلے ہی تھے اس کے پاس فی الحال اسے کوئی ضرورت تو نہ تھی مگر ابا جی کی سفارش تھی کیسے انکار کرتا۔

"ٹھیک ہے کل سے آنا۔" اس نے بالآخر کہا۔

وہ تو گیا تو ابا اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ "سن کچھ چاہیے تھے۔"

وہ ٹھٹک کر ان کی صورت دیکھنے لگا۔ ابھی چار پانچ دن پہلے ہی تو وہ اس سے پانچ ہزار لے کر گئے تھے۔ "کس لیے؟"

وہ نہیں پوچھنا چاہتا تھا کیونکہ اسے ابا کا ری ایکشن پتا تھا پھر بھی جانے کیسے زبان پھسل گئی۔ اور وہی ہوا۔ ابا بھڑک گئے۔

"کیا کس لیے؟ تو میرا ابا ہے کہ میں تیرا ابو ہوں جواب تو مجھ سے حساب بھی مانگنے لگا دیتے ہیں تو دے ورنہ انسپکٹر نہ بن۔"

وہ ان سے بحث کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور نہ ہی اپنے شاگردوں کے سامنے مزید ڈانٹ کھانے کے موڈ میں تھا۔ اس لیے بے حد خاموشی سے جیب میں ڈال کر جتنے نوٹ ہاتھ لگے سب انہیں پکڑا دیے۔

اور وہ خوشی خوشی وہاں سے رخصت ہو گئے۔

☆☆☆

محلے کی ایک آنٹی آئی تھیں۔ ٹیوشن کے بچوں کو فارغ کرنے کے بعد وہ کچن میں اپنے لیے چائے بنا رہی تھی جب امی نے آکر اطلاع دی۔ اس نے کھولتے ہوئے پانی میں ایک کپ اور ڈال دیا۔

اس کا ارادہ آج خالہ کی طرف چکر لگانے کا تھا۔ وہ کئی دنوں سے نہیں جا سکی تھی دونوں گھروں میں جو حالیہ مسئلہ چل رہا تھا۔ اس سے قطع نظر ابرش نے کبھی وہاں جانا بند نہیں کیا تھا۔ بچپن کی عادت تھی۔ یہ خالہ بھی اسے بہت پیاری یہ بھی شکر تھا کہ ابا نے اس کے وہاں جانے پر کوئی قدغن نہ لگائی تھی ابرش کے لیے یہ ہی بڑی بات تھی۔

چائے پیش کرنے کے بعد وہ تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھی تھی۔ ان خاتون کا انداز کافی لگاوٹ بھرا تھا۔ اسے تھوڑا عجیب ضرور لگا۔ مگر اس کی وجہ تب سامنے آئی جب وہ رخصت ہوئیں۔

"تمہیں دیکھنے آئی تھیں۔" امی نے انکشاف کیا۔

"مطلب؟" وہ پھر بھی نہیں سمجھی۔

"کہہ رہی تھیں۔ بیٹے کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں آج کل، تو میں سمجھ گئی کہ یہاں بھی اسی سلسلہ میں آئی ہیں پھر کہہ بھی دیا۔" امی نے بتایا۔

"تو آپ نے کیا کہا؟" اسے بے چینی ہوئی۔

"میں نے کیا کہنا تھا۔ اس نے ایک دم سے رشتے کی بات نہیں کی۔ کہہ رہی تھی دوبارہ چکر لگائے گی۔ شاید تب یہ بات چھیڑے۔ اچھا ہوتا آج ہی یہ بات کرتی تو میں صاف جواب دے دیتی اب جانے

کب آئے۔ خواہ مخواہ سر پر یہ تلوار لٹکتی رہے گی۔"
"کیا امی...... ایسے ہی صاف جواب دے دیتیں۔ جاننے کی کوشش بھی نہ کرتیں کہ رشتہ کیسا ہے؟ کیا پتا لڑکا کوئی بڑے گریڈ والا آفیسر ہو گاڑی اور بنگلے کے ساتھ۔"
امی کی بیزاری پر اسے دل ہی دل میں ہنسی آئی تھی اسی لیے مسکراہٹ دبائے شرارت سے پوچھا۔
"ہونہہ سرکاری افسر۔" امی نے ہنکارا ابھرا۔
"پہلی بات تو یہ کہ ان لوگوں کو میں جانتی ہوں۔ ویسے بھی گاڑی اور بنگلے والا ہوتا تو اس کی ماں یہاں لڑکی دیکھنے نہ آتی۔ دوسری بات یہ کہ تمہارے ابا کے نزدیک تو سب سے پہلے سرکاری لوگوں کی آمدن ہی مشکوک ہے۔ ان کی باقی شرطیں تو بعد میں آتی ہیں۔"
"لیکن وہ خود بھی تو سرکاری ملازم رہ چکے ہیں نا؟" ابرش کو اچنبھا ہوا۔
"اسی لیے تو کہتے ہیں۔ سرکاری محکموں میں رہ کر خود کو اوپر کی آمدنی سے بچانا ایسے ہی ہے جیسے آگ کے درمیان رہ کر خود کو آگ سے بچانا۔ خود تو انہوں نے ساری زندگی پھونک کر گزاری۔ مگر آج کل لوگ کہاں دیکھتے ہیں حلال حرام کی تمیز، اللہ معاف کرے۔ میں نے بھی شروع دنوں میں تمہارے ابا سے بہت لڑائیاں لڑی ہیں۔ غریب گھر کی لڑکیوں کو ایک شوہر کے گھر کا ہی آسرا ہوتا ہے اگر وہاں بھی ایک ایک چیز کے لیے ترسنا پڑے تو سمجھو سارے ارمان گئے پانی میں، مگر یہ تو اچھا ہے تمہارے ابا ارادوں کے بڑے پکے ہیں۔ میری ایک نہ مان کر نہ دیے۔ اب سوچتی ہوں تو لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں۔ چندہ روزہ عیش و آرام کے لیے جہنم کی آگ پیٹ میں ڈالنا کہاں کی عقل مندی ہے۔" امی کہہ رہی تھیں۔
وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ایسے امی ابا نے بھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ پھر اس کے خواب بھی زیادہ اونچے نہیں تھے۔ اس نے جس شخص کی خواہش کی تھی۔ وہ گاڑی اور بنگلے کا مالک تو نہیں تھا مگر اس کے دل کا تو تھا اور اس کے لیے یہی کافی تھا۔

اس نے امی سے خالہ کے گھر جانے کا کہا تو وہ متردد ہو گئیں۔
"اچھا ٹھہرو پھر، ولید سے کہہ دیتی ہوں۔" انہوں نے پڑوس کے گیارہ سالہ بچے کا نام لیا۔
"اف! امی اگلے شہر نہیں جا رہی۔ ساتھ والی گلی جا رہی ہوں۔" وہ جھنجلا گئی۔
"مگر اکیلے جانا بھی تو ٹھیک نہیں۔" امی معترض تھیں۔
"ہاں اگر کچھ ہوا تو آپ کا یہ ننھا باڈی گارڈ تو جیسے مجھے بچا ہی لے گا۔" وہ تپ گئی۔
"اللہ نہ کرے کہ کچھ ہو۔ کیا اول فول بکے جا رہی ہو۔" ان کا پارہ تو چڑھنا ہی تھا اس بات پر۔
"اچھا ٹھیک ہے چھوڑیں۔ کچھ نہیں ہوتا۔ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔" وہ ان کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی چادر لینے دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔
خالہ کی گلی میں داخل ہوتے ہی اسے یاد آ گیا کہ پچھلی بار، یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے تہیہ کیا تھا کہ وہ اب یہاں اکیلی نہیں آئے گی۔ دراصل پچھلے کچھ عرصے سے یہاں آوارہ لڑکوں کا ایک گروپ بیٹھنے لگا تھا۔ وہ براہ راست تو کچھ نہیں کہتے تھے مگر ان کا گھورنا ہی ابرش کو نروس کر دیتا تھا۔ اب اس کے لرزتے قدموں میں تیزی آئی تھی۔ وہ جیسے ہی خالہ کے دروازے کے قریب پہنچی۔ اسی وقت دروازہ کھول کر خالو باہر نکل آئے۔ اور اس کا اٹکا ہوا دم بحال ہوا۔
"ارے...... یہ تو میری بیٹی آئی ہے۔" وہ اسے دیکھ کر بے اختیار خوشی کا اظہار کیے بنا نہ رہ سکے ابرش کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔
انہوں نے اندر کی طرف آواز لگائی۔ "دیکھ تو کون آیا ہے۔ کھانا کھائے بغیر نہ جانے دینا میری بیٹی کو۔" پھر دروازہ کھول کر ایک سائیڈ پہ ہوئے۔ "اندر آ جا...... میں آیا اپنا ایک ضروری کام کر کے۔"
اللہ جانے خالو کے وہ ضروری کام کیا ہوتے تھے، جن کے نتیجے اور اثرات بھی ان کی زندگی پر

مرتب ہوتے نہ دیکھے۔
اس کا پہلا ٹاکرا ہی ہاشم سے ہوا جو شاید خالو کی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکلا تھا۔ بال بھیگے اور بے ترتیب تھے۔
"مجھے لگا آپا آئی ہیں۔" خالو کے میری بیٹی کہنے پر اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا۔
وہ کیا کہتی صرف بھنویں اچکا کر رہ گئی۔
"کس کے ساتھ آئی ہو؟" اس کا اگلا سوال ہی عجیب تھا۔
ابرش چونکی بھی تو اظہار نہیں ہونے دیا۔ "میں ہمیشہ اکیلی ہی آتی ہوں۔"
"مگر اب احتیاط کرو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔
"اچھا...... اب سے جو میرے ساتھ بھائی بیٹھے ہیں گھر میں، ان سے کہوں گی ساتھ آنے کے لیے۔" اسے غصہ ہاشم کے انداز پر آنے لگا۔ بجائے اسے دیکھ کر کھل جانے کے اس کا رویہ کتنا سنجیدہ اور روکھا تھا۔ بدمزاج کہیں کا۔
"زیادہ چڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ جب سے یہ نئے لوگ یہاں شفٹ ہوئے ہیں، تب سے ان کے لڑکوں نے اس گلی کو اپنا اڈا بنالیا ہے۔ تمہارا یہاں اکیلے آنا مناسب نہیں۔ میں پہلے ہی ان پر خار کھائے بیٹھا ہوں۔ ایسے میں تمہیں کسی نے کچھ کہہ دیا تو میں کچھ غلط کر بیٹھوں گا۔" ہاشم کا انداز خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔ ابرش خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گئی۔
"میں تمہیں لا لے جا سکتا ہوں۔ مگر اس کے لیے خالو راضی نہیں ہوں گے۔ اس لیے تمہارا نہ آنا ہی بہتر ہے۔"
"ہاں...... تم تو چاہتے ہی نہیں کہ میں یہاں آؤں۔" محویت سے اسے تکتے ہوئے اس آخری جملے پر اسے آگ لگ گئی۔
"بالکل میں چاہتا ہوں یہ آنیاں جانیاں ختم ہوں اور تم ہمیشہ کے لیے یہاں آجاؤ۔" اس کی سفید رنگت میں گھلتی سرخی نے ہاشم کا موڈ بدلنے میں جادوئی کردار ادا کیا تھا اس لیے مسکراہٹ چھپائے بولا۔
"تمہارے لیے نہیں، خالہ کے لیے آتی ہوں۔" اب اس کا غصہ کہاں اتنی آسانی سے ختم ہوتا۔
وہ خالہ کے کمرے کی سمت آئی۔ خالہ نماز پڑھنے میں مصروف تھیں۔ وہ وہیں کرسی پر بیٹھ کر ان کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنے لگی۔
ہاشم نے کمرے میں جھانکا۔ "چائے پلا دو گی؟" تھوڑی دیر پہلے کی تناؤ بھری کیفیت اب غائب تھی اس کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے اس نے اب ابرش کو دیکھا ہو۔ اور اسے اب احساس ہوا ہو کہ وہ اسے کتنے دنوں بعد دیکھ رہا ہے۔
"زہر نہ پلا دوں؟" اس نے طنز کا تیر مارا۔
اسی وقت اماں نے سلام پھیرا۔ وہ جواباً کوئی شوخ سا جملہ کہنے لگا تھا۔ اسے دل ہی میں دبائے واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

"آج کل مجھے ایک عجیب سی بات پریشان کر رہی ہے۔" اس کی نظریں انگلیوں میں دبی سلگتی سگریٹ پر تھیں۔
"جو بات تجھے پریشان کہہ رہی ہے۔ وہ عجیب بالکل نہیں ہے۔ بہت سی پریم کہانیوں میں ہیروئن کے ابا ہی ولن کا رول ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔" عادل کے نزدیک تو اس کی زندگی کا واحد مسئلہ یہ تھا۔
"بات وہ نہیں ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "میں اباجی کی وجہ سے پریشان ہوں۔"
"یہ بھی عجیب نہیں۔ تو تو بچپن سے ہی اپنے ابا کی وجہ سے پریشان ہے۔" عادل نے اب بھی بات ہلکے میں اڑائی۔
وہ لب بھینچے اسے گھورنے لگا۔ "پوری بات سنے گا بھی یا بکے جائے گا بیچ میں۔"
"اچھا ٹھیک ہے سنا۔" عادل نے اب موبائل جیب میں رکھ کر پوری توجہ اس کی جانب کی۔
"مجھے...... مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے ابا کا کہیں

چکر چل رہا ہو۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا اور عادل اچھل پڑا۔

"کیا......؟ کیا مطلب چکر چل رہا ہے۔ کسی عورت کے ساتھ؟" بے یقینی سے اس کی آواز کچھ زیادہ بلند ہوگئی۔

ہاشم نے گھبرا کر اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"کیا کہہ رہا ہے۔ آرام سے بول اور ظاہر ہے کہ عورت کے ساتھ مرد کے ساتھ تو چلنے سے رہا۔" وہ بھنا گیا۔

"زمانہ بہت بدل گیا ہے میرے دوست۔" کندھے اچکاتے ہوئے عادل نے جس انداز میں یہ بات کی۔ ہاشم کی کھوپڑی سلگ گئی۔

"تو مرے گا میرے ہاتھوں۔"

"ہاں تو کیا غلط کہا خیر مجھے یقین ہے کہ ایسا کچھ نہیں۔ ویسے بھی میرے ابا کہتے ہیں۔ جوانی میں فضل میں ہر برائی موجود تھی سوائے عورتوں کے چکر میں الجھنے کے۔" عادل نے اپنے ابا کے خیالات بیان کیے۔ "تو جب جوانی میں انہوں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تو اب اس بڑھاپے میں انہیں کیا پڑی تیرے لیے دوسری اماں تلاش کرنے کی۔"

"عقل تو گھاس چرنے کسی بھی وقت جا سکتی ہے بلکہ اکثر لوگوں کی تو جاتی ہی بڑھاپے میں، یہ پچھلی گلی کے قیوم صاحب کو جانتا ہے؟ دادا، نانا بن کر بھی اپنی نواسی کی عمر کی لڑکی کو شادی کر کے گھر لے آیا۔"

ہاشم کو اچانک ہی یہ بات یاد آئی اور دل اور بیٹھ گیا۔

"مگر تیری عقل تو جوانی میں ہی گھاس چرنے چلی گئی اور ابھی تک واپس نہیں آئی جب ہی تو یہ بکواس کر رہا ہے۔" عادل نے اس پر طنز کیا۔ "تیرے اس شک کی بنیاد کیا ہے؟ کیا آج کل وہ تیار شیار زیادہ رہنے لگے ہیں؟"

"نہیں۔" ہاشم نے اس سوال پر چونک کر اسے دیکھا۔ "رہتے تو وہ اپنے اسی ملنگ حلیے میں ہی مگر انہیں پیسوں کی ضرورت کچھ زیادہ ہی پڑنے لگی ہے آج کل۔ اگر کسی عورت کا چکر نہیں ہے تو جوئے کا چکر تو پکا ہے۔"

"ارے یار......" عادل ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ "اتنا ذہن کو ادھر ادھر دروازے کی کیا ضرورت ہے۔ پوچھ لے ناں ان سے سیدھے سیدھے۔"

"تو نہیں جانتا ابا کو۔ پوچھتا ہوں تو وہ مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ مجھے ان سے اپنی درگت نہیں بنوانی۔" اس نے آخری کش لے کر سگریٹ پھینکی۔

"تو پھر ایک ہی حل ہے۔ جاسوس بن کر ایک دن کے لیے پیچھا کر ان کا۔ دیکھ کہاں جاتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔" عادل نے اگلا مشورہ پیش کیا۔

"اور جو انہوں نے پکڑ لیا۔ پیچھا کرتے ہوئے۔ ساری جاسوسی ناک کے راستے باہر نکال دیں گے۔" اس نے مشورہ سنتے ہی رد کیا۔

"تو پھر ڈرتا رہ یونہی۔ تیرا کچھ نہیں ہو سکتا۔" عادل چڑ گیا۔

ہاشم ہنسنے لگا۔ "ویسے یہ جاسوسی والا آئیڈیا اچھا ہے۔ سوچوں گا اس پہ۔"

"صرف سوچتا مت رہ۔ جلد از جلد عمل بھی کر۔ ورنہ ایسا نہ ہو پھر کسی خود سے بھی کم عمر نوخیز دوشیزہ کو اماں کہنا پڑے۔" عادل نے اسے تپانے کو یہ بات کہی تھی۔ مگر ہاشم واقعی دہل گیا۔

"ابھی خود ہی تو بکواس کر رہا تھا کہ ابا ایسا نہیں کر سکتے۔"

"ہاں ضروری نہیں کہ نو عمر ہو، پکی عمر کی بھی ہو سکتی ہے۔" اس کی ہراساں صورت دیکھ کر دل میں ابلتا قہقہہ دبائے عادل کا لہجہ سنجیدگی سے پر تھا۔

مگر اس بار ہاشم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ہانپتی سانسوں اور تمتمائے چہرے کے ساتھ عدیل بھاگتا ہوا آیا تھا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ہاشم بھائی...... آپ کے خالو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔"

"کیا کہہ رہا ہے۔" وہ اچھل پڑا۔

"میں ابھی دیکھ کر آ رہا ہوں ادھر بینک والی

pklibrary.com

سڑک پر۔"

اس نے یہ سنتے ہی ادھر دوڑ لگادی۔ عادل اس کے پیچھے تھا۔

☆☆☆

اس دن کچھ ضروری سودا سلف کے لیے مارکیٹ جاتے ہوئے، ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ آج انہیں کیا دیکھنے کو ملے گا۔ وہ اس وقت واپس پیک کروا رہے تھے جب ان کی نظر فضل پر پڑی۔ وہ چونکے ضرور کیونکہ جہاں تک انہیں یاد پڑتا تھا فضل نے کبھی گھریلو سامان کی خریداری کی ذمہ داری نہیں اٹھائی تھی۔ اس وقت بھی جب اٹھانی چاہیے تھی اب تو خیر ہاشم نے انہیں ہر ذمہ داری سے بری الذمہ کردیا تھا۔

وہ آلو پیاز کے ریٹ پوچھ رہے تھے۔

اسی وقت زمان نے تبھی انہیں ان کا سامان پکڑایا۔ وہ انہیں پکارنے ہی لگے تھے کہ اچانک انہیں رکنا پڑا۔

فضل اپنے ساتھ کھڑے، آٹھ نو سال کے بچے کو دوسرے ہاتھ میں پکڑے سودا سلف کا تھیلا پکڑا رہے تھے۔

"یہ کون ہے؟" کندھے پر پڑے رومال سے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے وہ سوچ میں پڑ گئے۔ فضل نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس بچے کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہوئے۔

اور ان کے قدم بنا سوچ سمجھے ان کے پیچھے اٹھ گئے۔ کیا کیا خیالات نہ آرہے تھے ذہن میں، یہ بات تو اب پکی ہوگئی تھی کہ وہ گھر نہیں جارہے تھے۔ اور اس کے ساتھ وہ لڑکا کون تھا؟

ان کے پیچھے چلتے ہوئے عنایت خالو کو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ اگر فضل نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ اب وہ کوئی مشاق جاسوس تو تھے نہیں کہ تعاقب کرنے کی نزاکتوں کا خیال رکھتے۔ مگر فضل بھی جانے کن خیالوں میں گم تھے کہ گرد و پیش سے بے نیاز آگے ہی آگے بڑھے چلے جارہے تھے۔

اب وہ محلے کو مین روڈ سے ملانے والی سڑک پر تھے۔ فضل تو اس بچے کے ساتھ کافی تیزی سے سڑک پار کر گئے۔ جب عنایت خالو نے بھی اسی تیزی کا مظاہرہ کرنا چاہا تو ان کے سامنے، اچانک ہی کچرے اٹھانے والی گاڑی سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑی ہوگئی دل ہی دل میں جھنجلاتے ہوئے وہ سائیڈ سے ہو کر جب سڑک کی دوسری طرف آئے فضل بغل والی گلی میں مڑ رہے تھے۔

انہوں نے تقریباً بھاگتے ہوئے قدموں سے ان تک پہنچنے کی کوشش کی۔ گلی کے سرے تک پہنچ بھی گئے۔ تب ہی گلی سے نکلنے والی ایک تیز رفتار بائیک ان کے سامنے آگئی تھی۔ اور اگلے ہی پل ان کے ہاتھ میں پکڑے دال کے تھیلے ہوا میں اور وہ خود زمین پر تھے۔

ہاشم کو وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ عادل نے آتے ہی اس لڑکے کو پکڑ کر تین چار کرارے ہاتھ جما دیے۔ جسے عادل اپنے دوستوں کے حوالے کر کے اطلاع دینے ان کے پاس آیا تھا۔ وہ لڑکا بھی اٹھارہ کا بھی نہیں تھا۔

"کیوں بے، تیرے باپ نے کیا موٹر سائیکل کے ساتھ سڑک بھی خرید کر تیرے نام کردی ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں یہ اچانک میرے سامنے آگئے تھے۔ میری غلطی نہیں ہے۔" وہ روتے ہوئے چلا رہا تھا۔

"عادل...... چھوڑ اسے...... میرے ساتھ چل۔" ہاشم نے اسے آواز لگائی تو عادل نے اس کی جان بخشی۔

وہ انہیں گاڑی میں ڈال کر قریبی اسپتال کے ایمرجنسی لے آئے تھے۔ جب انہیں ٹریٹ کیا جارہا تھا۔ عادل اس کے پاس آیا۔

وہ سینے پر ہاتھ باندھے مضطرب سا کھڑا تھا۔

"گھر فون کرے گا؟"

وہ چونکا پھر نفی میں سر ہلایا۔ "ابھی نہیں...... پٹی ہوجائے پھر، گھر ہی لے جاؤں گا سیدھے۔"

pklibrary.com

یہ بھی غنیمت تھا کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا تھا۔ سوائے دائیں ہاتھ میں فریکچر کے اور ماتھے پر ٹانکے آئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے پیروں پر چلنے پھرنے کے قابل تھے اور یہ شکر کا مقام تھا۔

واپسی پر ان کے حواس کافی حد تک بحال ہو چکے تھے۔ ہاشم نے انہیں سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا۔

ہاشم کے چہرے پر نظر پڑتے ہی انہیں پھر سے فضل کی یاد آئی تھی۔ وہ ان کے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"ویسے آپ وہاں کر کیا رہے تھے خالو جی۔ وہ علاقہ تو ہمارے گھر سے کافی ہٹ کر ہے۔" جب گاڑی روانہ ہوئی۔ ہاشم یہ سوال کرنے سے خود کو باز نہ رکھ سکا۔ کیونکہ یہ بات کافی دیر سے اسے الجھا رہی تھی۔

"تو نے اپنے ابو کو دیکھا؟" بجائے اس کے سوال کا جواب دینے کے انہوں نے جو لایعنی سوال کیا۔ ہاشم حیران ہو کر ان کا منہ تکنے لگا۔

"کدھر؟"

"ادھر...... چھوڑ...... مجھے لگا تیرا ابا بھی تھا۔" انہوں نے ایک ہنکارا بھرا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔

"نہیں ابا جی نہیں تھے۔ صرف میں ہی تھا عادل کے ساتھ۔" ہاشم سمجھا، وہ ایکسیڈنٹ کے بعد کی بات کر رہے ہیں۔

ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے عادل نے گردن موڑ کر ہاشم کی الجھی ہوئی صورت دیکھی پھر اشارہ کیا۔ وہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اس حادثے کی وجہ سے شاید ان کے اعصاب ہلے ہوئے ہیں۔ ہاشم ایک گہری سانس بھرتا خاموش ہو گیا۔

گھر پہنچنے پر خالہ اور ابرش کا ردعمل شدید تھا۔ یہ تو وہ جانتا تھا۔ اس لیے تو ہاسپٹل میں بھی فون کرنے سے احتراز برت رہا تھا فون پر وہ انہیں بتاتے ہوئے لاکھ احتیاط کرتا وہ نہیں سمجھتے۔ جیسے اب خالو کو اپنے پیروں پر چل کر آتا دیکھ بھی ان کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا۔ کر کیا رہے تھے، کیسے ہوا؟" زردی ملی رنگت کے ساتھ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خالہ نے سہمے ہوئے لہجے میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ اور ابرش نے تو انہیں دیکھتے ہی رونا شروع کر دیا تھا۔

"اری نیک بخت، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اللہ نے کرم کیا ہے کوئی بڑی چوٹ نہیں آئی مجھے۔" ہاشم کی مدد سے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے انہوں نے توانا لہجے میں ان کی تشفی کرانی چاہی۔

"لو...... پٹیوں میں جکڑے ہوئے گھر آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کوئی بڑی چوٹ نہیں آئی۔" غصہ ہو کر کہتے ہوئے ان کا اشارہ ان کے ماتھے کی بینڈیج اور ہاتھ کی پٹی کی طرف تھا۔

"کیا کر رہے تھے ابا جی...... کیسے آئی اتنی چوٹ۔" ابرش گلوگیر لہجے میں کہتی ان کے پیروں کے پاس بیٹھی۔

"ہاشم بیٹا...... تم بتاؤ...... یہ سب کیسے ہوا؟" خالہ اس کی طرف مڑیں۔

"بائیک نے ٹکر ماری خالہ جی، میں دکان میں تھا اس وقت جب عدیل نے آکر بتایا اور میں دیکھنے دوڑا۔ وہاں سے اسپتال گئے۔ باقی یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ بائیک نے ٹکر کیسے ماری۔" خالو کی چوٹوں کی طرف پر سوچ نظروں سے دیکھتے وہ انہیں بتا رہا تھا۔

"سینگوں پر اٹھا کر ماری۔" ہاشم کے آخری جملے پر خالو جی بھنا کر بول اٹھے۔ "کیسے ٹکر ماری کا کیا مطلب ہے اچانک سامنے آئی اور ماردی۔" ان کا یہ غصہ ہاشم اور خالہ دونوں کے لیے تھا۔ "تو چھوڑ یہ باتیں۔ ہاشم کو چائے پانی پوچھ، تھک گیا ہو گا بھاگ دوڑ کر کے۔" انہوں نے غصے کو آڑ بنا کر تیزی سے موضوع بدلا تھا۔ اس سے پہلے کہ ان کے سوال "کہاں پر ٹکر ماری" تک پہنچتے۔

"نہیں مجھے دکان جانا ہے۔ پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔ پھر آؤں گا۔ آپ کو اسپتال لے جانے۔"

اس نے خالہ کو دوائیوں والا لفافہ دیتے ہوئے انہیں سمجھایا اور پھر انہیں خدا حافظ کہتا باہر نکل آیا۔

"ہاشم" وہ دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ ابرش کی آواز پر اس کے قدم تھمے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے احساس نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کب اٹھ کر دبے پاؤں اس کے پیچھے چلی آئی۔

"شکریہ۔" اس کی آنکھیں نم تھیں اور رخسار سرخ تمتمائے ہوئے۔

"حد ہے یار...... اب اس کے لیے بھی شکریہ بولو گی۔" وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"ہاں بولوں گی۔ آج اگر تم وقت پر نہ پہنچتے تو پتا نہیں کیا ہوتا۔" نظریں جھکائے کہتے اس کا لہجہ پھر سے بھرانے لگا۔

ہاشم نے ایک گہری سانس لی۔ "تو شاید کوئی اور انہیں اسپتال لے جاتا۔ اب اتنا بھی اندھیر نہیں مچا۔"

"لے تو جاتا مگر وہ ترحم اور ہمدردی ہوتی۔ اور تم نے ذمہ داری نبھائی ہے۔" وہ کہنا چاہتی تھی۔

"اور میں کیوں نہ ہوتا؟ میں یہیں ہوں ہمیشہ تمہارے لیے، خالو کے لیے۔" وہ اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اور رہوں گا پھر چاہے خالو مجھے ناپسند کریں یا داماد بنانے کے قابل نہ سمجھیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے شرارت سے کہا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا۔ اس کی اس بات نے ابرش کے دل کے سلگتے زخموں پر نمک کا کام کیا تھا۔

اس کی آنکھیں ٹپ ٹپ پھر سے برس پڑیں۔

"ابرش......" کسی قدر تحیر اور بے چینی سے کہتے ہوئے اس کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔ "بس کرو میری جان...... تم مجھے پریشان کر رہی ہو۔"

اس کا بس نہیں چل رہا تھا آگے بڑھ کر اس کے آنسو اپنی پوروں پر چن لے۔ داخلی دروازے سے خالو کے کمرے کا فاصلہ کافی زیادہ تھا۔ یقیناً وہاں تک ان کے دھیمے سروں میں باتیں نہیں پہنچ رہی تھیں پھر بھی احتیاط کے پیش نظر، وہ اس سے دور کھڑا بے بسی سے بس اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں...... تم جاؤ۔" اس نے ہتھیلی سے اپنے آنسو پونچھے۔

"ایسے کیسے...... مسکرا کے دکھاؤ تاکہ مطمئن ہو کے جاؤں۔"

"اب ٹھیک ہے؟" اس نے بدقت مسکرانے کی کوشش کی۔

"ٹھیک تو نہیں ہے مگر چلے گا۔" پھیکے پن سے مسکراتے ہوئے وہ دروازے کے پاس بنی کیاریوں پر جھکا۔

ابرش تب سمجھی جب اس نے موتیا کی ایک کلی توڑ کر اس کی جانب اچھالی۔ اس نے سرعت سے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اسے سنبھالا۔

اس سفید اجلی کلی پر نظر پڑتے ہی اس کے ہونٹوں پر حقیقی مسکراہٹ آئی تھی۔

"اب ٹھیک ہے۔" وہ بھی دل سے مسکرا کر دروازے سے باہر نکل آیا تھا۔

☆☆☆

اسے رات گھر آتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی گیٹ کو تالا لگا کے وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھنا چاہ رہا تھا کہ بیٹھک میں بیٹھے ابا نے اسے آواز لگائی۔ "اوئے ہاشم"

"جی ابا جی!" وہ اندر داخل ہونے کی زحمت کیے بغیر دروازے میں ہی کھڑا انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ کیا ہوا تھا آج؟ عنایت کو کسی موٹر سائیکل نے ٹکر ماری دی تھی؟" انہوں نے سوال کر کے خود ہی جواب دے کر آخر میں لہجہ پھر سے سوالیہ بنا لیا تھا اور ہاشم کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب انہیں پتا تھا کہ ہوا کیا تو وہ پوچھ کیا رہے تھے۔

"ہاں ابا جی...... یہی ہوا تھا۔" اس نے جلتی ہوئی آنکھیں مسلیں۔

"تو اس بندے کو پکڑا کہ نہیں؟"

"بندہ کہاں تھا ابا جی، بچہ تھا وہ کیا کرتے اسے پکڑ کے" وہ لہجے سے بیزاری جھلکنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ تھکن اس پر حاوی تھی اور ابا جی کو اب تفتیش کرنا یاد

آیا تھا۔

"بچہ تھا پھر تو اور پھینٹی لگانی چاہیے تھی کیسے ماں باپ ہیں جو بچوں کو موٹر سائیکلیں دے کر کھلا چھوڑ دیتے ہیں کہ جاؤ ایکسیڈنٹس کرتے پھرو۔" ان کے لہجے میں بھرپور غصہ تھا۔

البتہ چہرے کے تاثرات ہاشم ٹھیک سے دیکھ نہیں پایا۔ اس نیم اندھیرے کمرے میں ٹی وی کی رنگ برنگی روشنیوں کا عکس ان کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔

"ہم نے اس کے ماں باپ سے بات نہیں کی اور پھر خالو نے بھی منع کر دیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"آپ کو ان کی طبیعت پوچھنے کے لیے جانا چاہیے۔"

"چلا جاؤں گا کل۔ تو میرا ابا نہ بن۔" انہیں ہاشم کے منہ سے یہ مشورہ پسند نہیں آیا۔

ہاشم نے ہونٹ بھینچ لیے وہ ان سے اس وقت کچھ اور پوچھنا چاہ رہا، اسی کشمکش میں تھا کہ پوچھتے ہوئے لہجہ کتنا نارمل رکھے کہ اباجی کو غصہ نہ آئے۔

"کیا دیکھ رہے ہیں اباجی۔" یہ وہ سوال نہیں تھا جو اس کے ذہن میں تھا۔

"ندیم کی فلم دیکھ رہا ہوں۔ آجا تو بھی اگر نیند نہیں آرہی۔" ان کی نظریں اب اسکرین پر تھیں۔

"نہیں...... میں۔" وہ کہتے کہتے رکا۔

"اباجی...... کیا آج کل کوئی نیا دوست مل گیا ہے آپ کو؟" اسے دوست ہی کہنا پڑا۔ سہیلی تو کہہ نہیں سکتا تھا۔

"ہیں...... کیا کہہ رہا ہے؟" وہ حیران ہو گئے۔

"وہ آج کل آپ گھر میں زیادہ دکھائی نہیں دیتے ناں اس لیے پوچھا۔" اس نے لہجہ سرسری رکھا۔

"تجھے کیسے پتا میں گھر پر نہیں ہوتا تو تو خود سارا دن دکان پر ہوتا ہے۔" ہاشم ان کا گھورنا محسوس کر سکتا تھا۔

"وہ اماں نے بتایا ناں۔" اسے بروقت بات سوجھی۔

وہ ایک پل کے لیے خاموش ہو گئے پھر بولے۔ "ہاں ایک دوست تو ہے۔ نیا نہیں ہے پرانا ہے مگر۔ چل تو جا کے سو جا مجھے بھی فلم دیکھنے دے۔" انہوں نے ایک دم سے بات سمیٹ کر اسے جانے کا کہہ کر گویا مزید ڈسٹرب نہ کرنے کی ہدایت کی۔

وہ مزید بے چین ہوتے دل کے ساتھ اپنے کمرے میں آیا تھا۔ جوتے اتار کر بیڈ پر نیم دراز ہوئے اس نے اپنا موبائل نکالا تو ابرش کے کئی میسیجز تھے۔

"کل پہلی فرصت میں کال کرنا۔ بات کرنی ہے تم سے۔"

وہ پیشانی سہلاتے ہوئے سوچ میں پڑ گیا کیا بات کرنی ہوگی اسے۔

ایک تو آج کل ہر بندہ اسے ٹینشن زدہ سسپنس میں ڈال رہا تھا۔ چاہے وہ ابا ہوں یا خالو ہوں یا پھر اب ابرش، رات کافی ہو چکی تھی۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ اگر ابرش جاگ رہی ہوتی تو بھی اسے یہ وقت مناسب نہیں لگ رہا تھا اسے کال کرنے کے لیے، پھر ان کے درمیان کبھی یہ معاملہ رہا بھی نہ تھا۔ لمبی لمبی کالز یا لیٹ نائٹ کالز والا۔ اس لیے اب اس نے آنکھیں موند کر سونے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

دوسری صبح اس کی آنکھ آپا کی آواز سے کھلی، وہ غالباً اس کے کمرے کے باہر ہی اماں کے ساتھ جانے کون سا قصہ چھیڑے بیٹھی تھیں۔ ایک تو ان کی عادت تھی صبح ہی صبح وارد ہونے کی ہاشم نے تکیے میں منہ چھپایا مگر آپا کی پاٹ دار آواز اس موٹے تکیے کو چیر کر اس کے کان کے پردے سنسنا رہی تھی۔

"سچ کہتی ہوں اماں! آپ دیکھیں گی تو دیکھتی رہ جائیں گی۔ بھلا یہ ابرش کیا ہے اس کے آگے۔ آپ لوگوں نے تو خواہ مخواہ ہی اسے مس یونیورس بنایا ہوا ہے۔ مجھے تو ذرا خوب صورت نہیں لگتی۔ مگر یہ آمنہ، کیا بتاؤں، امیر بھی بہت ہیں۔ دبئی کا پیسہ ہے بھائیوں کے پاس۔ سوچیں جہیز میں کیا کیا لائے گی۔"

pklibrary.com

''یہ تو حد ہوگئی۔'' اب اس کے حواس پوری طرح بیدار ہو چکے تھے تکیہ ایک طرف پھینک کر وہ اٹھ بیٹھا۔ دھم دھم کرتا دروازے کی طرف آیا اور دھڑام سے دروازہ کھولا اس کا اندازہ صحیح تھا۔ وہ برآمدے میں ساگ پھیلائے اس کے کمرے کے باہر محفل جمائے بیٹھی تھیں، اس اچانک دھماکے پر اچھل کر اور کچھ سہم کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''میں نہانے جا رہا ہوں اماں، میرے لیے ناشتا بنا دیں اگر دبئی کے شیخوں کے قصیدے ختم ہو گئے ہوں تو۔''

اس کے تاؤ بھرے لہجے اور خمار آلود سرخ ہوتی آنکھوں کے قہر نے آپا کو خاصا جز بز کر دیا۔ جبکہ اماں اسے ڈپٹ رہی تھیں۔

''کہا تھا ناں دھیرے بول۔ جگا دیا ناں اسے۔''

''ہاں تو کون سی قیامت آ گئی۔ اب نہیں جاگے گا تو کب جاگے گا۔ دن چڑھے سونے سے تو ویسے بھی نحوست پھیلتی ہے پھر کہتے ہیں گھر میں برکت نہیں۔ کیسے ہوگی برکت۔'' انہوں نے کبھی اپنی غلطی مانی تھی جواب مانتیں۔

اور ہاشم نے جب پلٹ کر گھڑی کی سمت دیکھا تو حقیقتاً تڑپ کر رہ گیا۔ ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے اور وہ آپا کی مہربانی سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی جاگ چکا تھا۔ لگتا تھا وہ بچوں کو اسکول روانہ کرنے کے بعد فوراً ہی ادھر آ دھمکی تھیں۔

ہاشم عام طور پر نو بجے تک جاگ جایا کرتا تھا۔ دکان کی چابی بلال کے پاس ہوتی تھی اس لیے بھی اسے جلدی اٹھنے کی کوئی مجبوری نہ تھی۔

''یا اللہ...... محسن بھائی سعودیہ سے جلدی واپس آ جائیں تا کہ آپا کے یہ وقت بے وقت کے چکر ختم ہوں۔'' واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے صدق دل سے یہ دعا کی تھی۔

☆☆☆

ابرش کا دل مضطرب تھا۔ وہ صبح سے لاشعوری طور پر ہاشم کی کال کی منتظر تھی۔ رات ابا نے جو بات بتائی تھی۔ اس کے بعد سچ میں اس کی ہوائیاں اڑ گئی تھیں۔ ویسے تو اباجی رات میں چائے کے شوقین تھے مگر اس دن امی نے اسے ان کی حالت کے پیش نظر ہلدی ملا گرم دودھ دینے کی تاکید کی تھی۔

وہ دودھ کا گلاس لیے ان کے کمرے میں آئی تو کسی سوچ میں گم صم اباجی نے اسے پاس ہی بٹھا لیا۔ امی اس وقت ساتھ والے کمرے میں عشاء کی نماز کے بعد معمول کے وظائف میں مشغول تھیں۔

''دیکھ...... میں یہ بات تیری ماں کے سامنے کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کچھ سمجھتی تو ہے نہیں۔ بس بلاوجہ اپنے بہنوئی کی طرف داری کرنے لگتی ہے۔'' انہوں نے جس انداز میں بات شروع کی، ابرش بے چین ہو گئی۔

''کیا بات ہے اباجی؟''

''میں نے آج فضل کو مارکیٹ میں دیکھا۔'' انہوں نے بتایا۔

''تو......'' وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''تو یہ کہ......'' انہوں نے ساری تفصیل بتائی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے اباجی؟'' ان کی بات ختم کرتے ہی ابرش گھبرائے ہوئے لہجے میں بول اٹھی۔

''مجھے لگتا ہے، بلکہ جیسے میں کل سے سوچ رہا ہوں اور سوچ سوچ کے دماغ کی چولیں ہل گئی ہیں۔ تو میرا یہی خیال ہے کہ فضل نے دوسری شادی کر رکھی ہے۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

''نہیں......'' سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ابرش بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ بچہ زیادہ نہیں تو سات آٹھ سال کا تو ہوگا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اس نے دوسری شادی بھی اتنے سال پہلے کی ہوگی۔'' ابا حساب کتاب لگا رہے تھے اور ابرش کا ذہن سن ہو چکا تھا۔

''ویسے حیرت کی بات تو ہے۔ کیونکہ نو دس سال پہلے بھی فضل کوئی کام دھندا تو کرتا نہیں تھا۔ پتا

نہیں یہ کون عقل کی اندھی تھی جو اس سے شادی کرلی۔" وہ واقعی متحیر تھے۔

"نہیں ابا...... میرا دل نہیں مانتا۔ کوئی اور وجہ بھی تو ہوسکتی ہے۔" اضطراری کیفیت میں انگلیاں چٹخاتے ہوئے اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"کوئی اور بات کیا ہوگی بھلا، تجھے لگتا ہے۔ میں ایویں چھلانگ مار کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں؟" ابا جی کا لہجہ تیز ہوچلا۔

"تو فضل کو اتنا نہیں جانتی جتنا میں جانتا ہوں۔ پینتیس سال ہوگئے ہیں اس رشتے داری اور محلے داری میں اگر وہ اس کا بیٹا نہ ہوتا تو اسے کیا ضرورت تھی پرائے لونڈے کو بغل میں لیے لیے گھومنے کی۔ پھر وہ پیاز، ٹماٹر کے تھیلے، جا کر پوچھ اپنی خالہ سے ۔زندگی میں بھی سبزی کے نام پر فضل ایک پاؤ پیاز بھی گھر لایا ہے؟ اور جدھر وہ گیا وہ محلہ، ...... یہاں سے کتنی دور ہے کچھ اندازہ ہے؟ بات کرتی ہے۔"

ابرش اندر سے دہل کر رہ گئی تھی اس بار اختلاف بھی نہ کر پائی۔

"تو ابھی اپنی ماں کے سامنے یہ ذکر مت کرنا۔ اول تو مانے گی نہیں۔ بحثیں کرے گی اور مان لیا تو پریشان ہوجائے گی۔"

"اماں کیا پریشان ہوں گی، ابا پریشان تو خالہ ہوں گی۔ اف میری پیاری خالہ کیا بیتے گی ان پر جب انہیں پتا چلے گا۔" ابرش کا تو سوچ کر ہی خون خشک ہونے لگا۔

"ہمم ......" ابا جی نے ہنکارا بھرا۔ "اس بے چاری نے تو ویسے ہی ساری زندگی کبھی فضل سے کوئی سکھ نہیں دیکھا۔ اب آخری عمر میں یہ بدنامی الگ۔ لوگ تو یہی کہیں گے ناں کہ بیٹے کے لیے دلہن لانے کی عمر میں اپنے سر پر سہرا سجالیا۔"

بدحواسی میں رات ابرش نے ہاشم کو کئی میسج کردیے۔ آدھی رات تک بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی۔ ابا جی تو ویسے ہی ان کے رشتے کے خلاف تھے۔ اسے یہی خیال ہولا رہا تھا کہ اگر ان کی بات سچ ثابت ہوئی تو ان کے ہاتھ ایک اور بہانہ آجائے گا۔ حالانکہ ابھی تک بات کنفرم بھی نہ ہوئی تھی پھر بھی انہوں نے کتنا کچھ کہہ ڈالا افضل خالو کے لیے۔

ہاشم نے بھی آج جیسے اس کے صبر کا امتحان لینے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ شام کو کہیں جا کے اس کی کال آئی۔ اور وہ اس پر برس پڑی۔

"واہ...... کیا بات ہے تمہاری بڑی جلدی خیال آ گیا فون کرنے کا۔ کل رات کے میسجز کیے ہیں۔ انتظار کر کر کے سوکھ گئی اور تمہیں پرواہ ہی نہیں، کہ کوئی ضروری بات بھی ہوسکتی ہے۔ تم اگر ڈاکٹر ہوتے تو تمہارے مریضوں کا تو خدا ہی حافظ تھا۔"

"ارے یار......" وہ اس اچانک حملے پر بوکھلا گیا۔ "کل رات تمہارا میسج دیکھتے ہی تمہیں فون کرنے والا تھا پھر سوچا تم سو رہی ہوگی۔ صبح اٹھ کر پہلا کام یہی کروں گا مگر صبح ہی صبح آپا کی وجہ سے نیند خراب ہوئی تو دماغ بھی خراب ہوگیا۔ اسی وجہ سے بالکل یاد نہیں رہا۔ تم ایک اور میسج کر کے یاد دلا دیتیں یا خود فون کر لیتیں۔" وضاحت دیتے ہوئے ہاشم نے جب یہ بات کی انداز اگرچہ الزام دینے والا نہیں تھا پھر بھی ابرش سلگ گئی۔

"ہاں...... میں نے تمہیں یاد نہیں دلایا۔ یہ بھی میری ہی غلطی ہے۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ خیر چھوڑو کیا بات تھی؟"

"نہیں بتانا اب......" وہ سخت تپی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب نہیں بتاؤ گی؟"

ابرش نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی کیفیت پر قابو پایا۔

ہاشم نے جس طرح آج پورا دن اسے انتظار کروایا تھا، اس کے بعد تو اس کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے نہ بتائے مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے یہ بات بتائے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔

"بتاؤ ناں کیا بات ہے۔ آج پورا دن ذہن سے نکلا ہوا تھا۔ اب دوبارہ مجھے بے چینی ہورہی

ہے۔" اس کی خاموشی پر ہاشم کو پریشانی ہونے لگی۔
"تمہارے گھر کی سبزی کون لاتا ہے؟"
"کیا......؟" اس قطعی غیر متعلق سوال پر ہاشم کی آواز بلند ہوئی۔ یقیناً سیل کو گھور کر بھی دیکھا۔
"بولو؟"
"تم بولو...... الٹی سیدھی ہانکنے کے بجائے مجھے بتاؤ کہ وہ ضروری بات کیا تھی۔" اب اسے غصہ آنے لگا۔
"پہلے تم اس سوال کا جواب دو پھر بتاتی ہوں۔" ابرش نے کوئی اثر نہ لیا۔
"اماں لاتی ہیں روز کے روز مارکیٹ سے تازہ سبزی، اب بولو۔" اس نے چڑ کر جواب دے ہی دیا۔
"تم نہیں لاتے؟" اس نے اگلا سوال کیا۔
"ایک دوبار کوشش کی تھی۔ اماں کو تسلی نہیں ہوتی میری لائی ہوئی سبزی سے۔"
"اور خالو......؟" ابرش کا لہجہ سوچتا ہوا تھا۔
"ان کو تو رہنے ہی دو۔" وہ استہزائیہ ہنسی ہنسا۔ "دیکھو ابرش، مجھے نکلنا ہے ابھی کسی کام سے...... تمہیں بات کرنی ہے یا نہیں؟"
"ٹھیک ہے۔" ابرش نے گہری سانس لی۔ "ابا جی نے کل خالو کو مارکیٹ میں دیکھا سبزی خریدتے ہوئے۔"
"تو......؟"
"ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ وہ مارکیٹ سے دوسرے محلے میں گئے۔ ابا جی ان کے پیچھے تھے۔"
"اوہ......" ہاشم کی سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "تو خالو وہاں یہ کرنے گئے تھے۔" جاسوسی والا جو کام وہ نہیں کر پایا۔ وہ خالو کر گئے تھے۔
"ابا کو لگتا ہے خالو نے دوسری شادی کر رکھی ہے اور وہ بچہ ان کا بیٹا تھا۔ تم جانتے ہو ابا جی کو، یہ بات سچ نکلی تو ان کے ہاتھ ایک اور بہانہ آ جائے گا ہمارا رشتہ نہ کرنے کا۔"
"اللہ نہ کرے جو یہ بات سچ نکلے۔" ہاشم بھڑک گیا۔ "کیسی باتیں کر رہی ہو۔" وہ اضطراری قدموں سے ٹہلنے لگا۔
"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ سچ نہ ہو۔ تم پتا لگاؤ جلد از جلد، پوچھو ان سے یا کسی اور طریقے سے مجھے نہیں پتا۔ مگر کچھ کرو۔" ابرش روہانسی ہوگئی۔
"میں پتا لگاتا ہوں۔" ہاشم نے سنجیدہ لہجے میں کہہ کے فون کاٹا تھا۔
ابرش نے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں میں اپنا تپتا ہوا چہرہ چھپا لیا۔

☆☆☆

تین دن ہو گئے تھے اسے ابا جی پر نظر رکھے۔ کام دھندا چھوڑے بیٹھا تھا۔ ان سے کچھ پوچھنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ خود اسے ابھی ابرش کے بتائے گئے خالو جی کے خدشے پر ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔ پھر ایسی بے تکی بات وہ ابا سے پوچھتا تو کہیں ان سے چھتر ہی نہ کھا بیٹھتا۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ تو تھی۔ اور وہ کیا تھی۔ اسی کا پتا لگانا تھا۔
پھر ابا جی بھی تین دنوں سے گھر پر ہی ڈیرا جمائے بیٹھے تھے۔ جیسے انہیں ہاشم کے ارادوں کی خبر ہوگئی ہو۔ ایک آدھ بار نکلے بھی تو ایک بار ہاشم نے ان کے تعاقب میں خود کو پان کے کھوکھے میں پایا اور دوسری بار نواب چاچا کی بیٹھک میں۔ جہاں فارغ وقت میں محلے بھر کے والد صاحبان تاش کی محفل جمایا کرتے تھے۔
تیسرے دن ان کی توجہ خود ہی اس کی طرف ہوگئی۔
"کیا بات ہے، پچھلے دو دن سے میں دیکھ رہا ہوں تو گھر میں موبائل پر نظریں گاڑے بیٹھا ہے۔ دکان کیا کسی کو بیچ باچ دی؟"
"نہیں ابا۔ کام نہیں ہوتا آج کل زیادہ ویسے صبح میں ایک چکر لگا آتا ہوں۔" اسے کوئی نہ کوئی بہانا تو بنانا تھا۔
"واہ...... جیسے وہ تو تیرے سگے ہیں۔ تیرے نہ

ہوتے ہوئے بھی ایمان داری سے کام کریں گے۔ کوئی کچھ لوٹ کر چلتا بنا تو۔" انہیں غصہ آگیا۔ ریموٹ ٹیبل پر رکھ کر پوری طرح رخ اس کی جانب موڑلیا۔

"دکان میں ہے کیا لوٹنے کے لیے ابا جی۔" اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی بیزاری میں ڈھلا۔

"کیوں وہ اتنی قیمتیں مشینیں کیا تیرا دادا تیرے لیے چھوڑ کر مرا تھا؟ جس کی لوٹے جانے کی تجھے کوئی فکر نہیں۔ تیری ہی محنت کی کمائی تھی ناں؟"

"ابا جی...... اتنی بھاری مشینیں کوئی کیسے لوٹ کر جا سکتا ہے اور لے کر جائے گا تو پورا چوک نہیں دیکھے گا۔ کیوں مذاق کرتے ہیں۔" اس کی نظریں عادل کے میسج پر تھیں۔ جو اسے باہر آنے کا کہہ رہا تھا۔

"چل...... ابھی اٹھ...... دکان میں جا کر بیٹھ۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ "موبائل میں ہی لگے رہنا ہے تو یہ کام دکان میں کر ادھر بیٹھ کر نہیں۔"

"اف......" وہ زچ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "خود تو جیسے جوانی میں سکندر اعظم تھے جواب میرا دو منٹ بھی فارغ بیٹھنا ان سے دیکھا نہیں جاتا۔" وہ دل ہی دل میں جھلاتے ہوئے گھر سے نکل آیا تھا۔

دکان جانے کے بجائے وہ عادل کے کیفے کی طرف آیا۔

"تجھ سے کیا محلے کے کسی لونڈے نے چھیڑ چھاڑ کی تھی جو تیری اماں نے تجھے پردہ کرا کے گھر بیٹھا دیا۔" عادل نے اسے دیکھتے ہی جو طنز کیا تو تپے ہوئے ہاشم کا میٹر اور گھوما۔

"بکواس بند کر...... مجھے سنانے والے پہلے ہی کم نہیں ہیں۔ اب تو بھی دماغ چاٹے گا۔"

"کون کون ہیں، ذرا بتا تا تو۔" عادل نے اسے گھور کر دیکھا۔

"چھوڑ...... چائے پلا اچھی سی...... سر میں درد ہو رہا ہے۔" وہ پیشانی مسلتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھا۔

عادل نے مڑ کر اپنے ملازم لڑکے کو دو چائے لانے کا کہا اور اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا۔

"بتا...... کیسے چل رہے ہیں تیرے مسئلے۔" عادل بغور اس کی مضطرب صورت دیکھ رہا تھا۔

"ویسے تو میں گھر سے نکلنا نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر اماں آپا کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہیں تو میں نے سوچا ابا جی گھر کو تالا تو نہیں لگا سکتے۔ اسی لیے نکل آیا۔"

"تیری یہ بات میری پلے بالکل نہیں پڑی۔" عادل ہونق سا بن گیا۔

"میرے مسئلے تیرے پلے پڑ بھی نہیں سکتے۔" ہاشم ہنسا۔

"ہاں......" عادل نے سر ہلایا۔ "مجھے کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنی جس کے ابا کو میں ایک آنکھ نہیں بھاتا۔"

"اور تیرا ابا میرے ابا جیسا بھی نہیں۔" ہاشم نے لقمہ دیا۔

"خیر...... یہ بات مت کر۔" اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ "تھوڑی بہت چنگیزی تو دنیا کے ہر ابا کی فطرت میں ہوتی ہے۔"

"تو کمینہ ہے۔" ہاشم چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"دیکھ ابا نے اپنی بارہ من کی بھتیجی میرے متھے ماری دی۔ میں پھر بھی کچھ بولا؟ کبھی شکایت کی؟ نہیں دیکھ میں خوش ہوں۔" عادل نے دو ہاتھ پھیلائے۔

"تو نے کبھی خوب صورت لڑکی دیکھی ہو تو اس پر اعتراض بھی کرے، غلطی تیری نہیں ہے۔" ہاشم نے بڑے سنجیدہ انداز میں اس پر چوٹ کی۔ "اور میں بھی چاہتا ہوں کہ ابا اپنی نہیں تو اپنی بیوی کی ایک من کی بھانجی میرے متھے مار دیں۔ مگر ان سے یہ کام بھی نہیں ہو رہا۔"

"وہ کام تیرے ابا کے نہیں تیرے خالو کے ہاتھ میں ہے کم از کم اس بات کے لیے تو انہیں الزام

مت دے۔" عادل کا انداز ملامت کرنے والا تھا۔
"ارے یار" ہاشم کو اچانک ہی جانے کیا یاد آیا تھا کہ وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"کیا ہوا؟"
"آج خالو کو ہاسپٹل لے کے جانا تھا اور میں بھولے بیٹھا ہوں۔" ہونٹ بھینچتے ہوئے اسے خود پر غصہ آرہا تھا۔ ابا کے چکر میں وہ انہیں بالکل بھول گیا تھا۔
"ٹھیک ہے۔ چائے تو پی لے کم سے کم۔" عادل نے اسے روکنے کی کوشش کی۔
"وہ اب تو ہی پی، اب مجھے پتا چلا تیرا کیفے دن بدن ویران کیوں ہوتا جارہا ہے ایسے ست ملازم رکھے گا تو یہی حال ہوگا۔"
"اور تو بھی باز آجا...... یوں اپنے خالو کے آگے پیچھے پھرنے سے تیری دال نہیں گلنے والی۔" عادل نے بھی یوں غصہ نکالا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ جلدی جو اتنی تھی وہاں پہنچا تو پتا چلا خالو اس کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد کاشف کو بلانے ہی والے تھے۔
اس کا نام سنتے ہی اس نے اندر ابھرتے غصے کو ضبط کر کے پوچھا۔
"کیوں خالو جی، میں مر گیا تھا جو آپ سے لفنگے کو بلانے والے تھے۔"
"لفنگا کیوں بھئی۔" خالو کو اس کی موت کی بات سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ کاشف کو لفنگا کہنے پر تڑپ گئے۔ "صبح و شام مسجد کے دروازے پر ہوتا ہے۔ دیکھتے ہی سلام کرتا ہے جب سے یہ حالت ہوئی ہے مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر سہارا دینے کو آتا ہے۔ بڑا ہی پیارا اور نیک بچہ ہے۔" خالو نے ایک ہی سانس میں اس کی جو خوبیاں بیان کیں۔ ہاشم کے لیے بس غش کھانے کی ہی کسر رہ گئی تھی۔ وہ کیا جانتا نہ تھا کاشف کو ایک نمبر کا آوارہ تھا۔
"مسجد کے دروازے پر تو چپل چور اور بھکاری بھی ہوتے ہیں۔" وہ کہہ سکتا تھا مگر خاموش رہا ذہن میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔
"کہہ رہا تھا آپ کو کوئی ضرورت ہو، سودا سلف لانا ہو یا آپ کو اسپتال لے جانا ہو مجھے بس ایک اشارہ کر دینا۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا تیرا شکریہ مگر میرا بھانجا ہے یہ کام کرنے کو۔ وہ لے جائے گا۔" خالو جی کہہ رہے تھے۔
انہیں سہارا دے کر گاڑی تک لاتے ہوئے ہاشم کا ذہن اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ کاشف اتنا بیبا کب سے بن گیا۔ پتا لگانا پڑے گا۔

☆☆☆

ماں شدید غصہ تھیں اور ہوتی بھی کیوں ناں، آپا جس جگہ انہیں لے کر گئی تھیں یہ کہتے ہوئے۔ "قریب ہی ہے اماں، پانچ منٹ کا رستہ بھی نہیں۔ خواہ مخواہ رکشے والے کو پیسے کیا دینے۔"
اماں کی بھی مت ماری گئی تھی۔ جو سوچا چلو ٹھیک ہے پیر کھلیں گے۔ ڈاکٹر نے ویسے بھی پچھلے دنوں انہیں واک کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ مگر سمیرا نے حقیقی معنوں میں انہیں برسوں پہلے مری ہوئی نانی یاد دلا دی۔
مین روڈ کے بجائے اس تنگ چکر دار گلیوں میں انہیں زیادہ نہیں تو بیس منٹ تو ہو ہی گئے تھے اور جب اماں کی ہمت اور پیر ایک ساتھ جواب دینے لگے تب کہیں جا کے منزل مقصود کے آثار نظر آئے۔
وہاں پہنچ کر ان کی رستے بھر کی تھکن اور کلفت دور ہو بھی جاتی مگر جب لڑکی کو بلایا گیا تو اماں کا دل چاہا۔ ابھی یہیں اپنی جوتی اتاریں اور میزبانوں کا لحاظ کیے بنا سمیرا پر برسا دیں۔
یہ وہ لڑکی تھی جس کی تعریف میں سمیرا زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔ بلکہ کیا اسے لڑکی کہنا بھی ٹھیک تھا — تحیم شحیم کم سے کم بھی نوے کلو کی لمبی چوڑی خاتون کو، جس کی عمر کہیں سے بھی انہیں پچیس کی نہیں لگ رہی تھی۔ سمیرا نے انہیں یہی بتایا تھا۔
"تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے اماں! گھر میں دولت کی ریل پیل ہے کھاتا پیتا گھرانا ہے۔

انہیں بس اپنی بہن کے لیے شریف اور خاندانی لوگ چاہئیں۔" اماں پہلے متردد تھیں۔ پھر انہیں ہاشم کا بھی پتا تھا کہ وہ کبھی راضی نہیں ہوگا۔

راضی تو خیر وہ بھی نہیں تھیں مگر سمیرا آپا ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں۔

"ایک بار دیکھ تو لیں اماں، دیکھنے میں کیا حرج ہے۔ بے شک رشتہ نہ مانگنا، اگر ابرش کا رشتہ کہیں اور ہو گیا تب چلیں گے با قاعدہ ہاتھ مانگنے۔"

انہوں نے اس انداز میں بات کی کہ اماں کو مانتے ہی بنی۔ ٹھیک ہے ایک بار دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

جانے کی بات بنی تو سمیرا آپا کے ذہن میں ایک دوسرے خیال نے سر اٹھایا کہ خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگتا۔ سو اماں سے مٹھائی اور ربڑی منگوانے کا کہا۔

"میٹھا کس لیے؟ رشتہ پکا کرنے تھوڑی جا رہے ہیں، مٹھائی رہنے دو، کچھ فروٹ وغیرہ لے لیں گے۔" اماں کو کوفت ہونے لگی۔

"افوہ اماں، آپ کو نہیں پتا آج کل سب یہی کرتے ہیں۔ صرف لڑکی بھی دیکھنے جاؤ تو پتا نہیں کیا الا بلا لے جاتے ہیں ساتھ اور انہیں بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ ہم کوئی ٹٹ پونجیے نہیں۔"

"ٹھیک ہے مگر مٹھائی نہیں۔ وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم رشتہ مانگنے جا رہے ہیں۔" اماں کو یہ آئیڈیا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"ارے کیسے سمجھیں گے۔ ہم رشتے کی بات ہی نہیں چھیڑیں گے تو کیسے سمجھیں گے۔"

سمیرا کا جوش سوا نیزے پر پہنچا ہوا تھا تب اور اب، لڑکی کو دیکھ کر اماں کا غصہ اور پھر جیسے وہ لوگ آؤ بھگت کر رہے تھے۔ اماں دل ہی دل میں شرمندہ ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی انہوں نے سمیرا کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ ٹھٹکیں۔ "کیا اماں، ابھی تو آئے ہیں تھوڑی دیر تو......" دبے لہجے میں کہتے ہوئے جب انہوں نے اماں کی آنکھوں سے چھلکتی، وغیظ وغضب کی چنگاریوں کو محسوس کیا تو خاموشی سے اٹھنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس کا ارادہ شاید ان لوگوں سے پورا پورا اہتمام کروانے کا تھا۔ مگر اماں نے اس کے ارادے پر پانی پھیر دیا۔

سبھاؤ سے ان سے بہانا کرتے ہوئے اماں نے جانے کی اجازت لی تھی۔

وہاں سے نکلتے ہی انہوں نے رکشے کو ہاتھ دے کر روکا۔ غصے کے باعث اماں کی حرکات میں تیزی آگئی تھی۔ سمیرا کو لپک کر ان کے پیچھے رکشے میں چڑھنا پڑا۔

"اماں...... سنو تو۔"

"نہیں...... تو پہلے میرے ایک سوال کا جواب دے۔" اماں نے ان کی جانب رخ کیا۔ "تجھے یہ بات کس نے بتائی کہ ہاشم تیرا سگا بھائی نہیں۔"

"کیا......؟" وہ ساکت ہوئیں۔ "کیا ہاشم میرا سگا بھائی نہیں؟" پھر چلائیں۔

"اری او کم بخت، جب تو ہاشم کو سگا بھائی سمجھ کر ہی اس کے لیے رشتہ دیکھنے گئی تھی تو کیا تجھے وہ لڑکی نظر نہیں آئی۔" اماں نے دانت پیسے اور تب کہیں آپا کو ان کا طنز سمجھ میں آیا۔

"اف اماں...... حد کرتی ہو تم بھی۔" وہ جھنجلا گئیں۔ "بھلا کیا برائی تھی لڑکی میں...... ایک ذرا موٹی ہی تھی ناں۔ عادل کی منگیتر کو دیکھا تھا منگنی میں؟ زیادہ سے زیادہ ایک سو دس کے جی کی تو تھی ہی۔ پھر بھی عادل کیسے باچھیں پھیلائے بیٹھا تھا اس کے ساتھ۔"

"تو عادل کی منگیتر سے ہاشم کا کیا لینا دینا۔" اماں ذرا نہ سمجھیں۔

"تو دونوں دوست ہیں، ہم مزاج ہیں۔ پسند بھی ایک جیسی ہوگی۔ اگر درمیان میں یہ ابرش نام کا کانٹا نہ ہوتا تو ہاشم کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ آج کل کے لڑکوں کو تھوڑی پسند ہیں ابرش جیسی سوکھی سڑی لڑکیاں...... اس نے خود سے نہ پھنسایا ہوتا تو پوچھتی

pklibrary.com

میں۔"

انہوں نے تنفر سے سر جھٹکا۔ بڑا شدید قسم کا غصہ آرہا تھا...... "اب اگر تم نے اور بکواس کی تو میں تجھے اس چلتے رکشے سے دھکا دے دوں گی۔ مجھے مجبور نہ کر۔" اماں غضب ناک تھیں، وہ چپکی ہو رہیں۔

پھر سارا رستہ منہ بند ہی رکھا، تب بھی کچھ نہ بولیں جب اماں نے خالہ کی گلی کے سامنے رکشہ رکوایا۔ وہ سمجھ گئی تھیں اماں سے مزید کچھ کہا یا اعتراض کیا تو کہیں سچ میں مار نہ کھالیں۔

"عنایت بھائی کی طبیعت پوچھنی ہے۔ دو دن سے آنا چاہ رہی تھی۔" اماں نے خود ہی وضاحت دینے کی مہربانی کرلی۔ وہ پھولے ہوئے منہ کے ساتھ ان کے پیچھے ہولی تھیں انہیں دروازہ کھلا ملا۔

اندر داخل ہوئے تو کچن سے نکلتی ابرش انہیں دیکھ کر ایک دم کھل گئی تھی۔

"امی! خالہ آئی ہیں۔" چلا کر کہتے ہوئے وہ دوڑ کر ان کے سینے سے لگی۔ اماں نے بڑی محبت سے اس کے گرد بازو لپیٹے۔ سمیرا کی دکھائی گئی لڑکی کو دیکھنے کے بعد انہیں ابرش کچھ زیادہ ہی حسین اور نازک نظر آرہی تھی۔ اس سے تو ان کا گھر سج جاتا۔ ویسے تو انہیں پتا تھا کہ ابرش بھی انہیں بہت چاہتی ہے مگر آج اماں کو اس کے انداز میں بھی گرم جوشی زیادہ محسوس ہوئی تھی۔

اس نے سمیرا آپا کی سمت بھی بڑھنا چاہا مگر انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا کر اس کی یہ کوشش ناکام بنادی۔

"گلے تو یوں مل رہی ہے جیسے میری بڑی چہیتی ہو۔" وہ پہلے ہی جل بھن رہی تھیں۔ ابرش نے بنا کوئی خاص تاثر دیں ہلکی سی مسکراہٹ سے ان کا ہاتھ تھاما۔ اسی اثناء میں خالہ بھی چلی آئیں۔

"واہ زرینہ...... بڑی جلدی خیال آ گیا آنے کا۔ جس دن ہاشم عنایت کو گھر چھوڑ کر نکلا۔ میرا خیال تھا تم یہ بات سنتے ہی دوڑی آؤ گی۔ مگر وہ دن اور آج کا دن ہاشم نے بتایا نہیں تھا یا تمہیں فرصت نہیں ملی......" عاصمہ نے انہیں دیکھتے ہی اتنے دنوں کا دبا ہوا غصہ نکالا۔

"آنا تو چاہ رہی تھی مگر جانتی تو ہے اکیلی جان ہوں، ایک کام نمٹاؤں تو دس اور نکل آتے ہیں۔ تم لوگوں نے بھی رولا ڈالا ہوا ہے۔ ابھی ہاں بولو تو لے جاؤں اپنی امانت کو۔" اماں کو پھر سے آج گھر سے نکلنے کا سبب یاد آیا تو آواز میں ناراضی سی در آئی۔

عاصمہ جز بز ہوئیں۔

"آپ لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں چلیں ناں اندر...... گرمی ہے یہاں......" ابرش نے ہی بات بدلتے ہوئے اس لمحاتی تناؤ کو زائل کرنا چاہا تھا۔

"عنایت کا چیک اپ تھا آج۔ ہاشم انہیں اسپتال لے کر گیا ہے۔" ان کے بیٹھنے کے بعد خالہ نے بتایا تھا۔ غیر موجودگی انہوں نے پہلے ہی محسوس کرلی تھی۔

سمیرا آپا نے پہلو بدلا۔ "ہاں بھئی...... مفت کا نوکر جو ملا ہے۔ بیٹی دینی نہیں اور خدمتیں کروالو۔"

تھوڑی دیر میں ہاشم خالو کو لے کر آ گیا۔ خود تو وہ فوراً ہی رخصت ہو گیا تھا ٹھہرنا تو انہیں بھی نہیں تھا مگر عاصمہ نے ضد کر کے کھانے کے لیے روک لیا اور آتے ہوئے جب ابرش نے ابا اور ہاشم کے لیے کھانا باندھا تو اماں کو ایک بار پھر جی بھر کے ابرش پر پیار آیا تھا۔

☆☆☆

"یہ خالو اب کس چکر میں ہیں؟"

اس وقت وہ دکان میں اکیلا تھا جب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ابرش کو کال ملائی۔

"کیا مطلب...... کس چکر میں ہیں؟" اس کی چونکی ہوئی آواز ابھری۔

"محلے کے سب سے آوارہ لڑکے کی تعریفیں کر رہے تھے میرے سامنے...... جیسے میں اس کا کچا چٹھا جانتا نہیں۔" وہ چاہ کر بھی لہجے پر قابو نہیں پا سکا۔

"مطلب حد ہوتی ہے یار...... خدا کی قسم...... میں نے خالو جیسا انسان آج تک نہیں دیکھا...... اس لوفر ترین

pklibrary.com

انسان کے عیب انہیں دکھتے نہیں اور میری کوئی خوبی انہیں نظر نہیں آتی۔"

"اگر وہ اتنا ہی آوارہ ہے تو ابا اس کی تعریف کیوں کر رہے تھے؟" ابرش کچھ دیر تو خاموش رہی تھی پھر کہا تو لہجے میں حیرت تھی۔

"مجھے کیا پتا...... کر رہا ہوگا ان کے سامنے کوئی ڈرامہ...... ویسے خالو جی کی یہی بات ہے...... انہیں بس دکھاوا پسند ہے۔ ان کے سامنے اگر دجال بھی آ گیا ناں...... ٹوپی پہنے، سلام کرتے، وہ اس پر بھی ایمان لے آئیں گے۔"

"تو جب تمہیں پتا ہے کہ وہ ایسے ہیں تو تم بھی کر لو ان کے سامنے تھوڑا دکھاوا۔" خلاف توقع ابرش نے نہ تو اس کی بات پہ غصہ کیا نہ معترض ہوئی بلکہ الٹا دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"نہیں کر سکتا...... چاہے انہیں مجھے قبول کرنے میں ایک ہزار سال لگ جائیں۔"

ابرش نے ایک گہری سانس لی۔ "جانتے ہو اسی کاشف کی اماں چکر لگا رہی ہیں ہمارے گھر کے۔" اس نے یہ بات نہیں کی تھی ایک طرح سے ہاشم کی دم پر پیر رکھ دیا تھا۔

وہ اچھل کر رہ گیا۔ "کیا......؟"

"پہلی بار میں اماں نے منع کیا تھا مگر اس کے بعد بھی کئی بار آ چکی ہیں۔ کل ابا کے سامنے آ گئیں۔ بعد میں انہیں بتانا پڑا کہ وہ کس لیے آ رہی ہیں۔ اس پر ابا نے پھر سے اس لڑکے کی تعریفیں شروع کر دیں۔"

"وہ کیا چاہتے ہیں؟" ہاشم اضطرابی انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پتا نہیں...... شاید وہ سوچ رہے ہوں۔" ابرش کا ٹھنڈا لہجہ ڈرانے والا تھا۔

وہ ٹہلتے ہوئے دکان کے باہر آیا تب ہی سامنے سے آتے ابا پر نظر پڑی۔

"میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں ابرش۔" اس نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے زیادہ سوال کرنے کے بجائے فون بند کر دیا۔

"یا اللہ خیر...... ابا کو پھر کیا ضرورت آن پڑی۔" وہ پلٹ کر اندر آیا، خود کو کام میں مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کر دی۔

"ہاشم......" چند لمحوں بعد ابا اس کے سر پر کھڑے تھے۔

"جی ابا جی......" تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ اس نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

"بات کرنی ہے تجھ سے۔" ان کی نظریں ادھر ادھر چکرا رہی تھیں مگر صاف لگ رہا تھا ان کا ذہن کہیں اور ہے۔ "وہ بچہ کام صحیح سے سیکھ رہا ہے ناں۔"

"جی ابا جی...... لڑکا کافی تیز ہے۔" وہ بغور انہیں دیکھ رہا تھا جو کسی کشمکش کا شکار نظر آ رہے تھے۔

"ہم...... اچھی بات ہے۔ اس کا باپ پوچھ رہا تھا مجھ سے۔" انہوں نے سن کر سر ہلایا پھر ایک دم موضوع سے ہٹتے ہوئے بولے۔ "سن تو اس دن کہہ رہا تھا ناں، مجھ سے کہ تو مجھے چلے پر بھیجنا چاہتا ہے؟"

"چلے پر نہیں ابا جی...... چار مہینوں کے لیے۔" اس نے تصحیح کی۔ دل ایک حیرت آمیز خوشی سے بھر گیا...... کیا ابا سچ میں جانا چاہتے ہیں۔

"ہاں وہی......" انہوں نے سر ہلایا۔ "اور تو نے اس کے لیے پیسے بھی رکھے ہیں؟"

"نہیں......" ہاشم کا اندرونی جوش ایک پل میں جھاگ کی مانند بیٹھا۔ دل بجھ سا گیا۔

"بول۔" وہ پوچھ رہے تھے۔

"ہاں...... رکھے تو تھے۔" اس نے بادل نخواستہ اقرار کیا۔

"مجھے ان پیسوں کی ضرورت ہے۔"

اسے ان سے اسی جملے کی توقع تھی۔ اس نے اپنی مایوسی چھپانے کی بالکل کوشش نہیں کی ایک گہری سانس لیتے اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیرے۔ "ابا جی...... آپ جانتے ہیں۔ وہ پیسے کافی زیادہ ہیں۔"

"ہاں...... میں جانتا ہوں۔" وہ اس کی کیفیت

pklibrary.com

سے بے نیاز تھے۔ "اگر میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے ان کی ضرورت ہے تو میں جھوٹ نہیں بول رہا...... اور تو نے وہ پیسے میرے لیے ہی تو رکھے تھے ناں؟ پھر تجھے کیا مسئلہ ہے دینے میں۔" ان کے لہجے میں ناگواری تھی مگر ہاشم آج ان کی ناراضی یا غصے کی پرواہ کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"مجھے دینے میں مسئلہ نہیں ہے ابا جی۔ میں بس پوچھ رہا ہوں۔ وہ ضرورت کیا ہے۔ آپ کو مجھے بتانا پڑے گا۔"

سنجیدگی سے کہتے ہوئے ہاشم نے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ کچھ دیر تو اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے پھر کہا۔

"وہ اپنا عثمان نہیں ہے؟"

"ہاں......" ہاشم کی سمجھ میں نہیں آیا۔ عثمان چاچا انہی کی گلی میں رہتے تھے اور ابا کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔

"چند دنوں میں اس کی بیٹی کی شادی ہے۔ وہ کافی پریشان ہے۔ اس نے مجھ سے ذکر کیا۔ پیسے نہیں مانگے بس پریشانی بتائی۔ تو مجھے ان پیسوں کا خیال آیا۔ میں تو ویسے بھی جانے سے رہا۔ وہ پیسے اگر ابھی بھی تیرے پاس ہیں تو کسی کا بھلا کرنے میں کیا حرج ہے۔ چاہے قرض سمجھ کر ہی سہی۔ کچھ تو بے چارے کی فکر کم ہوگی۔"

ہاشم انہیں ساکت نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آرہا تھا کیا واقعی وہ یہ پیسے کسی کی مدد کی نیت سے مانگ رہے تھے۔ شاید انہوں نے بھی یہ بات محسوس کرلی۔

"دیکھ...... اگر تجھے مجھ پر یقین نہیں ہے۔ تو خود پتا کرلے۔ بلکہ پوچھ لے عثمان سے۔ پیسوں کے بارے میں نہ پوچھنا۔ بس شادی کے بارے میں پوچھنا۔ بتا دے گا۔"

"ٹھیک ہے ابا جی......" اس نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ "ابھی دیر ہوگئی ہے۔ بتاتا ہوں آپ کو۔"

وہ مطمئن ہوکر رخصت ہوگئے تھے۔

وہ سوچ رہا تھا۔ اتنی بڑی بات ابا جھوٹ نہیں بولیں گے۔ وہ بھی اس صورت میں جب اسے تصدیق کرنے کا بھی کہہ رہے تھے۔ پھر بھی اس کا خیال تھا اسے ایک بار عثمان چاچا سے مل لینا چاہیے۔ ابا آج کل ویسے بھی مشکوک حرکات کررہے تھے اور وہ ابھی تک پتا نہیں لگا پایا تھا۔ یہاں تو کم از کم اسے اپنی تسلی کرنے کا موقع مل رہا تھا اور شاید ابا جی کی ذات سے بھی یہ شکوک شبہات کے بادل ذرا چھٹ جاتے۔

☆☆☆

ابرش نے ہاشم سے جھوٹ بولا تھا مگر اب شرمندگی محسوس کررہی تھی...... اپنے لیے آئے گئے رشتے کی بات ہاشم سے کرتے ہوئے اس نے تھوڑا سا مسالا اپنی طرف سے بھی ڈال دیا تھا۔ اس لڑکے کی اماں آئی تو تھیں مگر ابا اس بات سے بالکل انجان تھے۔ اور نہ ہی بھی انہوں نے امی کے سامنے کاشف کی تعریفیں کی تھیں۔ وہ تو جب ہاشم نے تپے ہوئے انداز میں بات چھیڑی تو ابرش کو اسے مزید ڈرانے کا آئیڈیا آیا۔

ہاشم نے بھی تو ضد باندھ لی تھی کہ بالکل نہیں بدلے گا۔ لوگ اپنی محبت کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے اور وہ اس کے لیے ذرا سا دکھاوا نہیں کرسکتا تھا۔ انہوں نے کون سا اس کے انڈر ورلڈ کا ڈان بننے کی شرط عائد کی تھی۔ ابرش کو لگنے لگا تھا اگر وہ اور ہاشم ایک نہ ہو پائے تو اس کے ذمہ دار صرف ابا نہیں ہاشم بھی ہوگا۔

"میں کہہ رہی ہوں ابرش کے ابا...... اب سے آپ کو کوئی بھی کام ہوا، کوئی بھی ضرورت ہوئی...... آپ ہاشم کو نہیں بلائیں گے۔" امی سبزی کی ٹوکری لیے تخت پر آ بیٹھی تھیں، مخاطب ابا تھے جو منتظر بیٹھے تھے کیونکہ ابرش پاس ہی کھڑی موبائل میں ان کے مولانا صاحب کا بیان لگا کر دے رہی تھی۔

ابا امی کی بات پر چونکے ضرور مگر سمجھے نہیں اس لیے اچنبھے سے کہا۔ "ہیں...... کیا کہا؟" ابرش بھی نا

pklibrary.com

سمجھی کی کیفیت میں انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''میں کہہ رہی ہوں۔ یہ جو آپ کو میرے بھانجے سے خدا واسطے کا بیر ہے نا، اسے پوری طرح نبھائیں۔ عیب گنوانے پر آتے ہیں تو دنیا میں اس سے خراب لڑکا کوئی نظر نہیں آتا۔ ضرورت پڑتی ہے تو سب سے پہلے اسے پکارتے ہیں نوکر نہیں ہے وہ آپ کا۔'' امی کے انداز میں غصہ نہیں سنجیدگی تھی شدید قسم کی۔

''یہ دیکھ......'' ابا نے ابرش کو یوں دیکھا جیسے شکایت کر رہے ہوں۔ ابرش نے موبائل پر سر جھکا لیا۔ وہ ان کی حمایت میں کچھ نہیں بول سکتی تھی کیونکہ اس معاملے میں وہ خود بھی امی کی ہم نوا تھی۔

''اری او کم عقل عورت...... مجھے اس سے کوئی بیر نہیں ہے۔ میں تو اس کی فکر میں بولتا ہوں جو بولتا ہوں۔ کسی کی عاقبت کی فکر کرنا یا اسے دین کی دعوت دینا کیا کوئی بری بات ہے۔ بول؟''

''یہ بری بات نہیں ہے مگر محض اس وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا کہ وہ دین سے دور ہے یا نماز نہیں پڑھتا، یہ بری بات ہے، آپ صوم وصلوۃ کے پابند ہیں اس کی توفیق آپ کو اللہ نے دی ہے۔ آپ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں نا کہ دوسروں کو کافر سمجھیں۔''

ابا حیرت انگیز طور پر امی کی اس تقریر کے جواب میں چند لمحے تو کچھ بولے نہیں۔ شاید دل ہی دل میں الفاظ ترتیب دے رہے تھے پھر جب بولے تو ابرش اور امی دونوں کو حیرت کے جھٹکے لگے۔

''مجھے مسئلہ ہاشم سے نہیں ہے۔ ہاشم اچھا لڑکا ہے۔ بس ایک خرابی کے علاوہ اس میں کوئی برائی نہیں۔ کوئی بری عادت نہیں۔''

''کس برائی کے علاوہ؟'' امی حیرت سے بولیں۔ ''یہی کہ وہ فضل کا بیٹا ہے؟ آپ کے نزدیک تو یہی اس کی سب سے بڑی برائی ہے۔'' امی کے لہجے میں طنز تھا۔ ''مگر اب تو مجبوری ہے اب تو پیدا ہو چکا ہے۔''

ابرش مطلوبہ ویڈیو پوز کر کے سر جھکائے ان دونوں کے مکالمات سن رہی تھی۔ آج تو امی نے بھی اسے حیران کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا وہ پہلی بار انہیں ابا کے سامنے یوں جلی کٹی کہتے ہوئے سن رہی تھی۔

''چھوڑ...... تجھ سے بحث کرنی ہی فضول ہے۔'' چند لمحے امی کو گھورنے کے بعد شاید ابا کو کوئی مناسب جواب نہ سوجھا تو ہاتھ ہلا کر کہتے ہوئے گویا ان کی طرف سے اپنی مایوسی کا اظہار کیا۔

''میں بھی بحث نہیں کر رہی، سچائی بتا رہی ہوں۔ بھلا کسی کے گھر میں پیدا ہونا انسان کے اپنے اختیار میں تھوڑی ہے۔''

''اب تو میرا دماغ خراب کر رہی ہے۔'' آج ابا جی کا جلال بھی دبا دبا سا تھا۔ ''میں نے کب کہا کہ فضل کے گھر میں پیدا ہونا ہاشم کی برائی ہے یا ہاشم کا قصور ہے......؟''

دل میں وہ لاکھ اس بات سے چڑتے مگر اب جب امی ان کے دل میں دبی یہ شکایت اپنے الفاظ میں بیان کرنے لگیں تو وہ ماننے سے صاف انکاری ہو گئے۔ حالانکہ حقیقت یہی تھی، انہوں نے کبھی بھی انفرادی طور پر ہاشم کے بارے میں صرف اس کی ذات کے حوالے سے نہیں سوچا، وہ ہمیشہ ان کے لیے فضل کا بیٹا ہی رہا...... جس کے سدھرنے کے آثار اب اس عمر میں مفقود تھے مگر جب سے ان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ ہاشم کی شخصیت جیسے ایک تاریک گوشے سے نکل کر چکا چوند روشنی میں ان کے سامنے آئی تھی اور وہ اس کا ہر ایک پہلو صاف صاف اور واضح طور پر دیکھنے کے قابل ہوئے تھے اور اب ہی انہیں یہ بات زیادہ چبھنے لگی تھی۔

''تو پھر آپ کس برائی کی بات کر رہے تھے؟''

''کسی برائی کی نہیں۔ ابرش...... بیٹا...... مولانا صاحب کا بیان ملا کہ نہیں؟'' صاف لگ رہا تھا وہ امی کے سوالات سے جان چھڑانا چاہ رہے تھے۔

خاموش کھڑی ابرش نے جھٹ انہیں موبائل پکڑا دیا۔

''ٹھیک ہے پھر...... میری بات یاد رکھے گا۔''

انہوں نے ان کے موبائل میں مگن ہونے سے پہلے ایک بار پھر تنبیہ کرنی ضروری سمجھی اور ابا ایک بار پھر چونکے۔

"کون سی بات؟"

"یہی کہ آپ ہاشم سے کوئی کام نہیں کہیں گے۔"

امی نے چڑ کر اپنی بات دہرائی اور ابا کے تاثرات سے حقیقی غصہ جھلکا۔

"ارے بول تو رہا ہوں، ہاشم سے کوئی شکایت نہیں......کیا چاہتی ہے اب جا کر اسے پھولوں کے ہار پہنا آؤں تو تجھے چین آئے گا؟"

"نہیں......اس کا رشتہ قبول کرلیں تو آئے گا۔" امی کے بے ساختگی سے کہی گئی اس بات نے ابا کو گنگ کر دیا۔

ابرش چپکے سے وہاں سے کھسک آئی۔

☆☆☆

ہاشم عجیب سی کشمکش میں تھا۔ ویسے تو اس نے عثمان چاچا سے ابا کی بات کی تصدیق کرلی تھی۔ اس بات کی نہیں کہ انہیں پیسوں کی ضرورت تھی بلکہ اس بات کی کہ ان کی بیٹی کی واقعی شادی تھی۔

وہ ابا کے دوست تھے، انہوں نے ابا کے سامنے اگر اپنی پریشانی کا اظہار کیا بھی تھا تو ہاشم کے سامنے ایسی کوئی بات کرنے کی شاید ان کی خودداری نے اجازت نہیں دی۔ ہاشم یہ بات سمجھ سکتا تھا لیکن پھر وہی بات کہ اس سے پہلے جو وہ آئے دن پیسوں کا مطالبہ کرتے تھے وہ کیا تھا۔ اور پھر خالو کے خدشات۔

مگر ان سوچوں کے باوجود، جب ابا دوبارہ اس کے پاس آئے تو ہاشم کو بلاچوں چرا انہیں وہ رقم تھمانی پڑی اور ایسا کرتے ہوئے ایک بار بھی اس کے ذہن میں ان کی جاسوسی کرنے کا خیال نہیں آیا۔ لاشعوری طور پر وہ ابا کی بات پر یقین کر چکا تھا۔

☆☆☆

اس شام خالو بھی دکان چلے آئے۔ ان کی طبیعت اب کافی حد تک سنبھل چکی تھی اور اپنے معمولات بھی سرانجام دینے لگے تھے۔ جن میں سے ایک معمول تو ہاشم کی دکان سے گزرتے ہوئے وہاں جھانک کر ایک آدھ منٹ کی تقریر کرنی تھی۔ مگر اس دن خلاف معمول وہ کچھ زیادہ ہی سنجیدہ اور پراسرار سے لگ رہے تھے۔

وہ انہیں دیکھتے ہی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور انہیں ایک کرسی پیش کی۔ "آئیں بیٹھیں ناں خالو جی۔"

"نہیں......میں بیٹھنے نہیں آیا......کچھ بات کرنی تھی تجھ سے۔" ٹوپی اتار کر سر کھجاتے ہوئے ان کا لہجہ ہچکچاہٹ بھرا تھا۔

ہاشم آنکھوں میں الجھن لیے انہیں دیکھنے لگا۔

"تو بیٹھ کر بات کرلیں ناں۔"

"او......ادھر نہیں کرنی۔" وہ جھنجلا کر بولے۔

"تو ذرا باہر میرے ساتھ آ۔" وہ پلٹے۔ ہاشم نے ایک گہری سانس لے کر اپنے معاونین پر نگاہ ڈالی۔ سب کام چھوڑے متجسس نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔ اسے خالو جی کا فیصلہ ٹھیک ہی لگا اور ان کے پیچھے نکل آیا۔ وہ دکان کے باہر ایک طرف کھڑے تھے یہاں کوئی نہیں تھا۔ سوائے گزرتے اکا دکا راہگیروں کے۔

"دیکھ میں تجھے جو بات بتانے لگا ہوں وہ شاید تجھے ہضم نہ ہو۔" خالو نے جس طرح تمہید باندھی، ہاشم ایک لمحے میں بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔

آس پاس ایک طائرانہ نگاہ ڈال کے اس نے خالو کے چہرے پر نظریں جمائیں، جو اتنے پراسرار تاثرات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جیسے اس صدی کا نجانے کون سا بھیانک راز افشا کرنے جا رہے ہوں۔

"تو سننے کے لیے تیار ہے کہ نہیں؟" اس کی خاموشی پر خالو نے پھر سے تصدیق چاہنے والے انداز میں اس کا خون خشک کرنے کی کوشش کی۔

ہاشم کو دل ہی دل میں ان کے انداز پر ہنسی آئی مگر چہرہ سپاٹ ہی رکھا۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ انہیں یہ

pklibrary.com

نہیں بتا سکتا تھا کہ آپ کی بیٹی یہ راز پہلے ہی مجھ تک پہنچا چکی ہے۔

"جی جی خالو...... میں سن رہا ہوں۔ آپ بولیں۔"

"دیکھ تو حوصلہ رکھنا۔ میری مجبوری ہے۔ تجھے یہ بات نہ بتاؤں تو کسے بتاؤں...... اپنی ماں کو اب تو ہی سنبھالے گا۔"

"خدا کے لیے خالو جی...... کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ......" خالو کی لمبی ہوتی تمہید سے زیادہ ان کی اس بات نے ہاشم کو ہراساں کر دیا۔ کیا کوئی اور بات بھی تھی جو ابرش نے اسے نہیں بتائی۔

"مجھے لگتا ہے......" وہ ذرا رکے۔ "فضل نے دوسری شادی کر رکھی ہے سب لوگوں سے چھپا کے۔" آخر انہوں نے بم پھوڑ ہی دیا۔ جو ان کی دانست میں ایٹم بم تھا۔ مگر ہاشم کے لیے پٹاخہ وہ منتظر نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔ "اور......؟"

"اور......؟" خالو نے دنیا جہاں کی حیرت آنکھوں میں لیے اسے دیکھا یہ یقیناً وہ ری ایکشن نہیں تھا جو وہ چاہتے تھے۔ "ارے میں بتا رہا ہوں فضل نے دوسری شادی کر لی ہے اور تو کہہ رہا ہے......اور......"

برہمی، ہیجان اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت میں ان کی آواز ایک دم سے بلند ہوئی تھی۔ اور انہیں فوراً ہی احساس بھی ہو گیا۔ تب ہی سرگوشیانہ انداز میں کہنے لگے۔

"دیکھ، میں جانتا ہوں، تیرے لیے یقین کرنا مشکل ہے۔ مگر تجھے ایک بار اپنے ابا سے بات تو کرنی ہوگی ناں......"

"کیوں مجھے لتر پڑوانا چاہتے ہیں خالو جی!" ہاشم نے پیشانی مسلی۔ "آپ مجھے بتائیں آپ کو کس نے بتایا کہ ابا نے دوسری شادی کر لی ہے......؟" ہاشم کو بڑی مشکل ہو رہی تھی یہ فیصلہ کرنے میں کہ اپنے تاثرات میں حیرانی لائے یا پریشانی......

"میں نے دیکھا خود، اپنی ان دو گناہ گار آنکھوں سے......" انہوں نے جوش سے کہتے ہوئے اپنی آنکھوں کی جانب اشارہ کیا۔

"کیا...... ؟انہیں سہرا باندھتے ہوئے؟" اس نے بے ساختگی سے سوال کیا اور خالو اسے گھورنے لگے۔

"نہیں...... میں کیا تجھے قاضی لگتا ہوں جو اس کا نکاح پڑھوانے گیا تھا...... میں نے اسے مارکیٹ میں دیکھا۔ سبزیوں کا تھیلا اٹھائے، ایک دس سالہ بچے کو بغل میں دبائے۔"

"لیکن خالو جی......" ہاشم کہتے کہتے رکا۔ ان کا احترام بھی ملحوظ خاطر تھا۔ "اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے دوسری شادی کر لی ہے۔"

"تو پھر وہ بچہ کون تھا؟" خالو نے الٹا اسی سے سوال کر لیا۔

"مجھے کیا پتا...... محلے کا کوئی بچہ ہوگا جسے سبزی دلانے بازار لے گئے ہوں گے۔" اگرچہ اس بات کا خود ہاشم کو بھی یقین نہیں تھا مگر اسے کچھ تو کہنا تھا ابا کی صفائی میں۔

"نہ نہ بیٹا جی......" خالو نے پریقین لہجے میں کہتے ہوئے سر ہلایا۔ "میں اس محلے کا بچہ بچہ جانتا ہوں...... وہ اس محلے کا نہیں تھا...... میں تو اس کا پیچھا کر کے پتا بھی لگا لیتا مگر بھلا ہو اس موٹر سائیکل والے کا جس نے مجھے ٹکر مار دی۔"

اس بات پر ہاشم بھنا کر رہ گیا۔ "ہاں سب کا ہی بھلا کیجیے۔ اس کا بھی جس نے آپ کو ٹکر ماری...... بس میرا مت کیجیے گا۔"

"تو اب آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں کیا کروں؟" ہاشم نے بے چارگی سے سوال کیا۔

"سب سے پہلے تو پتا لگا معاملہ کیا ہے۔ پھر اپنی ماں کو بھی یہ خبر تو ہی سنائے گا، انہیں سنبھالنا بھی تیرا ہی کام ہے۔" اپنے تئیں خالو اس کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال رہے تھے۔

ہاشم پرسوچ نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

"آپ نے خالہ کو یہ بات بتائی؟"

''پاگل ہے؟'' خالو بدک گئے۔ ''اسے بتانے کا مطلب ہے۔ خبر سیدھی تیری ماں تک پہنچادوں...... بات کرتا ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ میں کرتا ہوں کچھ۔'' ہاشم نے محض ان کے اطمینان کے لیے یہ بات کہی۔ یہی وعدہ اس نے ابرش سے بھی کیا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر...... چل میں چلتا ہوں۔'' وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر تیز تیز قدموں سے وہاں سے چل دیے۔

ہاشم انہیں جاتا دیکھتا رہا۔ اب یہ ایک نئی مصیبت...... وہ دل ہی دل میں جھنجلا رہا تھا۔ اس کے اپنے مسئلے کیا کم تھے جو اب خالو اس سے جاسوس بننے کی امید بھی لگا بیٹھے تھے مگر خیر...... اب اسے کچھ تو کرنا ہی تھا خالو کی تسلی کے لیے۔

☆☆☆

ابرش نے آج خالہ کے ہاں آنے سے پہلے فون کر کے یہ یقین کیا تھا کہ سمیرا آپا وہاں نہیں ہیں۔ ہاشم اور خالو گھر پر نہیں تھے۔ اس نے خود ہی چائے بنائی۔ ساتھ ہی پکوڑے بھی تلے اور اس خنک سی شام میں، برآمدے میں بیٹھی خالہ کے سامنے رکھ کے ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ خالہ نے نجانے اس کی کتنی بلائیں لے ڈالی تھیں۔

''میں سوچ رہی تھی ابرش! ایک بار پھر تیرے ابا سے بات کرلوں......!''

''کس بارے میں خالہ......؟'' وہ کپ اٹھاتے ہوئے چونکی، اور پھر سمجھ میں آتے ہی سر جھکا گئی۔

''جانے کون سی ضد باندھ کے بیٹھے ہیں عنایت بھائی، بھلا کیا کمی ہے میرے ہاشم میں۔'' ایک ہاتھ گھٹنے پر رکھے ان کا لہجہ یاسیت بھرا تھا۔ ''سچ کہتی ہوں کبھی تیرے علاوہ اس گھر میں کسی کو سوچا ہی نہیں...... اتنی سی تھی جب ہی سوچ لیا تھا کہ میرے ہاشم کی دلہن بنے گی، اسی وقت عنایت بھائی سے زبان لے لیتی تو آج مکر نہیں سکتے تھے...... مگر میں نے بھی سوچا بہن اپنی ہے...... بھائیوں جیسا بہنوئی...... کون روڑے اٹکائے گا۔ مگر نصیب......'' تاسف زدہ لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے ہاتھ ملے۔ ''ادھر سمیرا نے الگ دماغ خراب کردیا ہے۔'' انہیں جیسے اچانک ہی کچھ یاد آیا تو لہجے کا تاسف ناگواری میں ڈھلا۔

''انہوں نے کیا کہا؟'' ابرش بے چین ہوئی۔ سمیرا آپا کی گل افشانیوں کا اسے اچھی طرح اندازہ تھا اور یہ بھی کہ وہ اسے زیادہ پسند نہیں کرتیں۔ اب اگر خالہ کو رشتے کی بات پہ سمیرا آپا کی یاد آئی تھی تو یقیناً بات اس سے متعلق ہی تھی۔

خالہ نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے سے جھلکتی بے چینی بھانپ گئیں۔ ''ارے کچھ نہیں اس کی تو عادت ہے ایسے ہی دماغ کھاتی رہتی ہے۔'' انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی۔

''نہیں خالہ...... بتاؤ ناں!'' اس نے ان کا ہاتھ تھاما۔ ''کیا اس رشتے سے متعلق کچھ کہا؟''

وہ خاموش رہیں۔ اب اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا بلاوجہ ہی ابرش کے سامنے یہ بات چھیڑی وہ اتنی سی بات سے ہی پریشان ہوگئی تھی۔ اگر اسے پتا چل جاتا کہ سمیرا انہیں اپنے ساتھ لڑکی دکھانے لے گئی تھی۔ تب اس پر کیا بیتتی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں۔ اسی وقت بیرونی دروازہ کھلا اور سمیرا اپنے بچو نگڑے کو کندھے پر ڈالے اندر داخل ہوئیں۔ اماں کو پہلی بار ان کی بے وقت آمد اچھی لگی تھی۔

''السلام علیکم اماں...... آپا...... ابرش بھی آئی ہے۔'' اماں کو سلام کر کے وہ ابرش پر نظر پڑتے ہی چونکی ہوئیں۔

''السلام علیکم آپا'' وہ بدقت مسکرائی۔

''کہاں سے آرہی ہو، بازار سے؟'' اماں نے فیصل کے ہاتھ میں ڈھیر سارے شاپروں کو دیکھ کر پوچھا جنہیں وہ تخت پر رکھ رہا تھا۔

''ابرش...... ذرا ایک گلاس ٹھنڈا شربت تو پلادے۔'' وہ بچی کو اندر لٹانے کے بعد واپس آئیں اور تھکن زدہ انداز میں کرسی پر ڈھیر ہوگئیں۔ ''اف

"......تھک گئی میں تو۔"

"میں پوچھتی ہوں اس وقت کس بازار کی خاک چھاننے گئی تھیں۔" اپنا سوال نظر انداز کیے جانے پر۔اماں کو غصہ آ گیا۔

ابرش خود سے الجھتی کچن میں آئی۔ اس کی چائے کا کپ ابھی بھرا رکھا تھا۔ پکوڑے تو اس نے چکھے بھی نہیں تھے۔اوپر سے خالہ جو اسے بتانے لگی تھیں۔وہ بھی نہیں بتا پائیں سمیرا آپی کو بھی اس وقت آنا تھا۔

"ہاں ناں......اماں......بازار گئی تھی۔کباڑی کی دکان سے تو ایسی چیزیں آنے سے رہیں۔" وہ تپ کر اٹھیں۔

"تو اس وقت کیوں؟ دن میں کیا بازاروں میں کرفیو لگا ہوتا ہے۔" اماں ناگواری سے انہیں شاپرز میں جھانکتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

انہوں نے ایک شاپر سے سموسوں اور رولز والا لفافہ نکالا اور ابرش کو آواز لگائی۔

"ابرش......ایک پلیٹ بھی لیتی آنا۔چٹنی کے لیے الگ سے۔" ان کا انداز ایسا حکمیہ تھا جیسے ابرش بھابھی بن ہی گئی ہو۔"ہاں ...... ایمرجنسی تھی۔آج حدیقہ کی مہندی ہے کل بارات، ٹائم نہیں تھا میرے پاس۔" انہیں اچانک ہی خیال آیا کہ اب اگر اماں کو جواب نہ دیا تو پھر سے غصہ ہو جائیں گی۔

"کیا......" اماں تو حیرت سے گنگ ہی رہ گئیں۔"تم حدیقہ کی شادی کے لیے یہ الا بلا اٹھا لائی ہو۔"

"ہاں تو کیا......؟" انہیں اماں کی بات پر حیرت ہونے لگی۔

"وہ کیا تمہاری ماں جائی تھی؟ محلے داری ہی تو ہے۔اب کیا پڑوسیوں کی شادیوں کے لیے بھی بازار سمیٹ کر لاؤ گی؟ پردیس میں بیٹھے خوار ہوتے شوہر کا کچھ خیال ہے کہ نہیں؟" اماں کو شدید غصہ آیا تھا۔

وہ بھی تڑخ گئیں۔ ہاں تو جو ماں جایا ہے اس کا کون سا سہرا سجا رہی ہیں آپ لے کر ٹرک کی بتی کے پیچھے لگایا ہوا ہے سب کو، اب پڑوسیوں کی شادیوں میں بھی دل نہ بہلاؤ تو کیا کروں؟"

"منہ بند کر اپنا۔" اماں نے اندر ہی اندر گھبرا کر دانت پیسے۔ابرش کچن میں تھی سمیرا سے کچھ بعید نہیں تھا کہ کوئی پھلجڑی چھوڑ دیتیں۔

"اور یہ ہٹا میرے سامنے سے۔" انہوں نے سموسوں والا لفافہ ہٹایا۔" ابرش نے پکوڑے تلے ہیں وہی کھا۔" بیزاری سے کہتے ہوئے پکوڑوں کی پلیٹ پر نظر پڑتے ہی باقی کا جملہ ان کے منہ میں رہ گیا۔فیصل اتنی سی دیر میں ہی پلیٹ صاف کر چکا تھا۔آخری پکوڑا اس کے منہ میں تھا جب وہ ماں سے مخاطب ہوا۔

"مما ...... میں جا رہا ہوں دوست ویٹ کر رہے ہیں میرا، آپ ماموں کے ساتھ آ جانا۔" اپنی بات کہہ کر وہ ہوا کی مانند باہر نکل گیا۔

ابرش جگ بھر کر شربت بنا لائی تھی۔

"یہ کیا ابرش، کوئی جوس نہیں تھا فریج میں؟ فروٹ تو ہوتے ہی ہیں تازہ بنا لیتی۔"

"آپ نے کہا......شربت" ابرش نے دھیمے سے کہتے ہوئے انہیں یاد دلایا۔

"وہ نوکر نہیں ہے تیری، پینا ہے تو پی ورنہ اٹھ اور خود بنا لے اپنے لیے۔ابرش، شربت فریج میں رکھ لے۔تیرے خالو کو پسند ہے وہ پی لیں گے۔" اماں کو ابرش کے ساتھ سمیرا کا روکھا رویہ بالکل پسند نہیں تھا۔

"نہیں......ایک گلاس تو پی ہی لوں گی۔گلا سوکھ رہا ہے میرا۔" آپا نے بمشکل اپنی تلملاہٹ دباتے ہوئے پینترا بدلا۔

آپا کا گلاس بھرتے ہوئے ابرش کی نظر ٹرے میں رکھی اپنی چائے پر پڑی۔اس پر جھلی جم چکی تھی۔

"تم جاؤ گی ابرش؟"

"کدھر؟" وہ آپا کے سوال پر چونکی۔

"عثمان چاچا کی بیٹی کی شادی میں؟" آپا کو قدرے حیرت ہوئی۔

"نہیں...... میں کیوں جاؤں۔" جواب دیتے

pklibrary.com

ہوئے وہ تخت کے کنارے پر ٹکی۔

"مگر حدیقہ تو تمہاری سہیلی تھی ناں؟" آپا نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"سہیلی نہیں تھی ہم بس ساتھ میں اسکول جایا کرتے تھے۔ اسکول کے بعد سے تو میں اس سے ملی بھی نہیں۔" ابرش نے ان کی غلط فہمی رفع کی۔ "امی ہی جائیں گی اگر جانا ہوا۔"

"تو ٹھیک ہے ناں، ہر کوئی نہیں ہوتا بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔" اماں نے واضح طور پر سمیرا پر چوٹ کی تھی۔ ان کا منہ بن گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں ابرش کی بات نے ان کا دھیان بٹایا۔

"آپا...... شاپنگ دکھائیں ناں۔"

اور وہ خوشی خوشی اسے اپنی شاپنگ دکھانے لگی تھیں۔

☆☆☆

آج عثمان چاچا کی بیٹی کی بارات آنی تھی۔ انہوں نے گلی کے ساتھ والے پارک میں ہی قناتیں اور قمقمے لگا کر سارا انتظام کر رکھا تھا۔ ہاشم بھی یہیں موجود تھا ابا جی کی خاص ہدایت کے عین مطابق۔

"دیکھ، عثمان میرے بھائی جیسا ہے۔ بیٹا تو کوئی اتنا بڑا ہے نہیں کے انتظامات سنبھال سکے اس مشکل کی گھڑی میں ہمیں ہی اس کے کام آنا ہے۔"

"مشکل گھڑی نہیں ابا جی خوشی کی گھڑی۔" ہاشم نے تصیح کرنی چاہی اور ابا جی بگڑ گئے۔ "ارے تو بیٹی کی شادی کوئی آسان کام ہے مجھ سے پوچھ، ایک بیٹی بیاہی ہے تو، تو چھوٹا تھا اس وقت تجھے کچھ سمجھ تھی؟"

ابا جی نے واضح طور پر مبالغے سے کام لیا تھا۔ ہاشم اس وقت چھوٹا ضرور تھا مگر نا سمجھ نہیں اس وقت بھی اس نے بہت سی ذمہ داریاں اپنے ناتواں کندھوں پر لے رکھی تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے میں وہیں رہوں گا۔" اس نے جان چھڑانی چاہی۔

"اور دکان بند کر دینا، ان لڑکوں کے بھروسے نہیں چھوڑنا۔" انہوں نے یاد دلانا ضروری سمجھا

بے دھیانی کی کیفیت میں اس بھیڑ اور شور وغل کے درمیان، کیٹرنگ والوں کو گائیڈ کرتا، اسی وقت اس کے کندھے پر کسی کا ہاتھ پڑا۔ وہ اچھلا تھا۔

"آرام سے یار...... کیا کر رہا ہے؟" عادل کی حیرت بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ایک نمبر کا گدھا ہے تو۔" وہ بے تحاشا جھلایا۔

"خیر تو ہے۔ کس دنیا میں گم تھا۔" عادل اب ہنستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"میری اپنی دنیا ہی اس وقت بھول بھلیاں بنی ہوئی ہے۔ وہی کافی ہے گم ہونے کے لیے۔" وہ چڑا ہوا تھا۔

لوگ آنے شروع ہو گئے تھے۔ اس نے سامنے دیکھا۔ خالو جی بھی یہیں تھے اور اب عثمان چاچا کے ساتھ کھڑے کچھ بات کر رہے تھے۔

"تیرے سسر نے کوئی نیا پٹاخہ تو نہیں چھوڑا اس دن کے بعد؟" عادل نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ کر پوچھا۔ ہاشم اسے اس دن کی بات بتا چکا تھا۔

"نہیں...... اس دن کے بعد اب دیکھ رہا ہوں انہیں تو ہو سکتا ہے۔ اب آ کر کچھ کہہ دیں میں گھر جا رہا ہوں نہانے کے لیے۔"

عادل کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ آئی اس کی بات سمجھ کے۔ "ٹھیک ہے۔ خود بھی بتیاں لگانے والا لگ رہا ہے چل جا، حلیہ درست کر لے ادھر میں دیکھ لوں گا۔" وہ خالو کی نظر بچا کر وہاں سے نکلا تھا۔

☆☆☆

نہا دھو کر جب وہ بالوں میں برش پھیر رہا تھا کوئی دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ اس نے چونک کر دیکھا اور اگلے ہی پل آنکھوں میں والہانہ سی چمک ابھری۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس سوال میں حیرت کم وارفتگی زیادہ تھی۔

کاسنی رنگ میں اس کے سراپے کی دلکشی نمایاں تھی۔ "تم تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے میں کوئی ایلین

ہوں جو زمین پر نہیں آسکتی۔" دروازے سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ کچھ روٹھ کر بولی۔ ہاشم ہنس پڑا۔

"ایلین نہیں...... چاند ہو وہ بھی عید کا۔"

اس بات پر ابرش اپنی بے ساختہ در آنے والی مسکراہٹ روک نہیں پائی۔

"دیکھا...... کیسے خوش ہو گئیں اپنی تعریف سن کے۔" اسے چھیڑتا وہ اپنا موبائل اٹھا کر اس کی سمت آیا۔ "شادی پر نہیں جانا؟"

"نہیں......" ابرش نے سر ہلایا۔ "امی گئی ہیں میں نے کہا مجھے یہیں چھوڑ دیں ویسے بھی خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں ان کے ساتھ رہ لوں گی۔" وہ بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"اوہ ہاں......" سہ پہر میں وہ خود اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔

"اتنا تیار ہونے کی کیا ضرورت تھی ویسے۔" وہ آج نظروں کو کچھ زیادہ ہی بھلا لگ رہا تھا۔ ابرش کو جانے کیوں بے چینی سی ہوئی۔

"نہیں......" ہاشم نے حیران ہو کے اس کی صورت دیکھی۔ "صرف کپڑے ہی بدلے ہیں۔"

"ہاں...... خود پر دو لیٹر پرفیوم انڈیل کے، ضرورت سے زیادہ جیل لگا کے، اور تازہ شیو بنا کے۔"

"حد ہے۔" وہ منہ پھیر کر ہنسنے لگا۔ "ویسے تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ خواتین کی محفل الگ ہے۔" وہ اس کی طرف جھک کر شرارت سے بولا۔

"اوہ...... پھر تو آپ کی ساری تیاری ضائع گئی۔" وہ پھر بھی طنز کیے بنا نہ رہ سکی۔

"نہیں ...... ضائع کیوں۔ جس نے دیکھنا تھا۔ اس نے تو دیکھ لیا۔" بھاری لہجے میں کہتے ہوئے بولا۔

ابرش کی رنگت گلابی پڑ گئی۔ "ہٹو۔" وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

"کیوں ہٹوں...... تم کہتی ہو تو نہیں جانا۔"

وہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"جاؤ گے تو پھر بھی، اس لیے مجھے بے وقوف نہ بناؤ اور چلتے بنو۔" ابرش نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھکیلا۔

"کمال ہو تم۔" اس نے ہلکے سے ابرش کے ہاتھ کو چھوا اور مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹا۔

"چلو خیر...... شادی کے بعد سہی، ابھی رکنے کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں ویسے۔"

وہ جاتے جاتے بولا تو اس کا چہرہ دہک اٹھا۔

ہاشم کے وہاں پہنچنے کے کچھ دیر بعد ہی بارات آگئی تھی۔ اسی وقت جب وہ کسی کام سے عثمان چچا کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اس بھیڑ بھاڑ میں اچانک ہی خالو نے پیچھے سے آکر اسے بازو سے پکڑا۔

"سن ہاشم...... تو نے اپنے ابا کو دیکھا؟"

"نہیں خالو...... یہیں کہیں ہوں گے آپ کو ان سے کوئی کام ہے؟" وہ تب تک ان کے چہرے کی سراسیمگی پر دھیان نہیں دے پایا تھا۔

"مجھے اس سے کوئی کام نہیں، میں نے ابھی بھی اسے اسی بچے کے ساتھ دیکھا۔" ان کی سرسراتی ہوئی آواز نکلی تھی۔

"کیا...... کدھر؟" وہ ایک دم الرٹ ہوا۔

"تو آمیرے ساتھ۔" انہوں نے اسے بازو سے کھینچا اور وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے ان کے ساتھ کھنچتا چلا گیا آج تو اس بلی کو تھیلے سے باہر نکالنا ہی تھا۔

بڑی مشکل سے اس رش میں وہ پنڈال کے کونے پر پہنچے تو اس نے ابا جی کو باہر نکلتے دیکھا۔

"جلدی کر...... نظروں سے اوجھل ہوا تو پھر اس دن والا کام نہ ہو جائے۔" خالو جی پر عجلت سوار تھی۔

وہ گڑبڑایا۔ "خالو جی آواز دے کر پوچھ لیتے ہیں ناں۔" اسے خالو کی ہمراہی میں ابا کا پیچھا کرنے والی حرکت بڑی واہیات لگ رہی تھی۔

pklibrary.com

"تو پاگل ہے؟" انہوں نے رک کر اسے گھورا۔ "ابھی پوچھیں گے تو وہ کوئی بہانا بھی بنا سکتا ہے۔ دیکھیں تو سہی وہ جاتا کہاں ہے۔"

"اچھا تو ٹھیک ہے۔ آپ یہیں رہیں میں جا کر دیکھتا ہوں۔" اسے اب سچ مچ خوف لاحق ہو گیا تھا۔ اگر ابا کسی ایسے ویسے کام میں ملوث ہوئے تو خالو کے سامنے کتنی شرمندگی ہوگی اور وہ اپنے آپ سے زیادہ ابا کو ان کے سامنے شرمندہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تو ادھر بکتیں کرتا رہ۔ ادھر وہ نکل جائے گا۔" خالو یہ کہتے ہی باہر کی طرف دوڑے اور مجبوراً اسے بھی ان کے پیچھے بھاگنا پڑا۔

شام ڈھل چکی تھی۔ اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں ان کے، پیچھے اپنے محلے سے اس دوسرے محلے میں آتے ہوئے ہاشم کو جتنی دعائیں یاد تھیں۔ انہیں زیر لب دہراتا جا رہا تھا۔ سچ تو یہ تھا۔ اتنی شدت سے اگر وہ اپنے اور ابرش کے ملنے کی دعائیں مانگتا تو شاید آج وہ اس کی ہو چکی ہوتی۔ جتنی شدت سے وہ آج اللہ سے اپنی اور اپنے ابا کی عزت رکھنے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

وہ اس تنگ سی گلی میں داخل ہوئے تھے۔ اس نے خالو کو ہاتھ سے پکڑ کر وہیں روک لیا۔ ابا اب دائیں طرف والے تیسرے گھر کے دروازے پر دستک دے رہے تھے جس پر ایک میلا سا پردہ پڑا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ اندر داخل ہو گئے۔ ویسے ابا اتنے بے دھیان تھے کہ انہیں ابھی تک احساس نہیں ہو سکا تھا کہ وہ خالو اور ہاشم کو اپنے پیچھے یہاں تک لگا لائے ہیں۔

خالو نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا گویا کہہ رہے ہوں، ادھر ہی کھڑے رہو گے یا اندر بھی جاؤ گے۔

اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔ لب سختی سے بھینچے اور دھڑکتے دل کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس نے دستک کے لیے جیسے ہی ہاتھ اٹھایا۔ اس کا فون بج اٹھا۔

"چھوڑ فون کو، دروازہ بجا۔" خالو جھنجلائے۔

لیکن دستک کے بعد کی متوقع صورت حال کا سوچ کر ہی ہاشم کا دم اٹکا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے فون نکالا اور اسکرین پر نظر ڈالتے ہی اس نے بے حد حیران ہو کر خالو کو دیکھا۔ "ابا کال کر رہے ہیں۔"

"کیا؟" ان کی آواز اونچی ہوئی۔ "یہ کال کیوں کر رہا ہے۔" وہ جیسے خود سے بڑبڑائے۔

"مجھے نہیں پتا۔" اس کی الجھن بھی سوا نیزے پر تھی۔

"چل...... اندر چل کر خود ہی پوچھ لیتے ہیں۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر دروازے پر ہاتھ رکھا۔ مگر دستک کی نوبت نہیں آئی۔ وہ پہلے سے کھلا ہوا تھا۔ وہ دونوں ساتھ اندر داخل ہوئے۔

یہ ایک بے حد تنگ سا دو کمروں والا مکان تھا۔ دروازے کے ساتھ بنے کمرے میں اندھیرا تھا۔ صحن میں لگا ملگجا بلب اطراف میں پھیلی تاریکی کو مکمل طور پر نگلنے میں ناکام تھا۔ سامنے والے کمرے میں روشنی تھی۔ اور آوازیں بھی اسی طرف سے آ رہی تھیں۔ "میں نے ہاشم کو فون کیا مگر وہ نامراد فون نہیں اٹھا رہا۔ چل میں خود جاتا ہوں گاڑی کا بندوبست کرنے۔" ابا کی غصیلی آواز ابھری تھی۔ اگلے ہی پل وہ باہر آئے اور انہیں دیکھ کر اپنی جگہ جامد ہو گئے۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"وہ میں...... وہ ہم نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو سوچا۔" ہاشم کو اب الفاظ ہی نہ سوجھ رہے تھے وضاحت کے لیے۔ اور خالو جنہوں نے آنے کے لیے سب سے زیادہ افراتفری مچائی تھی۔ اب منہ پر قفل ڈالے، کھسیائے ہوئے سے کھڑے تھے۔

اسی وقت دو نو عمر لڑکے بھی آ کر ان کے

pklibrary.com

پہلو میں کھڑے ہو گئے اور ان کے پیچھے بڑا سادوپٹا اوڑھے ایک خاتون پر نظر پڑتے ہی ہاشم چونکا تھا اور ساری بات ایک پل میں اس کی سمجھ میں آ گئی۔

''میں تو تجھے فون کر کے بلانے والا تھا۔ اچھا ہوا تو خود ہی آ گیا۔'' ابا نے دھیان بھی نہیں دیا تھا کہ اس نے کیا کہا۔

''جا...... جلدی سے ٹیکسی لے کے احتشام کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے، اسے فوراً اسپتال پہنچاؤ، جلدی جا۔''

''ابھی لایا اباجی!'' محض چند منٹوں میں اس کے دل کا جو بوجھ اترا تھا۔ وہ اسے بے حد ہلکا پھلکا کر گیا تھا۔ وہ کافی تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔

☆☆☆

اسپتال والوں نے احتشام بھائی کو ایڈمیٹ کر لیا تھا۔ وہاں کی بھاگ دوڑ تو ہاشم نے کر لی تھی وہ تو ان کے ساتھ رکنا بھی چاہتا تھا مگر ابا نے منع کر دیا کہ وہ یہیں رکیں گے۔ خالو اور علی بھی ان کے ساتھ آئے۔ احتشام بھائی کا بخار بگڑ گیا تھا۔ محلے کا ڈاکٹر ان کی بیماری کی نوعیت سمجھا نہیں اور نتیجتاً بخار اتنا بڑھا کہ انہیں اسپتال میں داخل کرنے کی نوبت آ گئی تھی۔

احتشام بھائی کے والد احمد نصیر ابا کے پرانے دوست تھے مگر ان کی موت کے بعد سے ابا کا ان کے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہ رہا تھا۔ یہ تو اتفاقاً ہی انہیں کچھ وقت پہلے، ایک دوسرے دوست کے توسط سے احتشام بھائی کے ایکسیڈنٹ کا پتا چلا کہ وہ معذور ہو کر بستر تک محدود ہو گئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ان کی معاشی حالت دگرگوں ہے۔

وہ تو ظاہر تھا کیونکہ احتشام بھائی گھر کے واحد کفیل تھے۔ ان کے زیادہ رشتے دار تھے نہیں، جو تھے انہوں نے بھی چند دن کی امداد کے بعد انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ بھابھی سمجھ دار خاتون تھیں مگر وہ کمانے کے لیے گھر سے نہیں نکل سکتی تھیں۔ احتشام بھائی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی ان کے سر تھی۔ لڑکے بھی چھوٹے تھے۔ اسی لیے وہ گھر پر رہ کر ہی لوگوں کے کپڑے سلائی کرنے لگیں اور محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگیں۔

ابا نے تب ہی سے ان کی خیر خبر رکھنی شروع کی۔ وقتاً فوقتاً مدد بھی کر دیا کرتے۔ بھابھی سے بات کرنے کے بعد، ہاشم پر منکشف ہوا کہ ابا اماں کو بھی لے کر آئے تھے اور اب اماں بھی ان سے ملنے آتی رہتی تھیں۔

قصور ہاشم کا بھی تھا جس دن ابا علی کو لے کر اس کی دکان پر آئے تھے، وہ اس وقت ان سے تفصیلاً پوچھ لیتا تو اتنے دن اس الجھن اور پریشانی میں رہتا ہی نہیں اور خالو کی غلط فہمی بھی دور کر دیتا۔

لیکن یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہی ہوا کہ یہ سب خالو نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور زندگی میں شاید پہلی بار ہاشم کو اپنے اماں، ابا پر فخر محسوس ہوا تھا کیونکہ جس احترام اور محبت سے بھابھی ان کا ذکر کر رہی تھیں اور جس طرح ان کے ذکر پر بھابھی کے لبوں پر دعائیں آ رہی تھیں۔

ہاشم تشکر کے جذبات سے اندر ہی اندر پگھلنے لگا تھا۔ اس لیے بھی کہ خالو اس کے ساتھ ہی کھڑے یہ تمام گفتگو سن رہے تھے۔ اللہ نے اس کی عزت رکھ لی تھی۔ ہاشم نے سوچ لیا تھا گھر جاتے ہی شکرانے کے نفل پڑھے گا۔ مگر اب خالو کی خاموشی اس کے لیے باعث تشویش تھی۔

وہ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر علی کے ساتھ بالکل گم صم بیٹھے تھے۔ ہاشم سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس خاموشی کے پیچھے ان کی کیفیت کیا تھی۔ وہ غصہ میں تھے یا مایوس کہ جیسا انہوں نے سوچا، ویسی کوئی بات نہیں نکلی۔

علی کو اس کے گھر چھوڑنے کے بعد ہاشم نے پارک کے سامنے ٹیکسی رکوائی۔ یقیناً بارات رخصت ہو چکی تھی۔ اب صرف پیچھے کا پھیلاوا سمیٹنا رہ گیا تھا اور ہاشم نے دیکھ لیا تھا عثمان چچا کو کیٹرنگ

والوں کے ساتھ مغز ماری کرتے۔

وہ گاڑی سے اتر کر خالو کی سائیڈ آیا۔ ''خالو، یہ آپ کو گھر تک چھوڑ دے گا میں جا کر ذرا چچا کے ساتھ کام دیکھ لوں۔'' کرایہ ہاشم پہلے ہی ادا کر چکا تھا۔

انہوں نے چونک کر اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ وہ آج سر شام ہی اسے بھاگ دوڑ کرتا دیکھ رہے تھے۔ ان کے اسے شادی کی محفل سے کھینچ کر لے جانے سے پہلے بھی اور اسپتال کی خواری کے بعد بھی۔ اس کی سرمگیں آنکھوں میں ہلکا سا گلابی پن تو تھا۔ مگر اس کے چہرے پر کہیں بیزاری یا جھنجلاہٹ نہیں تھی۔

اب بھی بجائے گھر جا کر آرام کرنے کے اس کے پیش نظر صرف ذمہ داری تھی۔ وہ بھی صرف اخلاقی ذمہ داری ایسا داماد بھلا انہیں اور کہاں ملتا۔

انہوں نے بنا کچھ کہے سر ہلایا تو ہاشم پلٹ گیا تھا۔

وہ گھر پہنچے تو عاصمہ نے پریشانی اور برہمی میں کئی سوال پوچھے تھے۔ تب اور حیران ہوئیں جب پتا چلا کہ انہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اس وقت ان سے جو بن پڑا وہ لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

وہ زیادہ تر وقت خاموش رہے تھے، ان کے سوالوں کے جواب میں بھی، مگر جب سونے کے لیے لیٹے تب انہوں نے صرف ایک سوال کر کے عاصمہ کو حیرت میں ڈالا۔

''کیا تیری بہن نے دوبارہ رشتے کی بابت کوئی بات کی؟''

''وہ بے چاری تو ہر وقت کرتی رہتی ہے۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''اس بار کرے تو ہاں بول دینا۔'' انہوں نے جواب دے کر کروٹ بدلی اور آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

ہاشم کو محسوس ہوا تھا اس کی ساری دعائیں ایک ساتھ قبول ہوگئی ہوں، جب اماں نے اسے خوش خبری سنائی۔ منگنی والے دن خالو نے بڑی شفقت اور نرمی سے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔ حقیقتاً اسے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ کیسے مانے۔ بلکہ ان کی خاموشی نے اسے اس دن مایوسی میں ہی دھکیلا تھا۔ پھر بھی اگر اب وہ یہاں تھا ابرش کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے نام کرنے تو یہ اس کے نزدیک ایک معجزہ ہی تھا۔

اگر ہاشم ذہن پڑھنا جانتا تو جان لیتا کہ خالو کی خاموشی دراصل اس مایوسی کی مظہر تھی جو انہیں خود سے تھی۔ اس سے یا اس کے باپ سے نہیں۔ اس دن انہوں نے جو کچھ دیکھا اس نے ان کے اندر سے اپنے اعلیٰ ارفع ہونے کا زعم نکال کر چپ بھر دی تھی۔

اسی خود آگاہی کے لمحے کے زیر اثر وہ جیسے کسی آسمانی زینے سے اتر کر ان کے برابر آگئے تھے۔ پھر انہیں اپنا فیصلہ بدلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

ابرش کو انگوٹھی اماں نے پہنائی تھی۔ ہاشم پاس بیٹھا بھی نہیں۔ بس تھوڑی دیر کے لیے اندر آیا تھا جب خالہ نے اس کا منہ میٹھا کیا۔ وہ بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ سب ہی خوش تھے اور اس کے لیے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ آپا بھی اسے آج ہنستی ہوئی نظر آئیں۔

اس نے بس چند لمحوں کے لیے ابرش کو دیکھا تھا۔ ہلکے گلابی اور سنہرے رنگ کے امتزاج والے لباس میں وہ خود بھی کوئی دمکتا ستارہ لگ رہی تھی۔ گھنیری جھکی پلکوں میں اس کا چین چھپائے اس کی گلابی مائل رنگت میں دیے سے جل رہے تھے۔ یہ اس کے لباس کے سنہرے تاروں کی جھلمل تھی یا پھر اس کی اندرونی خوشیوں کی۔

اس کے ہونٹوں میں دبی خوب صورت سی مسکان کو دیکھتے ہوئے ہاشم نے اس کی ہمیشگی کی دعا مانگی اور مسکراتے ہوئے وہاں سے نکل آیا۔

☆☆

pklibrary.com

قرۃ العین خرم ہاشمی

آدھی قربت

"ہر ہفتے یہ اتوار کیوں آ جاتا ہے؟ اس سے بہتر آفس ہے۔ جہاں کاموں میں مصروف رہ کر کسی بات کی فکر تو نہیں ہوتی۔"

بیزار ہو کر اس نے ریموٹ میز پر پھینکا اور گردن گھما کر کچن کے دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے اس کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ آج چھٹی کے دن حسب معمول حسن منہ پھلا کر لاؤنج میں اکیلا بیٹھا اس کا انتظار کرتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

"عجیب عورت ہے جسے اتنا بھی پتا نہیں کہ شوہر کب سے اکیلا بیٹھا ہے۔ کچھ دیر اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ جائے مگر اس کے کام تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتے ہیں۔ بھلا گھر میں لوگ ہی کتنے ہیں۔ ہم دو اور ہماری معصوم سی بیٹی!"

اس نے بیزاری سے سوچا۔ دو سالہ مناہل بھی سو رہی تھی ورنہ بیٹی کے ساتھ کھیلتے ہوئے اسے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔

"یہ لیجیے، آپ کی چائے اور گرم پکوڑے۔"

ارم مسکراتی ہوئی ٹرے اٹھا کر اندر داخل ہوئی۔ حسن نے ترچھی نگاہ سے دیکھا۔ وہ جو گرمی سے بے حال ہوتے ہوئے بھی اس کی پسند کا خیال رکھنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

"آپ کے کپڑے بھی استری کر دیے ہیں۔ گرمی بہت ہے۔ نہا کر فریش ہو جائیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کم از کم چھٹی والے دن تو شوہر کے پاس بیٹھ جایا کرو۔ میں کب سے اکیلا بیٹھا کبھی موبائل اسکرول یا چینل سرفنگ کر رہا ہوں۔"

اس کے لہجے کی تلخی پر ارم کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا مگر خود کو سنبھالتے ہوئے وہ کچھ فاصلے پر بیٹھی تو وہ مزید تپ گیا۔

"پہلے اپنا حلیہ تو درست کر لو۔"

اس کے ناگواری سے ٹوکنے پر، وہ بغیر کچھ کہے تیزی سے اٹھ کر چلی گئی۔ وہ سر جھٹک کر سامنے رکھی چائے اور خستہ پکوڑوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ خوش ذائقہ پکوڑوں کی وجہ سے موڈ کچھ بہتر ہوا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اسی میلے حلیے میں اندر داخل ہوئی اور گود میں اٹھائی مناہل کو اس کے پاس بیٹھا کر واپس چلی گئی۔ وہ گہری سانس لے کر اپنی معصوم شرارتی بیٹی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"حد ہے ضدی پن کی!"

ارم کی ہٹ دھرمی پر پہلو بدلتے ہوئے مناہل کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر میں اس کا غصہ کم ہو گیا۔ مناہل کی معصوم ہنسی نے اس کی اداسی کو ختم کر دیا تھا۔ بریانی کو دم دے کر جب فارغ ہوئی تو حسن مناہل کو گود میں اٹھا کر گھر سے باہر جا رہا تھا۔ وہ خاموش نگاہوں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ حسن اس سے ناراض ہے مگر وہ بھی کیا کرتی کہ حسن کی قربت میں عجیب سی وحشت ہوتی۔ اس لیے اس کی موجودگی میں ہمیشہ خود کو کاموں میں مصروف رکھتی۔

"پتا نہیں ایسا کب تک چلے گا؟"

اس نے بیزاری سے سوچا۔ گرمی اور پسینے کی وجہ سے اس کا حلیہ بہت خراب ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے فریش ہونے کے لیے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

pklibrary.com

''عالیہ آپا کا فون آیا ہے۔ وہ مناہل کو بہت یاد کر رہی ہیں۔ آپ فریش ہو جائیں تو ان کی طرف چلتے ہیں۔''

اس نے جیسے ہی گھر میں قدم رکھا، نفاست سے تیار، خوشبوؤں میں بسی ارم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چونک گیا۔ عالیہ حسن کی بڑی بہن تھیں جو اسی شہر میں رہتی تھیں۔ اکثر چھٹی والے دن وہ ان کی طرف آجاتیں یا یہ لوگ ان کے گھر چلے جاتے۔ آج بھی چھٹی تھی مگر حسن صبح سویرے ہی گھر سے چلا گیا اور عصر کے وقت واپس آیا تو ارم نے جلدی سے اسے عالیہ آپا کے فون کے بارے میں بتایا۔ وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔

''کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ارم نے پاس آ کر فکر مندی سے پوچھا تو اس نے گھور کر دیکھا۔

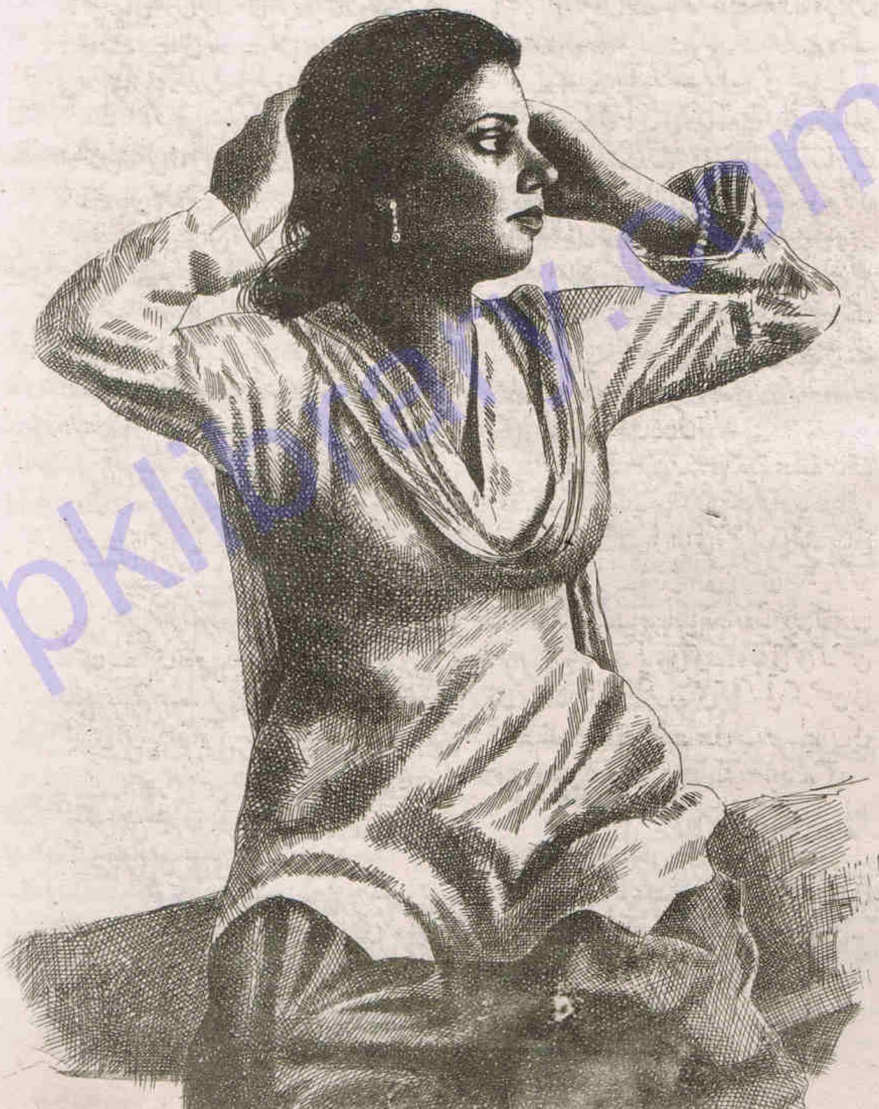

pklibrary.com

"آج تم نے کیسے زحمت کرلی اتوار والے دن تیار ہونے کی؟ اس لیے کیونکہ میں صبح سے دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کر رہا تھا۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تم جان بوجھ کر مجھ سے دور رہنے کے لیے گندے حلیے میں پھرتی ہو۔ کیا میری موجودگی اتنی بری لگتی ہے؟"

اس نے غصے سے کہا تو وہ نگاہیں چراتے ہوئے رخ پھیر گئی مگر اس کا نگاہیں چرانا حسن کی انا پر ضرب کی طرح پڑا۔ یعنی اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ غصے سے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور ایک جھٹکے سے ارم کا بازو پکڑ کر رخ اپنی طرف کیا۔

"اگر میں اتنا برا لگتا ہوں تو تم مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟ اس ادھورے رشتے، بے کار کے بوجھ سے جان چھڑا لو۔"

اس کی حیران آنکھوں میں غصے سے دیکھ کر وہ تیزی سے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"حسن مجھ سے اتنے بدگمان ہو رہے ہیں مگر میں کیا کروں؟"

وہ سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اسے اپنے آس پاس شدید اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ کبھی کبھی ایسا لگتا تھا کہ یہ اندھیرا اس کی محبت کو نگل لے گا۔

"یہ ہماری کیسی دس سالہ محبت ہے کہ جو شادی کے تین سالوں میں ہی دم توڑ گئی؟"

حسن کمرے میں چکر کاٹتے ہوئے ان سنہری دنوں کو یاد کر رہا تھا جب وہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں دنیا کو بھلائے بیٹھے تھے۔ چونکہ ارم اس کی خالہ زاد تھی اس لیے اکثر آمنا سامنا ہو جاتا۔ ان کی محبت کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی سوائے انتظار کے۔ انتظار بھی حسن کے پاؤں پہ کھڑے ہونے کا تھا مگر اچھی تعلیم اور ہنر ہونے کے باوجود اسے آسانی سے نوکری نہیں ملی تھی۔

"کتنی منتوں، دعاؤں، انتظار کے بعد ہماری محبت کو منزل ملی مگر ایسا لگتا ہے کہ جیسے منزل پر پہنچ کر بھی ہم راہ میں کہیں کھڑے رہ گئے ہیں۔"

اس نے مایوسی سے سوچا۔ وہ ارم کے سرد اور بیزار رویے کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ کئی بار اس سے بات کی، نرمی، غصے ہر طرح سے سمجھایا مگر وہ اس کی سب ضروریات کا خیال رکھنے کے باوجود اس سے ایک فاصلہ رکھتی جیسے اس کی قربت میں دم گھٹتا ہو۔

"میں ہی غلط تھا۔ میں نے وقتی لگاؤ کو محبت سمجھا۔"

نم آنکھوں کے ساتھ سوچتے ہوئے وہ تیزی سے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ منہ دھو کر چہرہ خشک کرتے ہوئے اپنی آنکھوں کی سرخی چھپانے کی کوشش کرنے لگا تاکہ کسی کو پتا نہ چلے کہ اس کے اندر کیسا طوفان برپا ہے۔ گاڑی کی چابی لے کر باہر نکلا تو وہ بھی لاؤنج میں اداس چہرے کے ساتھ بیٹھی مناہل کو کھلا دیکھ رہی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر چونکی۔

"مناہل کو لے کر باہر آ جاؤ۔" وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

"آپ نے کپڑے تبدیل نہیں کیے؟ کتنے میلے ہو رہے ہیں۔" اس نے جلدی سے کہا تو وہ رک گیا۔ "تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" طنزیہ لہجے میں کہہ کر کچھ سنے بغیر باہر نکل گیا۔

"اف! عالیہ آپا کیا سوچیں گی کہ شاید میں ان کا خیال نہیں رکھتی۔ حالانکہ استری کیے ہوئے کپڑے ایسے ہی لٹکے رہ جاتے ہیں۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے جلدی سے چیزیں سمیٹ کر گھر لاک کر کے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"آپ نے کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

حسن بے دلی سے کھانا کھا کر اپنی جگہ سے اٹھ کر لاؤنج میں بیٹھ گیا تو ارم اس کے پیچھے آتے ہوئے فکرمندی سے پوچھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی تلخ جواب دیتا عالیہ مسکراتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئیں

pklibrary.com

اور ہاتھ میں پکڑی ٹرے میز پر رکھ کر بیٹھ گئیں۔

"ماشاءاللہ! میرا بھائی بہت خوش نصیب ہے جسے اتنا خیال کرنے والی، پیاری سی بیوی ملی ہے۔ اماں کے مرنے کے بعد مجھے حسن کی بہت فکر رہتی تھی کیونکہ اکلوتا ہونے کی وجہ سے میرا اور اماں کا بہت لاڈلا رہا۔ شکر ہے کہ اپنی زندگی میں سیٹ ہے۔"

فروٹ ٹرائفل پیش کرتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر کہا تو حسن طنزیہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ پر وہ چونک گئیں۔

"کیا میں نے کچھ غلط کہا ہے؟" وہ حیران تھیں جبکہ ارم نگاہیں چراتے ہوئے سر جھکا گئی۔

"آپ کی آدھی بات درست ہے اور آدھی......" معنی خیز انداز میں کہہ کر وہ مزے سے ٹرائفل کھانے لگا۔

"مجھے کچھ دنوں سے محسوس تو ہو رہا ہے کہ تم دونوں کے درمیان کچھ چل رہا ہے۔ ارم بھی بہت بجھی بجھی رہتی ہے اور تم ہر وقت تلخ لہجے میں بات کرتے ہو۔ دیکھو، شادی شدہ زندگی آسان نہیں ہوتی اگر تم دونوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہے تو ناراض ہونے کے بجائے ایک دوسرے بات کر لو۔ اتنا تو مجھے پتا ہے کہ تم دونوں ہی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہو۔ پھر یہ بیزاری کیوں؟"

سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ باری باری دونوں کے چہرے دیکھ رہی تھیں۔ ارم سر جھکا کر آنسو بہانے لگی۔ وہ نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دے رہی تھیں جب غصے سے بھرا حسن اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"یہ تو اس طرح رو رہی ہے جیسے میں بہت ظالم شوہر ہوں۔ آپ نہیں جانتیں کہ اس کا رویہ میرے ساتھ کتنا برا ہے۔ یہ مجھے ایسے نظر انداز کرتی ہے جیسے میں اس کے قابل نہیں ہوں اور......!"

اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا کافی دیر سے برداشت کرتی عالیہ ایک دم گھبرا کر پیچھے ہوئیں۔

"سب کچھ چھوڑو! پہلے یہ بتاؤ کہ اتنی گرمی میں بھی تم روز کیوں نہیں نہاتے ہو؟ اف! چند لمحوں میں ہی تمہارے پاس سے اٹھتی ناگوار بو نے میرا دماغ گھما دیا۔ ارم کا حوصلہ ہے، تمہیں کیسے برداشت کرتی ہے۔"

ناگواری سے منہ بنا کر کہتے ہوئے وہ فوراً وہاں سے اٹھ کر لاؤنج سے باہر چلی گئیں۔ حسن کے چہرے پر حیرت تھی۔ ارم نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ دونوں کی نگاہوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت تھی۔

"آپ کے ہر سوال کا جواب عالیہ آپا نے دے دیا ہے۔ وہ چند لمحے آپ کی موجودگی برداشت نہیں کر سکیں تو میں کیسے......! آپ کی اسی لاپروائی اور سستی کی وجہ سے ہماری محبت کی کہانی، آدھی قربت کے پہلو میں سلگتی ہوئی اپنی موت آپ مر رہی ہے۔ کاش آپ سمجھتے کہ اگر مرد کو صاف ستھری، سجی سنوری عورت کا ساتھ پسند ہے تو یہ خواہش ایک عورت کا بھی حق ہے۔"

اس نے مدھم لہجے میں کہتے ہوئے آئینہ دکھایا۔ حسن نے پہلی بار نگاہیں جھکائی تھیں مگر اپنی شریک حیات کے سامنے نہیں بلکہ اپنے اندر لگی عدالت میں! جہاں وہ ہی غلط ثابت ہوا تھا۔

☆☆

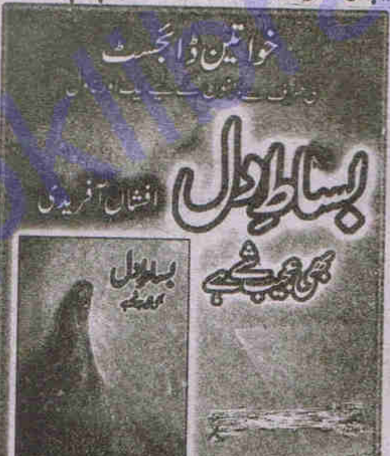

فلک تنویر

مکمل ناول

پرنسس چارمنگ

اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ کام کرتے ہوئے عجلت' اس بات کا ثبوت تھی کہ جیہ کو اس وقت سخت تپ چڑھی ہوئی ہے۔

بریرہ اور ٹیپو کھڑکی کھول کر کودنے والے تھے کہ اس کی نظر پڑی۔ غصہ حد تجاوز کر گیا اور سارا نزلہ ان دونوں پر گرا۔ دونوں کے کان پکڑے۔

"کیا کر رہے تھے تم دونوں۔ شرارتوں سے باز نہیں آتے اگر خدانخواستہ کھڑکی سے گر جاتے تو ہاتھ پیر سلامت نہیں رہتے۔ کھڑکیاں کھولنے کا کہا تھا میں نے کودنے کا نہیں۔" آخر میں اس نے دونوں کے کان مروڑے۔

"آ......آ......" دونوں کی آہیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ "درد ہو رہا ہے آپی۔ پرامس۔ پھر نہیں کروں گا۔"

ٹیپو مزاحمت کر رہا تھا لیکن اس کی گرفت مضبوط تھی۔ اسی وقت سیڑھیوں پر 'ٹک ٹک' کی آواز آئی۔ تو اس کا غصہ ناگواری میں بدلا۔ اس نے ٹیپو اور بریرہ کے کان چھوڑے۔ وہ دونوں فوراً نیچے کی طرف بھاگے تھے۔

اب وہ مڑ کر صوفوں پر چڑھے کور اتارنے لگی جو دھول سے اٹے تھے۔ اگرچہ اس نے ماسک پہنا ہوا تھا لیکن پھر بھی کھانسنے لگی تھی۔

معاً پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ، نانا ابا اندر داخل ہوئے اور کمرے میں دھول کی وجہ سے کھانسنے لگے۔ خفگی سے پیچھے مڑی اور ان سے پوچھنے لگی۔

"آپ کو کس نے کہا تھا اوپر آنے کا؟" آنکھوں میں ناراضی صاف دکھتی تھی۔

"میں نے سوچا......" نانا مزید کھانسنے لگے۔

"کہ تمہاری تھوڑی مدد کر دوں۔"

ان کی بات پر جیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر نیچے کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ جائیں' پلیز میں کر لوں گی۔"

"تم خفا ہو مجھ سے؟" نانا رکنا چاہتے تھے۔ اس لیے بات کو طول دینے کی غرض سے استفسار کیا۔ حالانکہ اس سوال کا جواب ان کو بخوبی پتا تھا۔

"جیسے آپ کو بڑی پرواہ ہے ناں۔ آپ پلیز جائیں نانا ابو۔ مجھے یہ کمرے سیٹ کرنے دیں آپ

paklibrary.com

کے 'عزیز مہمان' کے لیے۔" جبیہ کے لہجے میں غصہ اور ناراضی تھی۔

"مجھے تمہاری پرواہ نہیں ہوگی' تو کس کی ہوگی۔ دیکھو جبیہ' دوست ہوتا ہے دوست کی مدد کرے۔ اس کے غم میں شریک ہو' اس کا ہمدرد بنے۔ ورنہ خوشیوں میں ساتھ دینے کے لیے تو کوئی بھی مل جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ جس حادثے سے وہ اور ان کے بچے گزر رہے ہیں، وہ اتنا بڑا تھا...... کہ میں انکار نہیں کرپایا۔" نانا ابو نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے اس کو سمجھانا چاہا۔

"میں آپ سے خفا نہیں ہوں نانا ابو۔" اس کا لہجہ دھیما تھا' معاً نانا ابو کھانسنے لگے۔ "لیکن اگر آپ

ابھی اسی وقت یہاں سے نہیں گئے تو میں پھر پکا خفا ہو جاؤں گی۔"

"اچھا بابا۔ میں جاتا ہوں نیچے۔ یہ بریرہ اور ٹیپو کہاں گئے۔" ادھر ادھر نظریں گھمائیں۔

"انہیں اوپر وائپر اور برش سمیت بھیج دیں۔"

نانا ابو کو کہہ کر وہ الماری کھول کر پرانی چیزیں نکالنے لگی۔ نانا ابو کے بہت قریبی دوست اور رشتے دار کا بڑا بیٹا اپنی بیوی سمیت ایک پلین کریش میں فوت ہو گئے۔ نانا ابو کے دوست تو سالوں پہلے فوت ہو چکے تھے۔ لیکن ان کا رابطہ اور تعلق ابھی تک ان کے بیٹوں کے ساتھ ویسا ہی تھا۔ وہ انہیں اپنے بچوں جیسا پیار دیتے تھے۔ فرجاد بھائی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹی قریباً دو تین سال کی تھی اور وہ رہتے بھی قریب ہی تھے۔ بچوں کے ننھیال اور ددھیال میں ایسا کوئی تھا نہیں' ان کی ذمہ داریاں اٹھاتا۔ سوائے ان کے چاچا کے' جو کہ بوسٹن میں ایک مشہور ریسٹورنٹ میں شیف تھا۔ وہ ان کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن بچوں کے اسکول کے آخری مہینے چل رہے تھے' سو وہ بچوں کے ایگزامز ہونے کے انتظار میں رک گیا۔

اس کو کافی حیرت ہوئی تھی۔ جب اس کو پتا چلا تھا کہ وہ شیف ہے' ایک انتہائی پختون نام والا شیف ......وداان خلیل ......کیسا عجیب لگتا ہوگا ناں یہ کہنا......

"شیف وداان!"

جانے امریکن اس کا نام ٹھیک سے بول پاتے بھی تھے یا اس کو 'وداان' کی جگہ 'وڈان' کہتے ہوں گے۔ بے دھیانی میں اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کھلی۔ اسی وقت بریرہ اور ٹیپو لڑتے ہوئے اندر آئے' ٹیپو بریرہ کو برش سے اور بریرہ ٹیپو کو وائپر سے مار رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصہ دیکھ کر دونوں یک دم سیدھے ہوئے۔

"اور پائپ؟ سوکھے وائپر سے فرش صاف کروں میں کیا؟" وہ تقریباً غرائی۔

بریرہ فوراً باہر کو بھاگی تو وہ اس کے ہاتھ صرف ٹیپو ہی لگا۔ وہ اس کا کان ہلکا سا مروڑ رہی تھی اور وہ اوور ایکٹنگ کرتا چیخ رہا تھا۔

"میں نے کھینچے ہی کب ہیں ڈرامے باز۔ چیخو مت۔ جاؤ جلدی سے پائپ لگا کر پورے فلور پر پانی ڈالو۔" اس نے ٹیپو کے کان چھوڑے اور ٹیپو ہنستا ہوا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

"ہم یہ گھر کیوں چھوڑ رہے ہیں' چاچو؟" زوہا اس کے پاس کھڑی' بہت معصوم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ وہ' جو اوپر بھائی کی کتابوں کے شیلف سے ان کی کتابیں اتار رکھ کر کارٹن میں رکھ رہا تھا' رکا۔ اس کا دل بھر آیا لیکن ان کی خاطر خود کو مضبوط رکھنے کی پوری کوشش کرتا وہ مسکرایا۔

"ہم پھر آئیں گے اسی گھر میں' باربی!" وہ اس کے گالوں کو چوم کر بولا۔

"لیکن ہم کیوں جا رہے ہیں؟" زوہا منمنائی تھی۔ وہ اب اس چار سالہ بچی کو کیا بتاتا۔ کیسے بتاتا کہ اس کا باپ جو سائیڈ بزنس کے طور پر پراپرٹی ڈیلنگ کرتا تھا۔ کروڑوں کے قرضے تلے دب چکا تھا۔ اور ان کے مقروض اتنے رحم دل اور سخی نہ تھے کہ ان کے مرے ہوئے باپ کے قرض کو معاف کر دیتے۔ جنازے کے بعد جب اس نے اعلان کیا تھا کہ اس کے بھائی پر جن کا بھی قرضہ ہے' وہ سب اتارنے کی ذمہ داری لے رہا ہے۔ اس کو اندازہ تو تھا کہ اس کا بھائی لوگوں کا مقروض ہے لیکن اتنے قرضے' اس کا اندازہ نہیں تھا۔

سو وہ مسکرا کر بولا۔

"ویل ایکچولی......اس گھر میں ہم تھوڑا کام کر رہے ہیں۔ تمہارے لیے ایک "بڑا سا" باربی ڈول کا ونڈر ہاؤس بنائیں گے۔ جب وہ کمپلیٹ ہو جائے گا ہم پھر دوبارہ یہاں شفٹ ہو جائیں گے۔" وہ ہاتھ پھیلا کر 'بڑا سا' کی وضاحت دے رہا تھا۔

زوہا ایک دم سے خوش ہوگئی اور مسکرا کر بولی۔

"سچ؟" "بالکل سچ۔"

زوہا کے جانے کے بعد وہ پھر سے کتابوں سے گرد جھاڑ کر ایک ایک کتاب نیچے رکھنے لگا۔ معاً ایک کتاب سے بہت سی تصویریں ایک ساتھ گریں۔

وہ اٹھانے نیچے جھکا، تصویریں اٹھا کر جیسے ہی نظر پڑی، اس کی آنکھیں نم ہو گئیں وہ اس کی اور فرجاد بھائی کی تصویریں تھیں۔

اسکول کے دنوں کی، اسلامیہ کالج میں داخلہ لیتے وقت کی تصویر، فرجاد بھائی کی مہندی کی تصویر ......الغرض۔ ہر تصویر سے جڑی یاد اس کو ماضی میں دھکیل رہی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ تصویریں پکڑے بیٹھا رہا تھا۔ اس کو احساس تب ہوا، جب اس کا گلا سوکھنے لگا اور حلق میں پھنسے آنسوؤں کے گولے نے اس کو کھانسنے پر مجبور کر دیا۔ کب کیسے اس کی آنکھوں میں جمے آنسو اس کے رخسار نم کر چکے تھے، اس کو احساس تک نہ ہوا۔ وہ تصویریں ان ہی کتابوں میں واپس رکھنے لگا۔ اس کو پیکنگ مکمل کرنا تھی کیونکہ شام تک انہیں ابو کے دوست نظیر انکل کے گھر شفٹ ہونا تھا۔ آئیڈیا اس کا نہیں تھا، جس دن وہ گھر گروی رکھوا رہے تھے اسی دن نظیر انکل بچوں سے ملنے آئے تھے۔ انہیں شاید پہلے سے معلوم تھا، اس لیے انہوں نے خود اپنے گھر شفٹ ہونے کی دعوت دی تھی۔

''بچوں کا اسکول بھی ہمارے گھر سے قریب پڑتا ہے اور ہمارے محلے میں تمہاری جان پہچان بھی ہے۔ بس کچھ مہینوں کی تو بات ہے۔ احزم (فرجاد کا بڑا بیٹا) کے میٹرک کے پیپرز بھی ہو جائیں گے۔ کسی اور جگہ جا کر وہاں پریشان ہونے سے بہتر ہے بیٹا۔''

اس کے بہت انکار کرنے کے باوجود انہوں نے نرمی سے سمجھانا چاہا، لیکن جب اس کے باوجود بھی وہ انکاری رہا تب انہوں نے کہا۔

''ہمارا اوپر والا پورشن ویسے بھی کرائے کے لیے مختص ہے۔ تم، کیا ٹرمینالوجی یوز ہوتی ہے بھلا...... ہاں! پے انگ گیسٹ...... پے انگ گیسٹ کے طور پر رہنے آ جاؤ بیٹا۔'' ان کی اس بات کے بعد ودان کے پاس انکار کرنے کی کوئی راہ ہی نہیں بچی۔

سب سے بڑا مسئلہ احزم کا تھا...... ایک طرف باپ کے جانے کا دکھ دوسری طرف یہ مسائل...... وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

گیٹ کے قریب اپنا بیگ اٹھائے وہ کھڑا تھا، جب پیچھے سے ودان نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ اس نے مڑ کر خالی خالی آنکھوں سے اپنے چاچو کو دیکھا جو اس کو محبت سے دیکھ رہا تھا۔

''اٹ ول بی آل رائٹ جیزی'' ودان نے اس کے کندھے تھپتھپائے، احزم شرمندہ ہو گیا۔

'' آپ بابا کو بہت ناپسند کرتے ہوں گے ناں؟'' اس نے اچانک پوچھا۔

''میں تمہارے بابا کو ناپسند کیوں کروں گا؟'' اس کو اچانک سوال پر حیرت ہوئی لیکن اس نے سنبھل کر، مسکراہٹ چہرے پر سجا کر نرمی سے پوچھا۔

''کیونکہ انہوں نے آپ کو اپنے قرضوں میں پھنسا کر اتنا بے بس کر دیا ہے کہ آپ کو اپنی پرفیکٹ لائف چھوڑ کر پاکستان آنا پڑا۔ اس میں آپ کا قصور تو نہیں ناں۔ آپ ہمیں چھوڑ سکتے ہیں...... ٹرسٹ می ہم بالکل ناراض نہیں ہوں گے۔'' اب وہ جذباتی لہجے میں بول رہا تھا۔

''تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے احزم! کہ میں پھنس چکا ہوں۔''

یک دم اسے اس کے انداز پر غصہ آیا وہ تقریباً چلایا تھا۔

''میں نے دیکھا تھا اس دن۔ جب وہ قرض دار آئے تھے۔ آپ ساری رات غصے سے اپنے کمرے میں، ...... آپ رو رہے تھے...... آپ غصہ تھے...... اس کا یہی مطلب ہوا کہ آپ میرے بابا کے چھوڑے گئے میس میں پھنس چکے ہیں۔'' غصے بھرے لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھلتے ہی لہجہ بدل گیا۔

اس نے آگے بڑھ کر روتے ہوئے احزم کو گلے لگایا

pklibrary.com

"مجھے واقعی میں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ لیکن ہر مسئلے کا حل چیخنا چلانا نہیں ہوتا احزم! مجھے تمہارے بابا سے نفرت نہیں ہے اور میں یہ بھی نہیں سمجھتا کہ میں یہاں آکر پھنس گیا ہوں۔ تم ان چیزوں کے بارے میں نہیں سوچو گے نہ ہی یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ مجھے اپنی ذمہ داریاں نبھانے دو، تم صرف پڑھائی پر دھیان دو سمجھے۔"

وہ اس کو گلے لگائے پیار سے سمجھا رہا تھا اور احزم مسلسل رو رہا تھا۔

☆☆☆

رُتبہ کا دل ایسے دھڑک رہا تھا کہ جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔ وہ گہری گہری سانسیں لیتی اضطراب کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ حالانکہ بات اتنی بڑی بھی نہیں تھی۔ ایڈمیشن کے لیے ہی تو آئی تھی۔ اندر ڈیپارٹمنٹ کی ایچ او ڈی کے سامنے جب وہ اپنے باپ کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو اس کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔

"بچے! آپ ٹھیک؟" ڈائریکٹر صاحب اس سے پوچھ رہے تھے۔ پہلی بار اس کے بابا نے بھی مڑ کر دیکھا اور اس کا اڑا رنگ دیکھ کر مسکرا دیے۔

شاید وہ یہاں کا ماحول دیکھ کر تھوڑا گھبرا گئی تھی۔ اتنا کھلا ماحول اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ لڑکے لڑکیاں، گروپس میں بیٹھے ان کے بے پرواہ قہقہے۔ وہ سب اس کے لیے نیا تھا۔ اس نے گرلز اسکول سے میٹرک کیا تھا، گرلز کالج سے ایف ایس سی کیا۔

ایم ڈی کیٹ میں اس کے کم مارکس آئے تو بابا کی خواہش تھی کہ وہ فارم ڈی پڑھے۔ اس لیے وہ فارم ڈی پڑھنے پشاور یونی ورسٹی میں ایڈمیشن لے رہی تھی۔ گاؤں میں اس کے خاندان کی وہ پہلی لڑکی تھی، جو کسی یونی ورسٹی میں ایڈمیشن لے رہی تھی۔ اور اس کا سہرا اس کے پیارے بابا جان کے سر ہی جاتا ہے، جو اپنے بھائیوں کی پرواہ کیے بنا اس کو یونی ورسٹی جانے دے رہے تھے۔

جب وہ گھر آئی تو گل ریحانہ پھپھو آئی ہوئی تھیں، ان کے ماتھے پر شکنیں تھیں۔ امی چائے رکھ رہی تھیں اور پھپھو تائی امی سے کہہ رہی تھیں۔

"بھئی روز ینے! تمہارے بیٹوں کی غیرت کو سلام ہے جو سنبل کو پڑھانے کے وقت ایسے ڈٹ کر کے کھڑے ہوئے کہ...... سبحان اللہ...... اب دیکھو، کیسے راج کر رہی ہے سسرال میں۔ پڑھ لکھ کر لڑکیوں نے کیا کر لینا ہے بھلا۔ یاد نہیں ہے وہ شوکت استانی کی بیٹی...... اللہ توبہ...... پھپھو کے بیٹے کا رشتہ ٹھکرا دیا کہ یونی ورسٹی میں کوئی مل گیا تھا۔" آخر میں 'توبہ استغفار' کرتی وہ کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھیں۔

"توبہ کریں ریحانے باجی! اللہ نہ کرے میری بچی ثانیہ کے نقش قدم پر چلے۔" امی کو سخت ناگوار گزرا تھا۔

امی کی بات سن کر کہ منہ میں بسکٹ رکھتا پھپھو کا ہاتھ فوراً تھما اور صفائی دینے کے لیے باقاعدہ انہوں نے چائے کا کپ نیچے رکھ دیا۔

"میں نے ایسا تھوڑی کہا ہے سیما؟ اگر مجھے اپنی پیاری بھتیجی کا یونی ورسٹی جانا اتنا برا لگتا تو میں مبارک باد دینے تھوڑی آتی؟ میں تو بس ایسے ہی موقع محل دیکھ کر اس کا ذکر چھیڑ بیٹھی کہ اپنی بیٹی کو سمجھا دینا کہ وہاں لڑکوں سے ملے جلے نہیں، اپنے کام سے کام رکھے بس۔ عزت دار لوگ ہیں ہم۔"

"بے فکر رہیں...... مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسا ہے وہ ہماری عزت پر آنچ نہیں آنے دے گی اور ویسے بھی اچھی باتیں منہ سے نکالنی چاہئیں۔" اتنا کہہ کر امی اٹھیں اور کچن میں چلی گئیں۔ پھپھو جلتی کڑھتی، تائی کو پرانی باتیں سنا رہی تھی۔

اس کے ہاتھ میں ناول تھا، جس کا موضوع یونی ورسٹی ہی تھی۔ ایک رومانٹک ناول۔ جہاں ہیروئین کو اپنے خوابوں کا 'پرنس چارمنگ' مل جاتا ہے اور اس کی زندگی گلزار ہو جاتی ہے لیکن اس میں تو اتنا کانفیڈنیس تک نہیں تھا کہ وہ کلاس میں کھڑے ہو کر خود کو متعارف کر سکے۔ کجا کہ باتیں کرنا۔

pklibrary.com

☆☆☆

"جیہ آپی۔ جیہ آپی۔" ٹیپو ہانپتا کانپتا لاؤنج میں آیا۔ اس کی سانسیں پھول رہی تھیں۔

"پھر سے باہر لڑ کر آئے ہو کیا؟" وہ بے زاری سے سبزی کاٹتے ہوئے بولی تھی۔

"وہ نانو کے دوست کے بیٹے آگئے۔" وہ نہایت جوش سے بتا رہا تھا۔

"تو کیا کروں میں؟ ہار پہنانے ان کے استقبال میں کھڑی ہو جاؤں۔ بھاگو یہاں سے۔" وہ بے زاری سے بولی اور پھر سے سبزی کاٹنے لگی۔

وہ کچھ دیر اترتے سامان کا شور سنتی برداشت کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر لاؤنج کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر دیکھا جہاں سے مین گیٹ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ نیچے جھکا اپنی بھتیجی کے تسمے باندھ رہا تھا اس کے بعد، مزدور کے ساتھ چیزیں اتارنے میں مدد کرنے لگا۔ کچھ دیر کے لیے وہ یہ بھول چکی تھی کہ اس اجنبی کے آنے پر نانا سے خفا تھی۔ وہ دلچسپی سے اس بچی کو دیکھ رہی تھی اور اس کے بڑے بھائی کو، جو ٹیپو کا ہم عمر ہی لگ رہا تھا لیکن وہ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور حزن صاف محسوس کر رہی تھی۔

وہ کچھ دیر ان کو دیکھتی رہی۔ پھر نانا کو اندر کی طرف آتے دیکھا تو فوراً ہٹ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر بعد نانا کچن میں آئے۔

"جیہ! یہ شامی کباب لایا ہوں اور شنواری چاول۔ تم بس یہ چکن روسٹ کر دینا اور سلاد وغیرہ تیار کر دینا۔ آج کی دعوت بچوں کو میری طرف سے۔" ان کا انداز تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"تو آپ سہ پہر سے اس لیے غائب تھے؟" اس نے آنکھیں سکیڑیں۔

"نہیں، نہیں۔ عصر کی نماز کے بعد مسجد میں ساتھ بیٹھا تھا، یہ تو وہاں سے ایک نوجوان کو بازار بھیج دیا تھا۔" انہوں نے مسکراتے کہا۔

"جھوٹ مت بولیں نانو۔ آپ خود گئے تھے۔ شام ہو رہی ہے اب، اندھیرا دیکھیں۔ اوپر سے بغیر چشمے کے گئے تھے آپ۔ کیوں کر رہے ہیں آپ خود کو ہلکان؟" اب کی بار اس کے لہجے میں تشویش اور غصہ تھا۔

نانو اب کی بار کھسیانی مسکراہٹ سے بولے۔

"تم بہت سخت مزاج ہوتی جا رہی ہو جیہ۔"

"میری کوئی بات مانتے ہی نہیں ہیں آپ۔" ناراضی سے کہتی وہ مڑی۔

نانو کو اس کی خفگی برداشت نہیں ہوتی تھی، اس لیے فوراً آگے بڑھ کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"ودان میرا اپنا بچہ ہے۔ اتنے عرصے بعد میرے گھر میں کوئی رہنے آیا ہے۔ بہت عرصے بعد میرا گھر انسانوں سے بھرا ہے۔ مجھے خوشی ہوتی ہے۔ تکلیف نہیں۔" نانا کے لہجے میں تنہائی کا ایک خالی پن سا در آیا۔

"لیکن پھر بھی......" آپ کو اپنی صحت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ آپ مجھے کہتے، میں کسی قریبی ریسٹورنٹ سے آرڈر کر دیتی۔ خیر! آج تو کر لی آپ نے مہمان نوازی۔ اگلی بار مجھ سے پوچھے بنا کچھ نہیں کریں گے آپ۔"

"اچھا بابا۔ ٹھیک ہے۔" نانو مسکرائے۔

ایسے میں ٹیپو نانا ابو کو بلانے آیا تو وہ جریب ٹیکتے چلے گئے۔ کچھ دیر جب وہ کھانا ٹرے میں رکھ کر ٹیپو کو بلانے والی تھی تو اس نے دیکھا۔

وہ اوپر منزل کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ کچن کی کھڑکیاں باہر کھلتی تھیں، اس لیے وہ اس کو صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ پہلی بار اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

لمبا قد، سرخ و سفید چہرہ ہاتھوں کی ابھری رگیں۔ کتابوں میں لکھے گئے پختونوں کے نقوش کا بھرپور عکاس تھا وہ۔

معاً اس نے جیسے خود پر جمی نظروں کی حدت کو محسوس کیا، مڑا اور کچن کی جانب دیکھا۔ وہ فوراً سے پیشتر مڑی تھی۔

☆☆☆

یونی ورسٹی کا پہلا ہفتہ تو یونہی گزر گیا۔ کلاسسز کے اوقات کار سمجھنے، یونی ورسٹی کے گروپس میں ایڈ ہونے اور نصابی کتابوں کے پیچھے خوار ہوتے۔ لیکن وہ خود کو ایڈجسٹ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

رُتبہ ذہین نہیں تھی، لیکن وہ بلا کی محنتی تھی وہ بہت شوق سے پورے لیکچر لیتی تھی۔ اس دن جب اس کی وین چھوٹی تھی، اس دن سب سے پہلی کلاس بہت اہم تھی۔ اس کا چھوٹا بھائی اریب اس کو جیسے ہی یونی ورسٹی اتار کے گیا۔ وہ بھاگم بھاگ کلاس میں پہنچی، لیکن سر نے اس کو دیر سے آنے پر اندر نہیں آنے دیا۔ وہ رونی صورت بنا کر ڈیپارٹمنٹ سے باہر آگئی۔

"کھڑوس کہیں کے۔" دل میں سر کو صلواتیں سناتی، وہ ایس ٹی سی کیفے ٹیریا جانے لگی۔ معاً ایک جانی پہچانی آواز پر اس کے قدم تھمے تھے۔

"رُتبہ!"

رتبہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ معاً اس کی رونی صورت پر ایک بہت پر جوش مسکراہٹ چھا گئی۔ اس کے سامنے اس کی کالج کی سہیلی تھی، سباوئن۔

"ومیسنی کہیں کی، تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کیا یہاں ایڈمیشن لیا ہے؟ تم تو ایم ڈی کیٹ دینے والی تھیں ناں؟ فیل ہو گئیں کیا؟" سباوئن نے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ ہنس پڑی۔

"اتنے سارے سوالات ایک ساتھ؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "میں یہاں پڑھنے آئی ہوں، ہاں یہاں فارمیسی میں ایڈمیشن لیا ہے۔ ایم ڈی کیٹ دے چکی ہوں اور فیل نہیں ہوئی ہوں بے غیرت۔ ایگریگیٹ نہیں بنا میرا۔"

سباوئن کھلکھلائی۔ "یار، میں بتا نہیں سکتی میں کتنی خوش ہوں۔ چلو اچھا ہوا تم بھی آگئیں۔ میں اور حوریہ یہاں انگلش ڈیپارٹمنٹ میں ہیں۔ تمہاری کوئی کلاس تو نہیں ہے؟" اس نے سوال پوچھا۔

"کلاس تو ہے لیکن ہمارے کھڑوس ٹیچر نے آنے نہیں دیا کلاس میں تھوڑی لیٹ ہو گئی تھی۔" اس کو ٹیچر کی ڈانٹ یاد آ گئی تو اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"ارے یار! ایسے موقعوں پر۔ خوش ہوا کرو۔ کلاس بنک کرنا بھی ایک نعمت ہے۔" سباوئن آنکھ دبا کر ہنسی۔ اس کے انداز پر وہ بھی ہنس پڑی۔

"چلو، میرے ڈیپارٹمنٹ کا ایک چکر لگاتے ہیں۔ حوریہ سے بھی مل لینا۔" سباوئن نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

ویسے بھی ابھی پورا ایک گھنٹہ باقی تھا کلاس میں اور اس کے بعد کوئی کلاس نہیں تھی تو وہ بھی سر اثبات میں ہلاتی سباوئن کے ساتھ ہو لی تھی۔

سباوئن کے ساتھ اس کی دوستی کالج میں ہوئی تھی جبکہ حوریہ اس کی اسکول کے وقت سے دوست تھی۔ اس جدید زمانے میں بھی وہ فون نہیں استعمال کرتی تھی کیوں کہ اس کے گھر میں سختی بہت تھی۔ گو اس کے ابو اتنے سخت مزاج اور روایتی پختون جیسے غصہ ور نہ تھے لیکن اس کے تایا اور ان کے بیٹے ہر چیز میں غیرت کو بیچ میں گھسیٹ لیا کرتے تھے۔ کالج میں اکثر اس پر لڑکیاں ہنستی تھیں۔ ان کے واٹس ایپ گروپس ہوا کرتے تھے اور انسٹاگرام پر کافی سرگرم رہا کرتی تھیں۔ ایک وہی تھی جو ابو کا موبائل اور ان کا واٹس ایپ استعمال کرتی تھی کلاس سے متعلقہ معلومات جاننے کے لیے۔ اس لیے حوریہ اور سباوئن کو پتا نہیں تھا کہ اس نے فارمیسی میں ایڈمیشن لیا ہے۔ یونی ورسٹی میں داخلے کے بعد ابو نے اس کو ایک اچھا اسمارٹ فون لے کر دیا۔ گھر میں اس کے پاس موبائل ہونے پر سخت بحث مباحثہ ہوا لیکن ابو نے کسی کی باتوں پر کان نہیں دھرے۔

"مجھے اپنی بیٹی پر بھروسا ہے، وہ میرا سر کبھی نیچا نہیں کرے گی۔" ان کے لہجے میں اس کے لیے مان تھا۔

انگلش ڈیپارٹمنٹ وہ حوریہ سے باتیں کر رہی تھی کہ ایک بڑی سی گاڑی ڈیپارٹمنٹ کے سامنے

pklibrary.com

رکی۔
گاڑی کی پچھلی سیٹ سے دو تین لڑکے اترے اور کچھ دیر بعد فرنٹ سیٹ سے ایک لڑکا اترا۔ وہ سباوٗن کو دیکھ رہی تھی جو اس لڑکے کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔
لمبا قد' مہنگی شرٹ اور آنکھوں پر سن گلاسسز۔ اس کے ہاتھ میں آئی فون سیکسٹین تھا جو کان سے لگائے وہ کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس کا رخ انگلش ڈیپارٹمنٹ کی طرف ہی تھا۔ سباوٗن نے معاً اس کو ٹھوکا مارا۔
"اف اللہ دیکھا تم نے اس کو؟ یہ ہمارا اسٹیر ہے۔ بہت امیر۔ ہے نا پورا کا پورا "پرنس چارمنگ" ہے!!" سباوٗن انتہائی متاثر دکھائی دے رہی تھی۔
"پرنس چارمنگ!"
اس کا دل دھڑکا تھا۔ وہ ایک بے خودی کے عالم میں اس کو ڈیپارٹمنٹ کی طرف جاتا دیکھ رہی تھی۔
☆☆☆
اکتوبر کے سورج میں حدت کم ہوتی جا رہی تھی اور اب تو رات کو اوس بھی پڑتی تھی۔ ان کو یہاں آئے تین دن ہو چکے تھے۔ اوپر کے پورشن کی سیٹنگ ہو چکی تھی اور یہ تین دن لگاتار نذیر انکل کے گھر سے کچھ نہ کچھ آتا رہا تھا۔ وہ کھانا اتنا اچھا نہ ہوتا' ہر نوالہ پر' اس کے اندر کا شیف جاگتا لیکن وہ خود پر قابو پاتا کہ کھانا اچھا ہو یا برا' اس کے ساتھ نذیر انکل کا خلوص شامل تھا۔
اس دن اس جب اپنے ریسٹورنٹ کی اونر گریٹا کا میسج ملا' وہ اس کی جگہ ایک نیا شیف ہائر کر رہے تھے۔ اس دن اس کا موڈ سخت آف تھا۔ اس ریسٹورنٹ میں اپنی پہچان بنانے میں اس نے دن رات ایک کر دیے تھے۔ اس کے کھانے اتنے مقبول تھے' مشہور فوڈ بلاگرز اس کو بہت سراہتے تھے لیکن اس کی جگہ اب کوئی اور تھا...... یہ بات اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ ساری رات وہ بے سکون رہا' صبح نماز کے لیے اٹھا تو اس کی آنکھیں سرخ اور جل رہی تھیں۔ نماز پڑھنے کے بعد جب وہ آ رہا تھا تو کچن سے تازہ پراٹھوں کی بھینی بھینی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اتنا عرصہ ہو گیا تھا، اس نے پراٹھے نہیں کھائے تھے۔
وہ سر جھٹکتا اندر کی جانب بڑھا تھا' اس کو احزم اور نمیر کو اسکول ڈراپ کرنا تھا اور ان کے لیے ناشتہ بھی بنانا تھا۔ نمیر اور احزم صبح ناشتہ نہیں کرتے تھے۔ بالکل اپنے باپ کی طرح۔۔۔ وہ لنچ میں کھا لیا کرتے تھے۔ البتہ مسئلہ زوہا کا تھا' اس کی سمجھ نہیں آیا تھا کہ زوہا کو کیا کھانا پسند ہے۔ وہ کھل کر بتاتی نہیں تھی اور وہ ہلکان ہو جاتا تھا۔
"ماما نہیں آئیں گی اب؟" صبح اٹھتے ہی اس کا پہلا سوال یہ ہوتا تھا۔
وہ اس کے سوال کو نظر انداز بھی نہیں کر پاتا تھا اور اس کا جواب بھی نہیں دے پاتا تھا۔ وہ نرمی سے کہتا۔
"نہیں۔ وہ اب نہیں آئیں گی بیٹا۔"
"وہ اب کہاں ہے؟"
"وہ اب بہت اچھی جگہ پر ہیں۔"
"اچھی جگہ؟"
"جنت۔"
"جنت میں کیا ہوتا ہے؟ اور یہ کہاں ہے؟" وہ اپنا دکھ بھول کر دلچسپی سے سوالات پر سوالات کیے جاتی وہ اس کے لیے ٹوسٹ پر جیم لگا کر دیتا تو وہ غصے سے اس کا ہاتھ پرے دھکیلتی۔
"مجھے نہیں کھانا۔" منہ بسور کر کہتی۔
"تو کیا چاہیے تمہیں؟" زوہا کو اپنی پسند ناپسند بتانا آتا نہیں تھا عام روایتی بچوں کی طرح۔ وہ اس کے لیے پراٹھا بناتا یا' آملیٹ۔ اس کی ساری 'کوکنگ اسکلز' فیل ہو جاتی تھیں اس تین سال کی بچی کو خوش کرنے میں۔
☆☆☆
چہار سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ گہرا مہیب

اندھیرا۔ کچھ پل کے لیے تو اس کو لگا جیسے وہ اندھی ہو گئی ہے۔ لیکن وہ غلط تھی' وہ اندھی نہیں تھی۔ وہ کوئی غار تھا شاید ' جس میں وہ گری ہوئی تھی۔ معاً تیز چبھتی موبائل ٹارچ کی روشنی اس کی آنکھوں پر پڑی اور اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے فوراً اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ لیکن یہ روشنیاں مزید تیز ہوتی گئیں اور اس کے اردگرد کئی لوگ کھڑے ہونے لگے۔ یوں جیسے تماشا ہو......اس کا تماشا......!

اس نے بہت ہمت سے اٹھنے کی کوشش کی' سب لوگ جو اس کو تماشا سمجھ کر دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ اب ان کی نظروں میں نفرت جھلکنے لگی۔ یوں جیسے وہ انتہائی قابل نفرین ہو۔ عبرت کی نشانی۔

وہ سب یکجا ہو کر ہنسنے لگے۔ ہذیانی انداز میں نفرت اور طنزیہ انداز میں ہنستے ہی جا رہے تھے۔ معاً لوگوں کی بھیڑ کو چیرتی ایک عورت اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کو رسید کیا۔

"یہ تم نے کیا کر دیا......کیا کر دیا......!!"

ایک دم سے جیہ اٹھ بیٹھی۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے اور سارا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ اس نے پھر سے وہ خواب دیکھا تھا' اس کی آنکھوں میں وحشت تھی اور دل پر لگے زخم سے پھر خون رسنے لگا تھا۔

ماضی کا وہ صفحہ' جو وہ اپنی یادوں کی کتاب سے اکھاڑ پھینکنا چاہتی تھی' ہمیشہ ایک نئے انداز میں اس کے سامنے آ کر باآواز پڑھا جاتا تھا۔ ماضی جو ایک ایسا آئینہ تھا' جس میں وہ دیکھتی تو کراہیت سے اپنی آنکھیں پھوڑ دینا چاہتی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ ایک انداز میں بیٹھی رہی' فجر کی اذانیں شروع ہوئیں' تو اس کو احساس ہوا کہ فجر کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر پانی پینے کے ارادے سے نکلی۔ کچن میں فریج سے پانی نکالتے وقت اس کے ہاتھ تھمے تھے۔ کچن کی کھڑکی کے پار لان میں اسٹریٹ لائٹس کی مدھم مدھم روشنیاں پڑ رہی تھیں اور کوئی بے چینی سے چہل قدمی کر رہا تھا۔ لمحے بھر کو اس کو تھوڑا خوف سا محسوس ہوا' پھر اس کو یاد آیا کہ یہ وہ 'پے انگ گیسٹ' ہے۔ لیکن اس کو کیا پریشانی ہے' جو وہ ادھر ادھر ٹہل رہا ہے۔

جب وہ باہر نکلا' تو وہ بھی نماز پڑھنے اپنے کمرے میں آ گئی اور نماز کے بعد کچھ دیر سو گئی۔

ایک گھنٹے بعد' جب الارم سے اس کی آنکھیں کھلیں' تو موبائل اسکرین پر اس کے سپروائزر کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"آج میٹنگ ہے دس بجے......اس ہفتے کے رزلٹس دکھانے ہیں آپ نے......"

اس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس نے دو ریسرچ پیپر ابھی تک نہیں پڑھے تھے۔ وہ جلدی سے تیار ہو کر' سب کے لیے ناشتہ بنانے لگی ساتھ ہی ساتھ لیپ ٹاپ کھول کر پڑھ بھی رہی تھی۔

بریرہ اور ٹیپو جب اسکول کے لیے نکل گئے' تو وہ بھی گاڑی کی چابیاں لے کر باہر نکلنے لگی۔ مین گیٹ پر اس نے دیکھا' ودان اپنی بھتیجی کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"تو تمہیں کیا کھانا ہے بیٹے؟" آنکھوں میں بے بسی لیکن لہجہ نرم و ملائم تھا۔

وہ گاڑی نکال رہی تھی لیکن اس کی توجہ مسلسل ان چچا بھتیجی پر تھی۔

"مجھے پراٹھا کھانا ہے۔" وہ منمنائی۔ "مما والا۔"

"میں نے بنا کر دیا تو تھا۔" وہ زچ نظر آ رہا تھا

"وہ والا نہیں۔"

معاً اس کی نظر جیہ پر پڑی۔ اسکارف سے میک اپ سے مبرا صاف و شفاف چہرہ اور آنکھوں میں ایک عجیب سا خالی پن چھلک رہا تھا۔ اس نے پہلی بار جیہ کو دیکھا تھا' اس کو اتنا پتا تھا کہ نذیر انکل کی ایک نواسی اور دو پوتا پوتی یہاں ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ کیوں رہتے ہیں' اس کا جواب اس کو نہیں پتا تھا اور نہ ہی اس نے جاننے کی کوشش کی تھی۔ معاً اس کو صبح پر پراٹھوں کی مہک یاد آئی اور فوراً اس کی طرف بڑھا

تھا۔

جیہ جوان کو دیکھ رہی تھی ...... پہلے ودان کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر جز بز ہوئی اور پھر فوراً گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی لیکن گاڑی اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اب وہ قریب پہنچ چکا تھا۔

"السلام علیکم۔" گمبھیر لیکن دھیمے لہجے میں اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ مروتاً مسکرائی۔

"سلام کرو آپی کو۔" ودان نے زوہا کو کہا۔ زوہا جو روٹھی تھی اب روٹھے لہجے میں بولی۔

"چلام الیکم۔" اس نے معصومیت سے کہا۔

اس کے انداز پر نا چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دی۔ پھر وہ ودان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آپ کو کوئی مدد چاہیے۔"

"جی۔ لیکن آئی تھنک ' آپ جلدی میں ہیں۔" اس کی نظریں گاڑی پر سے ہوتی اس پر آئیں۔

"جی۔ جلدی تو ہے مجھے لیکن ......" وہ ابھی اپنا جملہ مکمل کرنے والی تھی کہ ودان نے معذرت خواہانہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

"آئی ایم سوری! آپ کو تکلیف دی۔"

"نن۔ نہیں۔ تکلیف کی کوئی بات نہیں ہے۔" اس کے یوں معذرت کرنے پر وہ بھی تھوڑا شرمندہ ہوئی۔ "آپ کو کیا مدد چاہیے تھی۔"

"نہیں۔ تھینک یو سو مچ۔ میں اب آپ کو زحمت نہیں دینا چاہتا۔ آپ جائیے پلیز۔" وہ سخت شرمندہ دکھائی دیتا تھا۔

"ویل ایکچوئلی' میری پی ایچ ڈی چل رہی ہے تو آج میری کھڑوس سپروائزر کے ساتھ میٹنگ ہے۔ اب ان کو تو بلاوجہ موقع چاہیے مجھے باتیں سنانے کا۔ اس لیے ...... آپ مجھے بتائیے کہ میں آپ کی کیا ہیلپ کر سکتی ہوں۔" وہ نرم لہجے میں بول رہی تھی۔

"دراصل یہ میری بھتیجی کچھ کھا نہیں رہی ہے۔" وہ زوہا کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔ زوہا خود کو گفتگو کا مرکز پاتے ہی مزید روٹھ گئی۔

"یہ تو آپ کے شیف ہونے پر ایک سوال ہے پھر۔" اس کی مزاح کی حس پھڑکی۔

ایک ہلکا سا قہقہہ ودان نے لگایا۔ "جی ...... لیکن مجھے اس سے زیادہ فکر اس کے 'کچھ بھی' نہ کھانے کی ہے۔ میں نے اس کو شوارما کھلانا چاہا' جنک فوڈ تک میں راضی ہو گیا لیکن یہ پھر بھی کچھ نہیں کھا رہی ہے۔"

وہ اب سوالیہ نظروں سے اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

"اگر آپ اس کو ہینڈل کر سکیں۔ اس کو کچھ کھلانے پر راضی کر سکیں۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی منت تھی۔

"'فرسٹ آف آل' میں بہت ٹیریبل کک ہوں لیکن خیر ...... ٹرائی کیا جا سکتا ہے۔" وہ گاڑی سے اتری' اس کو لاک کرنے لگی۔

"آئی تھنک' آپ کی گاڑی کے انجن کو 'پانی' کی ضرورت ہے ...... آپ چابی دیں، میں اس کو اسٹارٹ کر دیتا ہوں۔"

"اٹس اوکے۔ میں کر لوں گی۔ ڈونٹ وری۔" وہ مسکرائی۔ اس کے لہجے میں مطلق انکار تھا' اس لیے ودان کچھ کہہ نہ پایا' محض مسکرایا۔

جیہ اپنا موبائل نکال کر زوہا کو پکڑا رہی تھی' اگلے لمحے "کوکومیلن" کی آواز گونجی تھی۔ اس نے دیکھا کہ زوہا کے چہرے پر ایک پرجوش مسکراہٹ پھیلی تھی۔

اب وہ زوہا کو اندر کی طرف لے جا رہی تھی۔

وہ باہر زوہا کے لیے انتظار کرتا رہا' قریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ زوہا کے ساتھ نکلی' تو وہ اس کا منہ ٹشو سے صاف کر رہی تھی۔ ایک پیار بھری مسکراہٹ اس کے چہرے پر چھا گئی۔

"کچھ کھایا اس نے؟"

"آملیٹ اور پراٹھا۔"

"ہاؤ؟" اس کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

"میجک۔" وہ کھلکھلائی۔ "آج کے بعد آپ

pklibrary.com

اس کو صبح یہاں بھیجا کریں۔ اس کو میں ناشتہ کرادیا کروں گی۔" پھر اس نے موبائل پر ٹائم دیکھا اور جلدی سے گاڑی کی طرف جانے لگی۔ "مجھے دیر ہو رہی ہے۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ اور......" وہ ابھی اس کو شکریہ کہنے ہی والا تھا کہ وہ تیزی سے اس کے سامنے سے گزری اور گاڑی کے انجن میں پانی ڈال کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی۔ وہ شکریہ کہنے اس کے پاس اس لیے جا نہیں پایا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کے بار بار بات کرنے کو 'کچھ اور' معنی دے۔

اور دوسری طرف گاڑی میں بیٹھتی جیہ کا مسکراتا چہرہ ایک دم سے تاریک ہوا۔ وہ یہ بھول چکی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا اور ایک دفعہ پھر وہ کسی مرد سے متاثر ہو کر اس کی مدد کر رہی تھی...... وہ یہ بھول چکی تھی کہ نانا سے اس کی خفگی اسی بات پر تھی کہ انہوں نے اس کو پے انگ گیسٹ کیوں رکھا اور اب وہ اس کی مدد کر رہی تھی...... وہ اس کے نرم لہجے' اس کے اخلاق سے متاثر ہو چکی تھی؟......

اس کا چہرہ تاریک ہو چکا تھا اور وہ دل ہی دل میں خود سے یہ عہد کر رہی تھی کہ اگلی بار وہ اس انسان سے دور رہے گی۔ ہر حال میں۔

☆☆☆

رُتبہ کو جیسے ہی فری کلاس ملی' اس کو سباؤن کا ٹیکسٹ ملا۔

"فری ہوتے ہی ہمارے ڈیپارٹمنٹ چکر لگاؤ رتبہ۔"

اس کی کلاس میں کوئی دوست ہی نہیں بنی تھی ابھی تک۔ شاید اس کی اصل وجہ اس کے مزاج کی جھجک۔ کیونکہ وہ دوست بہت مشکل سے بنا پاتی تھی اور دوسرا یہ کہ اس کے کلاس میں زیادہ تر لڑکیاں پڑھاکو تھیں یا پھر وہ دوست جنہوں نے ایک ساتھ ایڈمیشن لیے تھے۔

سباؤن سے اس دن ملنے کے بعد' وہ سارا دن اس لڑکے کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ سباؤن نے ٹھیک نام دیا تھا اس کو۔ "پرنس چارمنگ"......!

وہ پرنس چارمنگ ہی تھا۔ ہینڈسم اور اسمارٹ اور سب سے زیادہ اس کی مغرور شخصیت۔ ماتھے پر گرے بال اور آنکھوں میں لاپرواہی کی چمک۔ وہ بالکل انگلش ناولز کے ہیروز کی طرح تھا۔

اس نے ساری رات اس کا انسٹا کھنگالا تھا۔ اس کی ہر پوسٹ پر ہزاروں لائیکس تھے' بہت سارے کمنٹس۔ ایک بے بسی سی اس کے دل پر چھا گئی تھی۔ وہ ایک ایسے انسان سے متاثر ہو رہی تھی' جو اس کی دسترس میں ہی نہیں تھا۔

اب بھی انگلش ڈیپارٹمنٹ جانے کی وجہ 'سباؤن' نہیں ...... بلکہ وہ پرنس چارمنگ ہی تھا۔ ڈیپارٹمنٹ کا گارڈ کسی باہر والے کو اندر نہیں جانے دیتا تھا لیکن وہ یہ کہہ کر اندر چلی جاتی تھی کہ وہ فریش اسٹوڈنٹ ہے۔ اس نے سباؤن کو میسج کیا' سباؤن کا جواب فوراً ملا۔

"لان میں آجاؤ۔" اس نے کوریڈور سے نظر گھما کر دیکھا' وہ سامنے لان میں بیٹھی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی اس کی جانب جا رہی تھی کہ معاً اس نے دیکھا کہ وہ اپنے گروپ میں کھڑا تھا۔ کسی راج ہنس کی طرح گردن اکڑائے' کسی بات پر ہنستا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو گئیں اور وہ یک ٹک اس کو دیکھے گئی۔ معاً دونوں کی نظریں ملیں اور اگلے ہی پل اس کی بے پرواہ آنکھوں میں ناپسندیدگی جھلکی اور اس کے چہرے سے مسکراہٹ سمٹ گئی۔

اس کا دل گہری کھائی میں جا گرا — اس کا سارا اعتماد ڈھا ہوا اور وہ دبے قدموں مڑنے لگی۔

"رُتبہ۔" سباؤن کی آواز پر اس کے قدم تھمے تھے...... وہ رکی۔

"کہاں جا رہی ہو۔ آؤ لائبریری میں بیٹھتے ہیں۔"

"نہیں سباؤن! مجھے کلاس کے لیے جانا ہے۔" اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"لیکن تم نے تو کہا تھا تمہاری کوئی کلاس

pklibrary.com

ماہنامہ کرن

جنوری 2025ء کے شمارے کی ایک جھلک

- "نیا سال نئی امید" سال نو کے حوالے سے شاہین رشید کا سروے،
- اداکارہ "سبرین ہسبانی" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- "تاش گھر" ایمل رضا کا سلسلہ وار ناول،
- "گنوا کر دل و جاں ہم" اُم طیفور کا مکمل ناول،
- "سن درد پیا" سمیرا سرفراز کا مکمل ناول،
- "دیپ سندر ہیں" ماورا طلحہ کے مکمل ناول کی آخری قسط،
- "نگل وفا" فرح بخاری کا ناولٹ،
- "ایک تھی لیز، ایک تھا جارج" عندلیب زہرا کا ناولٹ،
- حمیرا شفیع، قرۃ العین خالد اور عقیلہ ہاشمی کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- **"کرن کتاب"**

ماہ دسمبر کے حوالے سے خصوصی مضامین اور کھانوں کی ترکیبوں کے ساتھ،

جنوری 2025ء کا شمارہ شائع ہوگیا

نہیں ہے بارہ بجے تک کچھ ہوا ہے کیا تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟" سباؤن اس کے چہرے پر چھائی پژمردگی محسوس کر کے استفسار کرنے لگی۔

اس سے پہلے کہ سباؤن مزید سوال کرتی، اس نے کہا۔ "چلو، چلتے ہیں۔"

لائبریری میں خاموشی تھی اور گول سی لائبریری میں ایک جگہ گول میز کے گرد دو لڑکیاں بیٹھی تھیں، وہ حوریہ اور سباؤن اسی میز پر بیٹھ گئیں۔

"تمہیں پتا ہے آج میں نے بالاج کو کہاں دیکھا؟" اس لڑکی کے لہجے میں جوش تھا۔

رتبہ کی آنکھیں چمکیں، اس کے اندر ایک تجسس سا ابھرا۔

"ردا نہیں ہے؟ وہ جو اتنا میک اپ تھوپ کر آتی ہے۔ اس کے ساتھ۔"

اس لڑکی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"بالاج کا اسٹینڈرڈ اتنا گر گیا ہے کہ وہ ردا سے بات کرتا ہے۔ وہ تو اتنی بے حیا لڑکی ہے، کانٹ بیلیو۔" اس لڑکی کے چہرے پر مایوسی سی چھا گئی۔

رتبہ خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سنتی رہی۔ اندر ہی اندر وہ بہت اداس ہو چکی تھی۔

جب وہ باہر جانے لگی تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے اسی گروپ کے ساتھ لان میں بیٹھا تھا۔ ان کے ساتھ دو تین لڑکیاں بھی تھیں۔ لڑکیوں کے حلیے اور باتوں کے انداز سے صاف لگتا تھا کہ وہ امیر خاندانوں کی تھیں۔ وہ ہنس رہے تھے، قہقہے لگائے جارہے تھے۔

"اوکے میں چلتی ہوں اپنے ڈیپارٹمنٹ۔" وہ اس کو خدا حافظ کہتی اپنے ڈیپارٹمنٹ جانے لگی۔

"ایکسیوزمی!" کسی نے اس کو پکارا، وہ پیچھے مڑی۔ اسی کے دوستوں میں سے ایک اس کے سامنے کھڑا تھا اور پوچھ رہا تھا۔

"جی؟"

"آپ فریش اسٹوڈنٹ ہیں؟"

"جی۔"

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔"

"جی کہیں۔"

"ہم۔" یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بات کرنے کے لیے لفظ تول رہا ہو۔ "ایکچوئلی، ہمارے گروپ کو ایک والنٹیئر کی ضرورت تھی۔ ہم ایک سوسائٹی رن کرتے ہیں۔ تو اگر آپ جوائن کرنا چاہیں۔"

"کیسی سوسائٹی؟"

"آپ ہمیں نمبر دیں واٹس ایپ کا ہم، آپ کو اپنے گروپ میں ایڈ کرلیں گے، وہاں آپ سے معلومات شیئر کریں گے۔"

اب اس کو کچھ اندازہ ہوا تھا اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے سوسائٹیز جوائن کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اتنا کہہ کر وہ باہر جانے لگی۔

وہ تیز تیز قدموں سے جارہی تھی۔ معاً اس کو احساس ہوا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اگلے ہی پل اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ لڑکا اس کے پیچھے آرہا تھا۔ وہ فوراً ڈیپارٹمنٹ چلی گئی۔

شاید وہ اس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ اس کا وہم تھا۔ کلاس کے دوران خود کو دلاسے دیتی رہی۔ لیکن وہ غلط تھی۔ کلاس ختم ہونے کے بعد، جب وہ لنچ کرنے کینٹین گئی تو اس نے وہاں بھی دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کو سخت خوف محسوس ہونے لگا۔

اس کے گروپ والے بھی آس پاس کھڑے ہوتے تھے، لیکن وہ لڑکا اپنے گروپ کے پاس نہیں۔ بس اس کے آس پاس منڈلاتا رہتا تھا۔ وہ گھر میں بتا بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کے تایازاد بھائیوں کو پتا چل جاتا تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ یہ سوچ کر ہی اس کو جھرجھری آ گئی۔

وہ لڑکا رکا نہیں تھا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ جانے کیسے اس نے اس کا نمبر

ڈھونڈ لیا تھا اور اب وہ اس کو میسجز کرتا تھا۔
"مجھے آپ اچھی لگتی ہیں۔"
"مجھے آپ سے پیار ہوگیا ہے۔"
"پلیز مجھ سے بات کریں۔"
ایسے کئی واہیات میسجز روزانہ کئی بار نت نئے نمبرز سے کرتا تھا۔ وہ ہر ایک نمبر کو بلاک کر دیتی تھی۔
اور پھر ایک دن وہ اس کے پیچھے آرہا تھا' اس کا رنگ اڑ گیا۔ معاً وہ اس کے سامنے آیا۔ یونی میں کم رش تھا اس وقت۔
"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"
"لیکن مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔" وہ رو دینے کو تھی۔
ایسے میں پیچھے سے کوئی آیا اور اس لڑکے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ بالاج تھا۔
"یہ آپ کو تنگ کر رہا ہے؟" وہ رُتبہ سے پوچھ رہا تھا۔
رُتبہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "میں اس کو کئی بار منع کر چکی ہوں کہ مجھے اس سے بات نہیں کرنی۔ یہ مجھے بار بار میسجز کرتا ہے' میرا پیچھا کرتا ہے۔ اس سے کہیں پلیز مجھے تنگ کرنا چھوڑ دے۔" وہ تقریباً رو ہی پڑی تھی۔
"کیا مسئلہ ہے تمہارا نظار؟" وہ غرایا تھا۔ "تم باز نہیں آرہے ناں؟ کتنی بار ہم نے منع کیا تمہیں کہ اس لڑکی سے دور رہو۔ اس کا تم میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ لیکن تم پر اثر نہیں ہوا۔"
اس کے غصے بھرے سخت لہجے سے نظار نامی لڑکا ڈر سا گیا۔ وہ کھسیائے ہوئے لہجے میں مکرنے لگا۔
"جھوٹ بول رہی ہے یہ۔"
"مجھے پتا ہے، سچ کہہ رہی ہے۔ یہ آخری وارننگ ہے۔ اس کے بعد اگر تم اس کے آس پاس بھی نظر آئے تو بخدا منہ توڑ دوں گا میں تمہارا۔ تم جیسے گھٹیا انسان سے میں دوستی نہیں رکھنا چاہتا۔ دفع ہو جاؤ۔" وہ نظار سے نفرت سے کہتا غرایا۔ نظار اس کو نفرت سے دیکھتا وہاں سے چلا گیا۔ بالاج چہرے پر نرم مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے آیا۔ ایک پل کے لیے اس کو لگا ہی نہیں کہ یہ وہی متکبر، اکڑ والا بالاج ہے...... کسی مہربان فرشتے کی طرح وہ اس کے سامنے تھا۔
"بے فکر رہیں۔ اس کے بعد وہ آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔
وہ شکریہ تک نہیں کہہ پائی۔
اس نے سچ کہا تھا' اس کے بعد اس کو میسجز آنا بھی بند ہوئے اور اس کا پیچھا کرنا بھی بند ہوگیا۔ پہلے تو اس کا دل بالاج کے لیے دھڑکتا تھا' اب تو وہ اس کی مقروض ہو چکی تھی۔ وہ اس کا مسیحا تھا۔ کسی کو دیر تک سوچتے رہنے کو محبت کہتے ہیں تو اس کو واقعی میں بالاج سے محبت ہو چکی تھی۔
وہ تھا بھی اس قابل کہ اس سے محبت کی جائے۔ وہ سچ میں "پرنس چارمنگ" تھا۔

☆☆☆

شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ اندر تایا کے کمرے میں پھپھو اور ان کے دو بڑے بیٹے آئے تھے۔ تائی اس کو چائے بنانے کا کہہ رہی تھیں۔ کل اس کی پریزینٹیشن تھیں۔ وہ انہیں انکار نہیں کر پائی۔ چائے بنا کر وہ فوراً اپنے کمرے کی طرف جانے ہی لگی تھی کہ اس کے قدم تھمے تھے۔
"صفی اللہ دیکھا بھالا لڑکا ہے تمہارا۔ تمہارا ہی خون ہے۔ اس طرح رتبہ بھی میری اپنی ہی اولاد ہے' اپنا خون ہے۔ مجھے پرایوں میں لڑکی ڈھونڈنے سے بہتر یہی لگا کہ میں تمہاری لڑکی کا ہاتھ مانگ لوں۔"
پھپھو اتنے نرم ملائم لہجے میں کہہ رہی تھیں کہ اس کو شک ہونے لگا کہ یہ وہی پھپھو ہیں ناں' جو اس کے یونیورسٹی میں داخلہ لینے پر اس کے کردار پر شک کر رہی تھیں۔
ایسے میں کھڑکی کے پار اس نے پہلے اپنی ماں کو دیکھا' جن کے چہرے پر ناگواری تھی۔ اور پھر تائی کو' جو اپنی خوشی دبانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ امی کی

pklibrary.com

ناگواری اس لیے تھی کہ صفی اللہ جیسے بدمعاش، ان پڑھ لڑکے کو وہ اپنی پڑھی لکھی بیٹی کا ہاتھ کیوں دیتیں، بلکہ خاندان کے سب ہی لڑکی والے اس سے پناہ مانگتے تھے۔ اور تائی اس لیے خوش تھیں کہ اگر جمال نے 'ہاں' کردی تو رُتبہ سامنے سے ہٹ جائے گی اور وہ اپنی بھانجی، بھتیجی کو بیاہ کرلے آئیں گی۔ کیونکہ انہیں پتا تھا کہ تایا کے سامنے ان کی نہیں چلنی تھی اور تایا جتنے بھی غصہ ور سہی، ان کو رُتبہ جمال کی پہلی اولاد ہونے کی وجہ سے بہت عزیز تھی۔ اس لیے ان کے درمیانے بیٹے زین العابدین کے لیے وہ رُتبہ کو پسند کرتے تھے۔ یوں اچانک پھپھو کے رشتہ لانے کی خبر صرف 'تائی' کو تھی۔

"میری بات کا برا مت ماننا، خورے (بہن) لیکن ابھی میرا رُتبہ کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ فی الحال پڑھ رہی ہے۔ اس کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد میں اس کی شادی کے بارے میں سوچوں گا۔" جمال صاحب نے دھیمے اور مہذب لہجے میں انکار کردیا۔

"مڑا، اتنا پڑھ لکھ کر تم نے اس کو کمشنر بنانا ہے کیا؟ وہی شادی ہی کرنی ہے اس کی۔" پھپھو کو ان کا انکار کرنا انتہائی برا لگا۔

"کمشنر بھی ان شاء اللہ بنالوں گا اپنی بیٹی کو۔" ان کے لہجے میں اپنی بیٹی کے لیے فخر تھا۔

"چلو، ایسا کرتے ہیں تم صفی اللہ کے لیے ہاں کردو۔ منگنی کرلیتے ہیں۔ شادی اس کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد کرلیں گے۔ اتنا صبر تو میں کرلوں گی۔" پھپھو جلدی سے بولیں۔

تائی کی رکی سانس بحال ہوئی۔ جمال صاحب بھی جز بز ہوگئے۔ وہ تو ان کو مہذب لفظوں میں انکار کرچکے تھے لیکن پھپھو کا انداز ویسا ہی ڈھیٹ تھا۔

"خورے! میں تمہیں کیسے بتاؤں۔" رک کر انہوں نے الفاظ تولے، پھر گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور بولے۔ "رُتبہ اور صفی اللہ کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اس لیے مجھے اس رشتے سے انکار ہے اور دوسری بات یہ کہ رئیس بھائی (تایا) نے اگر اپنے بیٹوں میں سے کسی کے لیے رشتہ نہیں مانگا تب میں کسی اور کے لیے سوچوں گا۔"

"اے ہے! جوڑ نہیں؟ کیا جوڑ نہیں؟ کیا ہے تمہاری اس لڑکی میں؟ بدری جمالہ خاپیرے (بدیع الجمال پری) ہے کہ سرخاب کے پر لگے ہیں۔ جتنا فخر تمہیں اپنی بیٹی کے پڑھے لکھے ہونے پر ہے ناں، دیکھنا کیسے یہ تمہاری دستار کو پوری دنیا کے سامنے تار تار کرے گی۔ میں تو پھر بھی اپنا خون ہونے کی وجہ سے اس کو اپنا رہی ہوں ورنہ مجھے بھی پتا ہے کہ ایسی یونی ورسٹیوں میں جانے والی لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں۔ ہونہہ۔ روزینے (تائی) تمہیں ہی مبارک ہو یہ کمشنر صاحب۔"

پھپھو غصے سے جو منہ میں آیا، بولے جارہی تھیں۔ جمال صاحب انتہائی ضبط کے ساتھ خاموشی سے ان کو سن رہے تھے۔

جب پھپھو خاموش ہوئیں تو انہوں نے نرم لیکن پراعتماد لہجے میں کہا۔ "آپ مجھے اپنی بیٹی کے بارے میں مت بتائیں۔ مجھے پتا ہے اپنی بیٹی کا۔ مجھے اس پر پورا بھروسا ہے، اعتماد ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ باہر نکلے کہ دروازے سے لگی رُتبہ کو سامنے کھڑا دیکھا۔ وہ آگے بڑھے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اندر چلے۔ رُتبہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ ان کو اندر جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

"جیہ آپی بہت اچھی ہے۔" دو دن کے بعد زوہا اپنی جیہ باجی سے متاثر دکھائی دے رہی تھی۔

"اور وہ کیوں؟ وہ آپ کو کھانا کھلاتی ہے؟" وہ پیار سے مسکراتا، زوہا کی آنکھوں کی چمک دیکھ رہا تھا۔

"نو۔" اس نے زور سے سر ہلایا۔ "شی از مائی فرینڈ۔ اس لیے۔"

"اینڈ می؟" وہ ان نے خفا ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"یو آر مائی فرینڈ۔" زوہا اتنا کہہ کر واپس اپنے

آئی پیڈ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

وہ جیہ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن کچھ دنوں سے دونوں کا آمنا سامنا نہیں ہو پا رہا تھا، پھر وہ خود بھی اپنے مسائل میں مصروف ہو گیا۔ اس نے گاؤں کی اپنی ساری زمینیں قرض کے بدلے میں دے دیں لیکن اس کے باوجود بھی بہت سارا قرضہ ابھی باقی تھا۔

اس کے پاس ایک آخری آپشن بوسٹن میں اس کا اپارٹمنٹ تھا' جو اس نے کتنے سالوں کی محنت اور بچتوں سے خریدا تھا۔ پچھلے سال ہی اس کا لون ختم ہوا تھا۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی آدھی زندگی قرضہ لینے اور قرضہ اتارنے میں گزر گئی۔ اس نے اپنے دوست یوجین سے رابطہ کیا کہ وہ بوسٹن میں اس کا اپارٹمنٹ بیچنے کے لیے کسی رئیل اسٹیٹ ایجنٹ کو ڈھونڈے۔ یوجین نے پہلے تو اس کو اپارٹمنٹ نہ بیچنے کا مشورہ دیا لیکن اس کے پاس ایک آخری یہی حل بچا تھا۔ یوجین اس کے حالات پر سخت اداس ہو گیا تھا۔

"لیکن میں نہیں چاہتا ہوں کہ کل کو کوئی میرے چھوٹے چھوٹے بھتیجوں کے گلے پکڑے اور ان سے ان کے باپ کے قرض کا تقاضا کرے۔ اور وہ بے بس ہو جائیں۔ کیونکہ ان کے بزدل چاچو نے ان کو اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا۔ میں ایسا کر ہی نہیں سکتا۔"

یوجین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے اس کا رابطہ ایک اچھے ایجنٹ سے کروایا۔ جلد ہی اس کو ایک اچھا گاہک مل گیا اور اس کا اپارٹمنٹ بہت اچھے پیسوں پر بک گیا۔

گھر بیچنے سے اس کے بہت سارے مسائل حل ہو گئے۔ بہت سارا قرضہ اس نے اتار دیا تھا۔

اس دن وہ بہت خوش تھا۔ آج اتنے عرصے بعد اس کو اپنے کندھے ہلکے محسوس ہو رہے تھے۔

"آپ اتنے خوش کیوں ہیں چاچو؟" احزم جو لنچ کے لیے کچن میں آیا تھا' اس کو کھلکھلاتے دیکھ کر اب حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"بس ایسے ہی۔" اس نے کندھے اچکائے' وہ دراصل احزم کو بتانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ بہت سا قرض ادا کر چکا تھا کیونکہ احزم انتہائی حساس تھا اگلا سوال وہ اس سے یہ پوچھتا کہ کیسے؟۔

"اسٹرینج۔" احزم نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "اچھا لنچ میں کیا بنا ہے۔" پھر احزم نے کچن میں پھیلاوا دیکھ کر سوالیہ ابرو اچکائے۔

"یا بن رہا ہے؟"

"آج لنچ میں سم تھنگ اسپیشل' بن رہا ہے۔" ودان کے لہجے میں جوش تھا۔

"لائیک واٹ؟" احزم کو اب کی بار اپنے چاچو کا انداز انتہائی مشکوک اور پُراسرار لگا۔

"سرپرائز ہو گا مائی کڈ۔ اب تم نکلو میرے کچن' سے۔" اس نے مصنوعی غصے سے کہا۔ اس کے اندر کا شیف جاگ اٹھا تھا' جو اپنے کچن میں کسی اجنبی کو گھسنے نہیں دیتا تھا۔ احزم متحیر سا باہر نکل گیا۔

ودان نے ائیر پوڈز لگائے' کلاسیکل اوپیرا میوزک پر اپنا ایپرن اور شیف کیپ پہن کر سم تھنگ اسپیشل پکانے لگا۔

جب وہ اپنی فیورٹ ڈش بنا چکا تو اس نے بچوں کو بلایا اور ان کو سمجھایا کہ بڑے بڑے ریسٹورنٹ میں کیا ہوتا ہے...... کیسے سرو کیا جاتا ہے ...... کیسے ٹپ دی جاتی ...... تینوں بچے غور سے سن رہے تھے۔ پھر تینوں باہر نکلے' وہ ڈائننگ روم کے دروازے پر گویا استقبالیہ میں کھڑا ہوا۔

تینوں بچے مسکراہٹ دبائے' اپنی اداکاری کے تمام تر جوہر دکھانے کی کوشش کرتے اندر آئے۔

"ویلکم ٹو تھری اسٹار میشلن ہوٹل سر۔" اس نے تینوں کو خوش آمدید کہا۔ زہا زور سے ہنسنے لگی۔

اب وہ ان کو راستہ دکھاتا ٹیبل پر بٹھا رہا تھا۔ پھر اس نے کوٹ اتار کر 'باریستا' والا سوٹ جلدی سے پہنا اور ان کے سامنے آ کر ایک بڑا سا پیج رکھا یعنی مینیو۔

احزم نے اپنی اداکاری کو جاری رکھتے ہوئے چیچ اٹھا کر گلہ صاف کیا۔
''آئی وڈ لائک ٹو آرڈر ہمم''
احزم اب چیچ پر لکھے عجیب و غریب نام پڑھ رہا تھا' پھر اس نے 'سیکرٹ ڈش' کا نام لیا۔
''شیور سر۔''
وہ تینوں بھی خوب انجوائے کر رہے تھے ۔ودان کچن سے سب کچھ اٹھا کر اب ان کو سرو کر رہا تھا اور ساتھ میں بتا بھی رہا تھا کہ یہ کیا ہے؟ اور کیسے کھانا ہے۔
احزم اور نمیر بہت شوق سے کھانے لگے' جبکہ زوہا مسلسل برے برے منہ بنا رہی تھی۔
''مجھے میگی چاہیے۔''۔ اس کو زوہا کا پتا تھا اس لیے وہ پہلے سے ہی اس کے لیے میگی بنا چکا تھا۔
''ڈی لیشیز'' احزم متاثر دکھائی دے رہا تھا۔
آخر میں احزم نے اس کو ٹپ دی اور ایک چٹ پر ریویو بھی لکھا جو اس نے بعد میں کھولنے کا تاکید کی ۔اسی وقت ودان نے چٹ کھولی۔ اس پر لکھا تھا۔
''یو آر دی بیسٹ شیف' چاچو۔''
وہ پیار سے مسکرا دیا۔
کھانے کے بعد ودان نے ایک ڈش نمیر کے ہاتھوں ۔۔ نیچے بھجوائی۔ نمیر ڈش لے کر نیچے گیا اور جب لوٹا تو اس کے ہاتھ میں وہی بھرے ہوئے برتن تھے۔
''جیہ آپی نے لینے سے منع کر دیا۔ آئی ڈونٹ نو 'اتنے روڈ انداز میں کہا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے اور اس کو کھانے کا کوئی شوق نہیں۔''
اس کی ساری خوشی اور جوش ایک دم سے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ حیران سا رہ گیا۔ کہ اس نے ایسا کیوں کہا؟ ...... وہ تو اتنی خوش مزاج اور مہر مہربان لڑکی تھی' اتنے روڈ انداز میں وہ کیسے بات کر سکتی تھی؟

☆☆☆

دو دن بعد وہ حوریہ کی برتھ ڈے منانے اس کے ڈیپارٹمنٹ جا رہی تھی کہ راستے میں اس کو بالاج مل گیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔
''السلام علیکم!'' وہ اس کے قریب پہنچ کر اب سلام کر رہا تھا۔
''وعلیکم السلام۔'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ خود کو کہتے سنا تھا۔
''اس کے بعد تو نظار نے آپ کو تنگ نہیں کیا؟'' وہ بہت دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔
''نہیں۔ بہت شکریہ آپ کا۔''
''اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ میری غیرت کو گوارا نہ ہوتا کہ کوئی بھی ایسے کسی لڑکی کو پریشان کرے۔'' بالاج بہت فخر کے ساتھ کہہ رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس کا یہ روپ کتنا اچھا تھا۔ کسی لڑکی کی حفاظت کرنا' اس کا مہربان بننا' محافظ بننا۔ ہیروز تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔
وہ یک ٹک اس کو جاتا دیکھے جا رہی تھی۔ دور سے سباوِن اس کی طرف بھاگتی آ رہی تھی۔
''کتنی میسنی ہو تم۔ کیا کہہ رہا تھا وہ؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھی
''کچھ نہیں!'' اس نے سنبھل کر اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئی۔
''شٹ اپ۔ مجھے ڈیٹیل چاہیے۔ شاباش بتاؤ مجھے۔ وہ کیوں آیا تھا تمہارے پاس۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا سب سے اکھڑ' ہینڈسم پرنس چارمنگ ہماری سنو وائٹ سے کیا کہہ رہا تھا۔ شرافت کے ساتھ جواب دو۔'' سباوِن بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔
''لمبی کہانی ہے۔'' اس نے لب کاٹے۔
''پھر تو ایس ٹی سی چلتے ہیں۔ چائے سموسے لے کر یہ 'لمبی کہانی' سنتے ہیں۔ کیوں؟'' سباوِن بضد تھی۔
وہ اس کے انداز پر مسکرا دی تھی۔
''اف! ایسا تو صرف ناولز میں ہوتا ہے۔ کتنی

لگی ہو یار تم۔'' سباؤن حیران تھی کہ بالاج سب
لڑکیاں چھوڑ کر اس پر کیسے مہربان ہو گیا تھا۔

اگلے دن وہ کسی بہانے سے انگلش ڈیپارٹمنٹ گئی تو پورے ڈیپارٹمنٹ میں اس کو وہ کہیں نظر نہ آیا۔ اس کی آنکھیں بے چینی سے اس کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ مایوس ہو کر وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ واپس جانے لگی تو وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ وہی خوب صورت چہرہ' اچھی ڈریسنگ اور آنکھوں میں بے نیازی کے ساتھ انداز میں اکھڑ پن۔ اس کا یہ اکھڑ پن اس کو سب سے جدا کرتا تھا۔ اس کا دل بالاج کو دیکھ کر دھڑکنا بھول جاتا تھا۔ ابھی وہ اپنی کیفیت سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ آگے بڑھا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپ کی ایک فیور چاہیے تھی' رتبہ جی۔'' وہ سلام کے بعد اس سے پوچھ رہا تھا۔

(کیا میں تمہیں انکار کر سکتی ہوں؟)

''جی۔ ضرور۔''

''ہماری ایک سوسائٹی ہے' جو ہم رن کرتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں ایک والنٹیئر کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمیں جوائن کر لیتیں۔ ایکچوئلی آپ نے زیادہ کچھ نہیں کرنا' بس ہمارے ساتھ چھوٹے موٹے کاموں میں ہیلپ کرنی ہے۔''

''شیور۔ کیوں نہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''تھینک یو سو مچ۔'' بالاج خوش ہو گیا۔

''اچھا آپ مجھے اپنا واٹس ایپ نمبر دیں۔ میں آپ کو اپنی سوسائٹی گروپ میں ایڈ کر لوں گا۔''

''شیور۔'' وہ اپنا نمبر بتانے لگی۔

کچھ دیر بعد' اس کو ایک گروپ میں ایڈ کیا گیا۔ اس کا دل خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

☆☆☆

سوسائٹی کی طرف سے رات کو ایک زوم کال پر میٹنگ تھی۔ وہ میٹنگ اٹینڈ کرنے اوپر چھت پر آ گئی ۔ نومبر میں سردی کا آغاز تھا۔ سردی سے کانپتے اس نے پوری میٹنگ اٹینڈ کی۔ جس میں صرف سوسائٹی کیوں بنائی گئی تھی اور اس کے کیا کیا مقاصد ہیں' پر ہی بات کی گئی تھی۔

میٹنگ ختم ہونے کے بعد' وہ اپنے کوئیز کی تیاری کرنے نیچے اتری تو اس کے موبائل اسکرین پر ایک میسج آیا۔ ڈی پی پر بالاج کی تصویر دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''ہائے!''

میسج بس اتنا تھا۔ سمپل ہائے۔ وہ اضطراب سے اپنے ناخن کترنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کو کیا جواب دے۔ مسلسل بیس منٹ تک وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے رہی پھر اس نے ہمت کی اور میسج کیا۔

''ہائے۔ کیسے ہیں آپ۔''

میسج فوراً سین کیا گیا۔'' میں ٹھیک ٹھاک ۔ اینڈ پلیز آپ نہیں۔ ''تم'' کہا کریں۔''

اب کی بار تو اس کو لگا کہ اس کا دل واقعی میں دھڑکنا بھول جائے گا۔

''شیور! تم کیسے ہو بالاج؟''

''میں ٹھیک ٹھاک۔'' ساتھ میں مسکرانے والے ایموجی کے ساتھ ایک بڑا سا ہارٹ والا ایموجی بھی بھیجا گیا۔

اس کے گال دہکے۔ یہ سب اتنا جلدی کیسے ہو رہا ہے۔ کیا وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی' یا یہ فریب تھا ؟

لیکن یہ حقیقت تھی اور اتنی تیزی سے اس پر آشکار ہو رہی تھی۔ وہ تو خود کو اس کے لائق ہی نہیں سمجھتی تھی' پر اب وہ اس سے بات کر رہا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ یہ ہارٹ ری ایکٹ غلطی سے ہو گیا۔'' فوراً میسج بھیجا گیا۔'' آئی ہوپ! تم مائنڈ نہیں کرو گی رتبہ!''

''نہیں۔ اٹس او کے۔''

''او کے رتبہ! ایک اور فیور چاہیے۔!''

''شیور!''

اس کے میسج سین ہونے کے بعد' اس نے پانچ

منٹ تک کچھ نہیں کہا۔ یہ تجسس تھا یا اس کے میسج کے انتظار کی بے صبری۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

اگلے ہی لمحے میسج آیا اور میسج ایسا تھا کہ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے کئی بار خود کو چٹکی کاٹی۔ وہ خواب نہیں تھا یا حقیقت۔

وہ اس سے پوچھ رہا تھا کہ...... "کیا تم میری فرینڈ بنو گی؟"

(وہ مجھے پسند کرتا ہے! میں غلط تھی' میں اس کے قابل ہوں۔)

اس کی انگلیاں متحرک ہوئیں۔ "وائی ناٹ!"

☆☆☆

اس کی آنکھیں ہمہ وقت مسکراتی رہتی تھیں اور چمکتی تو یوں تھیں کہ جیسے کسی نے ڈھیر سارے جگنو اس کی آنکھوں میں بھر دیے ہوں۔ ہر بات کے بعد کھلکھلاہٹ' چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈھیر سارا ہنسنا۔ جیسے یکسر بدل گئی تھی۔

انگلش ڈیپارٹمنٹ کی لائبریری میں بیٹھی۔ وہ ساون کو اپنے 'پرنس چارمنگ' کے بارے میں بتا رہی تھی اور ساون ہر گزرتے دن کے ساتھ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتی تھی۔

"ہی از سچ آ جینٹل مین" رتبہ کے گال دہکنے لگے۔

اس دن کے بعد' اس کی اور بالاج کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی۔ اس کا سارا اعتماد یوں جیسے بحال ہو گیا تھا۔ وہ روزانہ کے حساب سے کلاسز بنک کرنے لگی اور یہ خلاف معمول بات تھی، وگرنہ وہ کلاس صرف ایک ہی وجہ سے چھوڑتی تھی اگر وہ بیمار ہوتی .... لیکن اب اس کو ایک نئی وجہ مل گئی تھی ۔ "بالاج"۔

ساون بتا رہی تھی کہ پورے ڈیپارٹمنٹ میں بالاج اور اس کے چرچے ہیں۔ بالاج بہت کم ہی کسی لڑکی کو ڈیٹ کرتا تھا اور اتنے عرصے میں وہ صرف اپنے دوستوں کے ساتھ ہی پایا جاتا تھا۔ اپنے ایلیٹ گروپ کے ساتھ ہی۔ اب وہ صرف رُتبہ کے ساتھ ہی نظر آتا تھا۔

اس دن وہ رُتبہ کو لنچ کے لیے لے جانا چاہ رہا تھا لیکن اس کی پریزینٹیشن تھی۔ وہ اس کو منع نہیں کر سکتی تھی نہ کرنا چاہتی تھی ۔ اس لیے وہ اپنی پریزینٹیشن چھوڑ کر اس کے ساتھ لنچ پر چلی آئی۔

"بالاج! میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔" اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ بات کرنا شروع کی' جو وہ کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ وہ کیسے اس کو یہ بات کہے۔

"میں پورے شوق سے سن رہا ہوں' رُتبہ جی!" وہ مسکرایا......

"میں ...... ہماری دوستی کو ایک اور رنگ دینا چاہتی ہوں......" رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "محبت کا رنگ!"

بالاج کی آنکھیں پھیلیں۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"سچ میں؟" وہ مسکراتا جا رہا تھا۔ یوں جیسے اس کو اسی دن کا انتظار تھا اور وہ اب اپنی خوشی کا انتظار نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹیبل پر رکھے اس کے ہاتھ کو نرمی سے چھوا اور پیار سے کہا۔

"میں بھی تم سے بہت ہی محبت کرتا ہوں' رُتبہ!" رتبہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا' وہ سچ کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

صبح کے وقت اچانک بادلوں نے آسمان پر قابض ہونا شروع کر دیا۔ آج اس کی چھٹی تھی۔ ساری رات وہ اپنی رپورٹ پر کام کرتی رہی۔ پورے ہفتے کے لیب ورک کی شیٹ تیار کر کے اس کو اپنے 'کھڑوس سپروائزر' کو سب مٹ کرنا ہوتی تھی۔ اس کے سپروائزر کی اس سے شاید اس لیے بھی نہیں بنتی تھی کہ۔ وہ انتہائی ریزروڈ رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی رپورٹ میں ہمیشہ کیڑے نکالتا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی اپنے کام سے کام رکھنے والوں میں سے تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی' تو نانو اپنی جریب

pklibrary.com

ٹہلتے دروازے کی طرف جانے لگے۔ وہ فوراً کچن سے باہر نکلی۔

"میں جاتی ہوں نانو! آپ رکیں، زوہا آئی ہو گی۔" نانو کو وہیں روک کر وہ اپنا بڑا سا دوپٹہ سر پر ٹھیک سے جماتے ہوئے باہر نکلی۔ تو اس کے سامنے زوہا اور ودان کھڑے تھے۔

"السلام علیکم! سوری آپ کو تنگ کر رہا ہوں۔ یہ تنگ کر رہی تھی کہ مجھے اپنی 'فرینڈ' کے پاس جانا ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"اس میں تنگ ہونے والی کوئی بات نہیں۔ میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ بھیجا کریں زوہا کو۔" وہ نیچے جھکی اور زوہا کے گال کھینچے۔ "آپ کل کیوں نہیں آئی تھیں؟"

زوہا نے سر اٹھا کر پیچھے دیکھا۔ "چاچو نے منع کیا تھا۔" اس نے معصومیت سے سچ بتایا۔

جیہ نے زوہا کو گود میں اٹھایا اور حیرت سے ودان کو دیکھا، جو شرمندہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"مجھے مناسب نہیں لگ رہا تھا کہ میں زوہا کو روزانہ یہاں بھیجا کروں۔"

"آپ کو نامناسب کیوں لگ رہا تھا؟"

"جیسے آپ کو نامناسب لگا تھا میری ڈش لینا۔" بالآخر اس کے لبوں سے سچ نکل ہی گیا۔ یہ ہوئے اس کو سخت شرمندگی ہوئی۔ "آئی ایم سوری! آپ کو حق تھا واپس کرنے کا، لیکن میں زوہا کو بار بار بھیج کر آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے۔" اپنی شرمندگی مٹانے لیے اس نے جلدی سے کہا۔

اس نے واقعی میں بہت روڈ انداز میں اس کی ڈش واپس کی۔

"آئی ایم سوری فار دیٹ۔ لیکن زوہا مجھ پر بوجھ نہیں ہے۔ آپ اس کو بھیجا کریں۔ آفٹر آل، یہ میری چھوٹی سی فرینڈ ہے۔" وہ نرم لہجے میں بولی تو ودان ہلکا سا شرمندہ ہوا۔

"اچھا۔ میں نے چائے کا پانی چولہے پر رکھا تھا یقیناً اب تک ابل چکا ہوگا۔" جیہ نے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ سجائے کہا اور پھر زوہا کی طرف مڑ کر دیکھ کر کہا۔ "چلیں پھر مائی لٹل فرینڈ۔"

"یس......!!" وہ چہکی۔

وہ زوہا کو اندر لاؤنج میں لے آئی، جہاں نانو ٹی وی لگائے بیٹھے تھے۔ نانو کو دیکھتے ہی زوہا چہکنے لگی۔ نانو اور زوہا کی اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ نانو اس کے ساتھ کھیلتے تھے۔ زوہا ان کی چھڑی اٹھا کر بھاگتی اور وہ اس کے پیچھے پیچھے 'مجھے اپنی چھڑی دو' کی صدائیں لگاتے بھاگتے ...... پھر وہ زوہا کو پکڑ لیتے اور پیار سے اس کے کان کھینچتے۔ زوہا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتی تھی۔ یوں یہ 'ٹام اینڈ جیری' والی دوستی جیہ کی صدا پر تھمتی۔

"زوہا! آؤ اپنے بریک فاسٹ کے لیے۔"

زوہا تیزی سے کچن کی طرف دوڑتی۔

اس کی خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کو کیا کھلائے۔ پہلے اس نے جلدی سے فریج میں پڑا مینگو شیک نکالا لیکن زوہا وہ بھی نہیں پی رہی تھی۔ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا کہ زوہا کی ماں 'مہمند' تھی۔ اس کو اپنے پرانے پڑوسی مہمند یاد آئے کہ ان کے گھر میں کیسے پراٹھے بنتے تھے۔ اس نے ایک بڑا سا باریک پتلا پراٹھا بنایا اور زوہا کے سامنے رکھا۔ اگلے ہی لمحے زوہا کی آنکھیں چمکیں۔

"مما کا پٹاٹا (پراٹھا)" وہ پر جوش لہجے میں چہکی۔

اس کے لبوں پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ آئی تھی۔ ایک اچھا کک ہونے کے باوجود ودان اس کے پراٹھے کی شناخت نہ کر پایا تھا۔

ناشتے کے بعد، نانو جب زوہا کو باہر لے جا رہے تھے تو وہ پکوڑوں کے لیے بیسن گھول رہی تھی باہر بارش تڑ تڑ برس رہی تھی۔ ٹیپو اور بریرہ کی فرمائش ہوئی تھی۔ وہ صبح سویرے اٹھ کر اپنے کمرے میں ہزار دفعہ کا دیکھا 'ہیری پوٹر' دیکھ رہے تھے۔ تب ہی اس

pklibrary.com

نے نانو کو کہتے سنا۔

"آج پکوڑے بن رہے ہیں، ودان! ہمارے گھر چائے پی لو۔" نانو ودان کو دعوت دے رہے تھے۔

"نہیں نذیر انکل، مجھے تھوڑی گروسری لانی تھی۔" وہ انہیں صاف انکار نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

"ارے تو گروسری کون سا تم سے بھاگی جارہی ہے۔ بعد میں کر لینا۔ آؤ شاباش اندر۔" ان کے یوں محبت سے کہنے پر وہ انکار کر ہی نہیں پایا۔

جبیہ کو نانو کا یہ 'دعوت نامہ' سخت ناگوار گزرا تھا اس نے بیسن اور ڈالا۔ کیونکہ جب وہ آچکا تھا، تو اس کے بعد اس کے باقی بھتیجوں کو بھی نانو بلائیں گے۔ ایسا ہی ہوا انہوں نے ٹیپو کو اوپر دوڑایا۔ نمیر چونکہ ٹیپو سے چھوٹا تھا، اس لیے وہ ان کے ساتھ کمرے میں ہیری پوٹر دیکھنے چلا گیا اور احزم ابھی تک نہیں آیا تھا۔

لاؤنج سے آواز صاف کچن تک آرہی تھی۔ نانو اور ودان فرجاد بھائی کے قرض کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ تب اس نے جانا کہ وہ اپنا ڈریم کیریئر چھوڑ کر اپنے بھتیجوں کے ساتھ کیوں رہ رہا ہے؟۔ شاید دنیا ابھی تک 'مہربان' لوگوں سے خالی نہیں ہوئی ہے۔

"تم نے اپنا بوسٹن والا گھر بیچ دیا...... یہ ایک بڑی قربانی ہے بیٹا! اللہ تمہیں اس کا اجر اس دنیا اور آخرت میں دے، آمین۔" نانو بہت متاثر تھے۔

پکوڑے بناتے اس کے ہاتھ بھی تھمے تھے۔ اس نے بوسٹن میں اپنا اپارٹمنٹ بیچ دیا؟۔ اس کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اور لاؤنج میں معاً ودان کی نظر احزم پر پڑی۔ جو لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کے قدم تھمے تھے۔ وہ یک ٹک اپنے چاچو کو دیکھے جارہا تھا۔ ودان کا رنگ اڑا۔ اگلے ہی لمحے احزم باہر کی طرف بھاگا۔ ودان بھی اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"احزم۔ احزم بیٹا۔ بات سنو میری۔" ودان کی پریشان آواز پر اس نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا۔ احزم باہر کی طرف جارہا تھا۔ ودان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنی جانب کھینچا تھا۔ بارش ہنوز جاری تھی۔

"کہاں جارہے ہو۔" وہ یہ بات احزم سے چھپا رہا تھا۔ اس کو احزم کے ردعمل کا اندازہ تھا۔

احزم نے اس کے ہاتھ جھٹکے۔ "کیوں کیا آپ نے ایسا؟" وہ غصے سے چلا رہا تھا۔

جبیہ سمجھنے کی کوشش کرتی، ان کو دیکھ رہی تھی۔ نانو لاؤنج کے گیٹ میں کھڑے۔

"یہ میرا فرض تھا بچے۔" وہ نرمی سے اس کو گلے لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ احزم نے اس کو پیچھے دھکیل دیا۔

"نہیں ہے ہم آپ کے فرض چاچو۔ جن کے فرض تھے ہم، وہ مر چکے ہیں۔ اتنی ساری پریشانیاں چھوڑ کر۔ کیوں بیچا آپ نے اپنا اپارٹمنٹ؟ وہ گھر آپ نے اتنی محنت سے بنایا تھا...... آپ ہمارے لیے کیوں کر رہے ہیں یہ سب۔" وہ چیخ رہا تھا اور رو بھی رہا تھا۔

"وہ صرف میرا گھر نہیں تھا، تمہارا بھی گھر تھا، نمیر کا، زوہا کا۔ تم تینوں میرا خون ہی ہو۔ اور گھر کا کیا ہے؟ ہم پھر سے بنالیں گے بچے۔ اللہ اپنے پیاروں کو آزماتا ہے۔ یہ آزمائش بھی گزر جائے گی بچے۔" وہ روتے ہوئے احزم کو گلے لگا رہا تھا۔

کچن کی کھڑکی کے پار دیکھتی جبیہ یک ٹک ودان اور احزم کو دیکھ رہی تھی وہ کتنے پیار سے اپنے بھتیجے کو سنبھال رہا تھا۔ اپنے خواب بیچ کر وہ ان کو باپ کی کمی محسوس نہ ہونے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

پہلی بار اس کو خود پر افسوس ہوا کہ وہ اس انسان کو دوسرے مردوں کے ترازو میں کیوں تول رہی تھی؟

☆☆☆

جس سوسائٹی کے ذریعے دونوں کی دوستی ہوئی تھی، اس سوسائٹی کا آگے کبھی ذکر ہی نہیں آیا۔ وہ خود بھی بھول چکی تھی۔ اس کو بس اتنا یاد تھا کہ بالاج اس

pklibrary.com

سے محبت کرتا ہے۔

وہ دیر سے گھر جاتی تھی اور یہ بہانا بناتی تھی کہ وہ لیب میں ہوتی ہے۔ اس کے ابو کو اس پر اتنا اعتماد تھا انہوں نے کبھی اس کے ٹائم ٹیبل کو چیک بھی نہیں کیا تھا۔

پھپھو ابو سے سخت خفا تھیں، انہوں نے دوسری پھپھو کی بیٹی کا ہاتھ مانگ لیا تھا۔ اور یہاں تائی امی بات بات پر امی سے لڑنے جھگڑنے لگتی تھیں کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے چھوٹے بیٹے سے رُتبہ کا رشتہ ہو۔ لیکن ان کی ساری کوششیں ناکام ہوئیں کیونکہ تایا نے 'گرین سگنل' دے دیا تھا کہ وہ اسود اور رُتبہ کا رشتہ 'زبانی' طے کر رہے ہیں۔ ابو کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔

اس کو سخت پریشانی نے آن گھیرا تھا، اگر انہوں نے منگنی کر لی تو وہ پھنس جائے گی۔ وہ سباؤن کو اپنی پریشانی بتا رہی تھی۔

"تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں؟" سباؤن مسکرائی۔

"کیسی راز کی بات؟"

"مجھے حرا (بالاج کی دوست) نے بتایا کہ بالاج تمہیں اپنے فارم ہاؤس میں بلا رہا ہے اور وہاں تمہیں پرپوز کرے گا۔ لیکن تم نے یہ ظاہر کرنا ہے کہ تمہیں پتا نہیں ہے۔ جی۔ یار آئی ایم سو ہیپی فار یو۔" وہ چہکتے ہوئے اس کو گلے لگا رہی تھی۔

اور وہ بت بن چکی تھی۔ اس کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔ کیا وہ خواب دیکھ رہی تھی؟۔ صرف ایک مہینے میں اس نے اپنی محبت کو بھی پا لیا۔

وہ اتنی خوش قسمت تھی؟......

سہ پہر کو بالاج نے اس کو میسج کیا۔

"رُتبہ! نیکسٹ ویک میری برتھ ڈے پر ایک پارٹی ہے میرے فارم ہاؤس پر...... سب دوست ہوں گے۔ اگر تم کمفرٹیبل نہیں ہو۔ تو انکار کرنے کا حق ہے تمہارے پاس۔ بس میں تمہیں اس دن ایک سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔" وہ بہت پرجوش لہجے میں بتا رہا تھا۔ ساری رات خوشی کے مارے اس کی آنکھوں سے نیند غائب رہی۔

☆☆☆

پکوڑوں کی محفل کے بعد، جیہ کا رویہ ودان کے ساتھ نرم ہو گیا تھا۔ یہ شاید وہ مروت میں کر رہی تھی کہ ایک انسان اتنی پریشانیوں میں گھرا ہو تو وہ اس کے نخوت بھرے رویے کا مستحق نہ تھا۔ وہ اوپر جانے لگا تو اس کی نظر جیہ پر پڑی تو اس نے مسکرا کر کہا۔

"پکوڑے اچھے بناتی ہیں آپ۔"

وہ مسکرائی۔ "ایک شیف سے یہ سننا یا تو تعریف ہو سکتی ہے یا 'طنز'...... اب یہ تعریف تھی یا طنز...... میں نہیں سمجھی۔" جیہ کی رگ ظرافت پھڑکی۔

"میں نے جینوئنلی تعریف کی ہے، جیہ۔"

"بہت شکریہ آپ کا۔" اب وہ ہلکا سا ہنسی۔

"ایک ہیلپ چاہیے تھی آپ کی۔ ایکچوئلی مجھے بچوں کی پسند ناپسند نہیں پتا، اور نہ ہی ان کی ضرورت کی کیا چیزیں ہوتی ہیں۔ اگر آپ میری زوہا کی شاپنگ کرنے میں ہیلپ کر دیتیں تو......"

وہ انکار کرنے والی ہی تھی کہ پیچھے سے نانو نمودار ہوئے۔

"ہاں کیوں نہیں۔ اسی بہانے خود اپنے لیے بھی شاپنگ کر لینا اور ٹیپو بریرہ کے لیے بھی۔ ان بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ ان کی بھی آؤٹنگ ہو جائے گی۔"

اب تو انکار کرنے کی گنجائش ہی نہیں بچی۔ اس نے نانو کو گھورا تھا۔ انہوں نے جیہ کی گھوری کو نظر انداز کیا۔

"اوکے۔ گریٹ۔ تو آپ تیار ہو جائیں۔ میں زوہا کو تیار کر کے آتا ہوں۔" وہ خوش ہوا۔

اس کے جانے کے بعد، وہ اپنے کمرے چلی آئی، سمجھ میں تو بالکل بھی نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

اندر ایک غبار سا اٹھ رہا تھا۔ ماضی کی کریہہ یادیں اس کے دل کی زمین میں مزید سیاہی گھولنے

لگی تھیں۔ اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس نے اپنا اسکارف لیا اور جینز پر جامنی رنگ کی لانگ شرٹ پہنی۔ بیگ اٹھا کر باہر نکلی۔

وہ لوگ اب یونی ورسٹی روڈ کی طرف جا رہے تھے۔ اس نے زوہا کے لیے تین چار جیکٹ اور سویٹرز لیے، اور کچھ روزمرہ کی شرٹس۔ وہ بہت مگن ہو کر شاپنگ کر رہی تھی اور زوہا اس کا ہاتھ پکڑے چہکتی جا رہی تھی۔ اور یہ اس نے کئی دفعہ نوٹ کیا تھا۔ وہ جیہ کے آس پاس بہت خوش رہتی تھی اور جب اپنے پورشن میں ہوتی تو بجھی بجھی سی رہتی اور اکثر ماں کو یاد کرتی رہتی تھی۔ وہ جتنی بھی کوشش کرتا، ایک ماں کی کمی کو وہ پورا نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ نیچے جھکی زوہا کو جوتا پہنا رہی تھی اور زوہا مسلسل اس کو کوئی بات بتاتی ہنسے جا رہی تھی۔ اس کے پاس ایک مہینہ تھا اور اس کے بعد وہ لوگ بوسٹن چلے جاتے۔ اسی لمحے اس نے وہ بڑا فیصلہ کر ڈالا، جس سے بھاگتے بھاگتے اس نے کئی سال نکال دیے تھے۔

شاپنگ کے بعد وہ لنچ کر کے ایک پارک میں چلے گئے۔ بچے ادھر ادھر مگن ہو گئے۔ نمیر، احزم، ٹیپو اور بریرہ اس بڑی کشتی میں بیٹھ گئے اور وہ دونوں زوہا کو لے کر بچوں والے جھولے کے پاس آ گئے۔ زوہا وہاں کھیل رہی تھی اور وہ دونوں وہاں کھڑے اس کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے بیچ ایک خاموشی کا وقفہ آیا۔

''آپ اپنے بھائی کو مس کرتے ہوں گے؟'' جیہ کے لہجے میں ایک خالی پن سا در آیا۔

''سچ پوچھیں تو مجھے اس کو ٹھیک سے یاد کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔'' وہ ہلکے سے لہجے میں کہتا ہوا ہنس پڑا تھا۔ جیہ نے حیرت سے دیکھا۔

''آئی مین، اتنے مسائل تھے اس کے۔ اس کو سلجھاتے سلجھاتے وقت ہی نہیں ملا۔ اب میں اس کو مس کرتا ہوں لیکن مجھے دکھ نہیں ہوتا۔ دکھ مجھے تب ہوتا کہ میں اس کے بچوں کے لیے کچھ کرنے کے لائق نہ ہوتا۔ یاد تو ظاہر ہے بہت آتی ہے اس کی، لیکن دکھ......'' اس نے کندھے اچکائے۔ ''دکھ نہیں ہوتا۔''

اس کا لہجہ اتنا سادہ تھا کہ وہ مسکرائے بنا نہ رہ پائی۔

''آپ نے شادی نہیں کی ابھی تک؟'' وہ جو پوچھنا تو چاہتی تھی لیکن ہمت نہیں کر پا رہی تھی، وہی سوال بے ساختہ اس کے لبوں پر مچلا۔

''نہیں۔'' وہ سر جھکا کر ہلکا سا مسکرایا۔

''پوچھ سکتی ہوں، کیوں؟''

''بڑوں سے سنتے آئے ہیں کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ اس لیے میں نے کبھی زمین پر اس کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کندھے اچکائے۔

''آپ ہمیشہ سے نذیر انکل کے پاس رہتی رہی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔ پچھلے چھ سات سالوں سے۔'' اس کی آنکھوں میں ماضی کی یادیں چبھنے لگیں۔

''تو آپ اپنے پیرنٹس کے ساتھ نہیں رہتیں؟''

''نہیں۔'' اس کا لہجہ اب مدھم ہونے لگا۔

''وہ حیات نہیں ہیں؟''

''حیات ہیں۔''

جانے کیوں اس کے ہاتھ کانپنے لگے، آنکھیں بھرنے لگیں۔ بہت عرصے بعد کسی نے اس کے ماضی کی بھیانک کتاب کو چھیڑا تھا۔

''تو آپ......'' وہ اپنی ہی دھن میں کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ جیہ فوراً بولی۔

''پلیز اسٹاپ!'' اس کا لہجہ رندھ گیا تھا۔ ودان نے دیکھا کہ اس کا چہرہ تاریک ہو چکا تھا اور آنسو کی ایک لکیر اس کے چہرے پر بہتی جا رہی تھی۔ وہ فوراً مڑی اور ودان کو اپنی سنگین غلطی کا احساس ہوا۔ اس کو اتنے ذاتی سوال نہیں پوچھنے چاہیے تھے۔ وہ زوہا کو جھولے سے اتار کر، گود میں لیے اس کے پیچھے چلا آیا۔ وہ ایک طرف بینچ پر بیٹھی اپنے آنسو صاف

کر رہی تھی۔

"آئی ایم سوری! میرا آپ کو ہرٹ کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔" وہ معذرت کر رہا تھا۔

وہ اٹھی۔ "مجھے گھر جانا ہے پلیز۔"

وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھیں۔

"شیور۔"

پورے راستے وہ خاموش تھی۔ یہ تو شکر تھا، زوہا گاڑی میں سو چکی تھی۔

ساری رات وہ ان اس کے یوں رو دینے پر حیرت سے سوچتا رہا تھا کہ ایسا کیا ہوا تھا اس بہادر لڑکی کے ساتھ؟ جو وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نہیں رہتی تھی۔

کچھ دن بعد، جب جیہ کا رویہ ٹھیک ہو چکا تھا۔ اس نے نانا ابو سے اپنی زندگی کے بڑے فیصلے کے بارے میں بات کی......

"میں جیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

نانا ابو کا چہرہ ایک دم سے کھل اٹھا وہ اس کے گلے لگ گئے تھے۔

☆☆☆

جس دن کا اس کو اتنا انتظار تھا، وہ آچکا تھا۔ اس نے سرخ رنگ کا ایک خوب صورت جوڑا پہنا تھا۔ بوتیوٹی اتر کر وہ فوراً سباؤن کے پاس گئی۔ سباؤن نے اس کا خوب صورت سا میک اپ کیا۔ وہ پھر بی آر ٹی اسٹیشن چلی آئی، جہاں بالاج اس کو اپنی مہنگی گاڑی میں لینے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اتنی مہنگی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے، آس پاس کھڑے لوگوں نے عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

"پیاری لگ رہی ہو۔" بالاج نے جان نثار نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ سرخ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد، ایک طویل راستہ عبور کرتے ہوئے وہ بالاج کے فارم ہاؤس آگئے۔ فارم ہاؤس میں اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے آس پاس نظریں دوڑائیں۔ اس کو وہاں دور کھڑا نظار بھی نظر آیا۔ وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟ اس کا ذہن الجھنے لگا۔

فارم ہاؤس میں صرف چند لڑکیاں تھیں، وہ بھی وہی اس کے گروپ والی لڑکیاں، جو ہر جگہ اس کے آگے پیچھے پائی جاتی تھیں۔ باقی لڑکے ہی لڑکے تھے۔ کچھ یونی ورسٹی کے، اور کچھ شاید اس کے دوست۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کو شاید یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

"بالاج! میں یہاں کمفرٹیبل فیل نہیں کر رہی، مجھے جانا ہے۔"

بالاج نے مڑ کر دیکھا، اس کی نظروں میں طنز تھا۔

"ابھی تو سرپرائز دینا ہے یار۔ ویٹ کرو تھوڑا سا۔"

وہ ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اب وہ دور کھڑے بالاج کو دیکھ رہی تھی اور اس کے عین پیچھے نظار کھڑا تھا لیکن وہ ذرا فاصلے پر تھی، اس لیے وہ اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" کوئی لڑکا نظار سے پوچھ رہا تھا۔

"آج کا تھیم۔" نظار ہنسا۔

"کیسا تھیم؟" لڑکا حیران ہوا۔

"قصہ کچھ یوں ہے کہ ہم یونی ورسٹی میں ٹروتھ اینڈ ڈیئر کھیل رہے تھے۔ تو بالاج کو ڈیئر ملا تھا اور ڈیئر یہ تھا کہ اس کو سامنے سے گزرنے والی لڑکی کے ساتھ ایک مہینے کے لیے فلرٹ کرنا ہے۔ اس کو اپنی محبت میں پھنسانا ہے اور ہم پھر اس کی برتھ ڈے پارٹی میں یہ پرانک ظاہر کریں گے...... اگر وہ نہ جیتا، تو ہم جو مانگیں گے وہ دے گا۔ لیکن...... وہ جیت گیا۔"

آخر میں مایوسی کے ساتھ اس نے کندھے اچکائے۔

اس کا چہرہ تاریک ہوتا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے پاؤں تلے زمین سرک رہی ہو۔ معاً نظار کی نظر اس پر پڑی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہ مڑی اور تیز تیز قدموں سے چلتی بالاج کے پاس آئی۔ بالاج کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس کو سامنے دیکھ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک زناٹے دار

pklibrary.com

تھپڑ گرا اس کے چہرے پر پڑا۔ بالاج گنگ رہ گیا۔
"تم نے اتنا بڑا کھیل کھیلا میرے ساتھ۔ تمہیں لوگوں کی زندگیاں اتنی ارزاں لگتی ہیں کہ تم ان کے ساتھ یوں کھیلتے پھرو؟" وہ رو رہی تھی۔ بالاج اب اس کی طرف لپکا تھا۔
"تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی؟ تم ہوتی کون ہو؟" وہ غرایا تھا۔
"ہاں کھیلا میں نے تمہارے ساتھ کھیل۔ تم جیسی چھوٹے گھروں کی لڑکیاں' جو اتنا باپردہ ہونے کا ڈھونگ رچاتی ہیں۔ دو پیسے دیکھ کر اپنا پردہ بھی بھول جاتی ہیں اور اپنی اوقات بھی۔ تم وہی لڑکی ہو نا' جو نظار کے بار بار فیچر کرنے پر' اس کے پیچھا کرنے پر اس کو کہتی تھیں۔ ڈرتی تھیں۔ اس سے بات نہیں کرتی تھیں۔ کیوں؟...... کیونکہ اس کے پاس پیسہ نہیں تھا ...... پھر وہی سب میں نے بھی دہرایا' تمہیں اپنی سوسائٹی آنے کی دعوت دی' تم سے نمبر مانگا۔ اور تم نے سب مان لیا اور پھر کیا کہا اس دن مجھ سے...... بالاج! میں تم پر مرتی ہوں' تم سے محبت کرتی ہوں کیونکہ تمہارے پاس پیسہ ہے اور میں گولڈ ڈگر' تھرڈ کلاس لڑکی ہوں...... تم جیسی لڑکیاں خود کو پیش کرتی ہیں اور پھر مکر کے آنسو بہاتی ہیں...... اور اب تم مجھے آنکھیں دکھا رہی ہو؟" وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔
رُتبہ کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ وہ بھاگنا چاہتی تھی لیکن اس کے پاؤں شل ہو چکے تھے۔ دور کوئی لڑکا یہ سب کچھ فلم بند کر رہا تھا۔
وہ ایک دفعہ پھر اس پر لپکا تھا۔ اس کو کھینچنے کی تگ و دو میں اس کا دوپٹہ کھنچ گیا۔ اس کی چادر تلے اس کا دوپٹہ نیچے گر گیا۔
وہ اس کو پوری قوت سے دھکا دے کر باہر کی طرف بھاگی تھی۔ ایک قیامت سے بھاگ کر دوسری قیامت کی طرف بھاگی تھی۔
کچی عمر کا یہ سودا' اس کو بہت مہنگا پڑنے والا تھا۔

☆☆☆

اس کو لگا تھا کہ وہ اپنی عزت بچا کر آئی تھی لیکن اس کی غلطی کسی عفریت کی طرح اس کے پیچھے لگ چکی تھی۔ ساری رات وہ خوف سے تھر تھر کانپتی رہی۔ اگلا دن اتوار کا تھا۔ سب گھر والے گھر پر تھے۔
ایسے میں دروازہ دھڑ سے کھلا تھا۔ اسود چیختا اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"کہاں ہے وہ بے غیرت' بے حیا!" اس کے گلے کی رگیں ابھر کر پھٹنے کو تھیں۔ چہرہ انتہائی لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ سب اس کی طرف بھاگے تھے۔ وہ اندر بیٹھی رُتبہ کو بالوں سے پکڑ کر باہر نکال رہا تھا۔
اور رُتبہ کو لگا کہ جیسے ملک الموت اس کی روح قبض کرنے آ چکا تھا۔ قیامت آ گئی ہے اور اس کو 'گناہ گار' ٹھہرایا جائے گا۔ پھپھو کا گھر قریب ہی تھا۔ اس لیے وہ بھی چیخیں سن کر بھاگتی ہوئی ان کے گھر آئیں۔ ابو غصے سے اسود کی طرف لپکے۔
"تمہاری ہمت کیسے ہوئی......"
"اور اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ یہ میری عزت نیلام کرنے اس خنزیر الماس خان کے بیٹے کے فارم پر گئی؟...... پتا نہیں کیا گل کھلا چکی ہے یہ وہاں...... یہ دیکھیں۔" اسود نے جلدی سے اپنا موبائل نکالا۔ "یہ دیکھیں اپنی بیٹی کے کارنامے۔ یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہو چکی ہے۔ نیلام کر چکی ہے ہماری عزت یہ بے غیرت۔"
وہ ابو کو موبائل پکڑا کر اب اپنے کمرے کی طرف بھاگا تھا۔
"اس کو میں آج جان سے ماروں گا۔"
اس کی ماں اسود کے پیچھے لپکی۔ "خبردار جو اس بے حیا کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تو۔"
اس کا باپ یک ٹک ویڈیو دیکھ رہا تھا' جہاں بالاج اس کو باتیں سنا رہا تھا۔ پھر وہ اس کی طرف لپکا تھا۔ اس کے سر سے دوپٹہ گرا تھا۔
اس نے دیکھا کہ اس کے باپ کے کندھے جھکتے جا رہے تھے۔ معاً وہ اٹھی' اپنے باپ کے

قدموں میں بیٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔
"مجھے معاف کر دیں ابو! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں بہک گئی تھی۔ پلیز ابو۔ مجھے معاف کر دیں۔"
اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ اس کے باپ کے کندھے...... ان کی شرم سے جھکی نظریں...... یہ اس نے کیا کر دیا۔ اس کا دل پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔ اس کے باپ نے اپنے پاؤں جھٹکے تھے۔
"ہائے ہائے، جمال! کہا کرتی تھی ناں کہ مت بھیجو اپنی بیٹی کو یونی ورسٹی۔ بے حیا ہو جائے گی۔ دیکھ لیا نا انجام۔ تم تو اس کو کمشنر بنانا چاہتے تھے، لیکن یہ تو تمہارے منہ پر کالک تھوپ کر آ گئی۔" پھپھو اپنا بدلہ لے رہی تھیں اور ایسا زہر اگلا کہ جمال صاحب کا سر اٹھا ہی نہیں۔ رُتبہ پھر سے جمال صاحب کے قدموں میں گر گئی۔
"اللہ کا واسطہ دیتی ہوں ابو! مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ پلیز ابو۔"
جمال صاحب اس کی جانب دیکھ ہی نہیں رہے تھے۔ اس کی ماں نے اس پر تھپڑوں کی برسات کر دی۔
"یہ تم نے کیا کیا رُتبہ! کس رُتبے سے گری ہو تم!"
"اماں پلیز! مجھے معاف کر دیں۔" وہ گڑگڑا رہی تھی۔
"اس کو نکالو اس گھر سے۔ آج کے بعد یہ میری بیٹی ہے نہ میں اس کا باپ۔"
جمال صاحب کی آواز میں موت کی گونج تھی۔
اتنا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئے تھے۔ پھپھو نیچے جھکی، اس کو بازو سے پکڑ کر کھینچنے لگیں۔ وہ کسی بے جان چیز کی طرح گھسٹتی جا رہی تھی۔
قیامت کا سماں تھا، اور ہر گھر کی چھتوں سے لوگ جھانک رہے تھے۔ گلی میں لوگ کھڑے تھے۔ ایک تماشا تھا جو اس نے خود اپنی عزت کا لگایا تھا۔ اس کی ماں اس کے پیچھے میں لپکی تو پھپھو نے ان کو دھکا دیا تھا وہ چوکھٹ میں جا گری تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"
اسی وقت کوئی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
اس نے نظر اٹھانے کی کوشش کی، لیکن اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے دیکھا کہ وہ آدمی اس کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں نانو!" اس کا دماغ بھک سے اڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ نانو کی بات کا کیا ردعمل دے۔
"میرے پاس وقت نہیں ہے جیہ! میں بس تمہیں اپنے گھر کا ہوتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری خاطر مان جاؤ اس رشتے کے لیے۔" نانو کے لہجے میں منت تھی۔
"نہیں نانو! میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے سر نفی میں جھٹکا تھا۔
"کیوں اس میں کیا برائی ہے؟"
اس کی آنکھوں میں درد کی کرچیاں چبھنے لگی۔
"میں...... میں اس کے قابل نہیں ہوں۔ ...... اس جیسا نیک انسان مجھ جیسی گناہ گار کو ڈیزرو نہیں کرتا نانو! پلیز......" وہ رو پڑی تھی۔
"وہ ماضی تھا بیٹا! ایک غلطی تھی۔ خود کو اذیت دینا چھوڑ دو جیہ۔"
"وہ ماضی میرا پیچھا کبھی نہیں چھوڑے گا نانو۔"
وہ کسی صورت ماننے کو تیار نہ تھی۔
وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔
اگلی صبح وہ نانو کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لیے وہ ان کو نظر انداز کر رہی تھی۔ نانو ایک دفعہ پھر سے اس سے بات کرنے کچن میں چلے آئے۔
"ضد مت کرو بیٹا! مان جاؤ۔
بیٹا! میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ جو اب تک اس لیے نہیں بتائی تھی کہ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہاری پھوپھی کے بیٹے کی بیوی وفات ہو گئی ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تمہاری

پھوپھی کے بیٹے نے نشہ میں اس پر تشدد کیا تھا۔ جو وہ برداشت نہیں کر سکی۔ اب تمہاری پھوپھی نے ایک بار پھر تمہارے باپ سے تمہارا رشتہ مانگا ہے تمہارا باپ راضی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے اس رشتہ کی بات کرے میں تمہیں محفوظ ہاتھوں میں دینا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری پھوپھی تمہیں پسند نہیں کرتیں۔ پہلے تم اس کی ضد تھیں۔ اب وہ رشتہ سے انکار کا بدلہ لینا چاہتی ہیں۔ یہ بدلہ وہ دونوں ماں بیٹے تمہیں اذیتیں دے کر لیں گے۔ تمہارے باپ کے فیصلے کے سامنے میں زیادہ دیر مزاحمت نہیں کر سکوں گا۔"

"مگر نانو! میں اس قابل۔" آنسوؤں کے ریلے میں وہ آگے نہ بول سکی۔

"خود کو اذیت دینا بند کر دو بچے! ایک نئی زندگی کی شروعات کرو۔ تم نے ایک غلطی کی' اس کا خمیازہ تم بھگت چکی ہو۔ کسی ایک غلطی کی وجہ سے اپنی ساری زندگی کو خود کے لیے ایک سزا بنا دینا بھی ایک بڑی سنگین غلطی ہے۔ میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے' میں تمہیں بس اپنے گھر کا ہوتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تا کہ میں سکون سے مر جاؤں پھر۔ اپنے لیے نہ سہی' میری خاطر یہ شادی کر لو۔ تمہیں مجھ پر اتنا بھی بھروسا نہیں ہے؟"

پہلی بار نانو کے آنسو نکلے تھے۔ "میں تمہیں مزید ایسی خود اذیتی میں نہیں دیکھنا چاہتا میرے بچے۔"

وہ بت بنی انہیں دیکھتی رہی۔

ساری رات جاگتے گزری تھی۔ اگلی صبح وہ وران کے سامنے کھڑی تھی۔

"آپ یہ شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟" وہ صاف گوئی سے پوچھ رہی تھی۔

"ایمان داری کے ساتھ جواب دیتا ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اگر یہ رشتہ بنے' تو اس کی بنیاد جھوٹ پر نہ ہو۔ آپ کی اور زوہا کی بہت اچھی بونڈنگ ہو' وہ آپ کے ساتھ خوش رہتی ہے' ہنستی ہے' مسکراتی ہے۔ میں چاہتا ہوں' آپ ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں۔"

"لیکن ......" اس نے توقف کیا۔ "ایسا بھی نہیں ہے کہ اس فیصلے کی وجہ سراسر یہی ہے۔ اس میں میری ذاتی پسند بھی شامل ہے۔" اس نے سادگی سے مسکرا کر کہا۔

وہ کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی۔

"میرا جواب بھی ایمان دارانہ ہے۔ میں یہ شادی میں صرف اور صرف 'نانا' کی خاطر کر رہی ہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں اور مڑ کر چلی گئی۔

وران کا دل خوشی سے بھر گیا۔

اگلے جمعے وہ مولوی صاحب کو سن رہا تھا۔

"کیا آپ کو 'رتبہ جمال' ولد جمال اکبر سے نکاح قبول ہے؟"

☆☆☆

"یہ میں نے کیا کر دیا۔" وہ اپنے چہرے پر تھپڑ مار رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اور انگلیوں کے نشانات چہرے پر ثبت تھے۔

"مجھے ابو کے وہ جھکے کندھے یاد آتے ہیں تو خود سے کراہت ہوتی ہے۔ کتنے مان سے وہ میرے لیے سب سے لڑے' میرے لیے کھڑے ہوئے...... اور میں نے ان کے مان' ان کے اعتبار کا کیا صلہ دیا؟" وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

جب وہ بے ہوش ہوئی تھی' تو اس دن نانا ابو رتبہ اور اسود کا رشتہ پکا ہونے کی خوشی میں آئے تھے لیکن ان کو حیرت تب ہوئی جب گھر کے باہر اور اندر تماشا لگا ہوا تھا۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی ان کے قدموں میں رتبہ گری تھی۔

انہوں نے جمال صاحب کو بہت سمجھایا کہ بچی سے غلطی ہو گئی ہے' وہ نادم ہے۔ لیکن وہ کسی صورت کسی سے بات کرنے کو تیار نہ تھے۔

"مار دیتی مجھے۔ قتل کر دیتی۔ لیکن اتنی بڑی سزا نہ دیتی۔ میرا اعتبار نہ توڑتی۔" جمال صاحب بے بسی بھرے لہجے میں بولے تھے۔ "ان جھکی آنکھوں اور

pklibrary.com

کندھوں کے ساتھ میں دنیا کا سامنا کیسے کروں؟"

"تمہاری بیٹی ہے' جیسے ہر کامیابی میں اس کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے۔اسی طرح اس کی غلطی میں بھی اس کا ساتھ دو' اس کو معاف کر کے ...... یہی تو ہماری آزمائش ہوتی ہے رشتوں میں۔" نانا ابو ان کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن جمال صاحب کسی صورت بات سننے کو تیار نہ تھے۔

نانا ابو رُتبہ کو اپنے ساتھ لے آئے۔ رُتبہ ننھیال میں سب سے پہلی لڑکی تھی۔یعنی اس کی ماں کی سب سے پہلے شادی ہوئی تھی۔اس لیے اس کا ننھیال میں الگ نام رکھا گیا تھا اور ننھیال میں سب ہی اس کو 'جیہ' ہی پکارتے تھے۔

رُتبہ کی حالت کافی ابتر تھی۔ وہ مسلسل روتی رہتی' اس کو ایک ہی خواب مسلسل ڈرائے جاتا تھا۔

"نانو پلیز، ابو کو کہیں' مجھے معاف کر دیں۔"

"مجھے ایک پل ایک سزا لگ رہا ہے۔کتنا بڑا گناہ کیا ہے میں نے ۔ کتنی احمق تھی میں۔ میں یہ بھول چکی تھی کہ میرا ۔ ہر قدم میری بہنوں کی تقدیر لکھے گا۔اب ابو کیسے ان پر بھروسا کریں گے۔اس میں ان کا تو قصور نہیں تھا ناں۔میں اپنے اس گلٹ کو کیسے مٹاؤں نانو۔ میں مر کیوں نہیں جاتی۔" وہ روتی۔

"وقت بہت بڑا مرہم ہے بچے' یہ سب ٹھیک کر دے گا۔سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔اب تم اس کو اپنے اچھے کردار سے سدھاروگی۔ایک دن آئے گا' جب تمہارا باپ تمہیں معاف کر دے گا۔"

"لیکن لوگ؟ لوگ تو مجھے معاف نہیں کریں گے ناں ...... میں تو ان کے لیے ویسے ہی بدکردار رہوں گی' جیسے اس ویڈیو کے کیپشن میں لکھا تھا' مڈل کلاس کی گولڈ ڈگر'......" ایک تکلیف اس کے لہجے میں ابھری۔

"کیا فرق پڑتا ہے بچے ......لوگ جو بھی سوچیں' جو بھی سمجھیں ......یہ تمہارا اور تمہارے اللہ کا معاملہ ہے۔اللہ پر چھوڑ دو' وہ غفور بھی ہے' رحیم بھی۔"

نانا ابو نے اس کے ہاتھ کو نرمی سے تھاما ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ نانو کی باتیں اس پر اثر کرنے لگیں۔

وہ ویڈیو بالاج نے ہٹوادی تھی۔اسود جو اس کو اور بالاج کو مار دینے کی کھلی دھمکیاں دے رہا تھا' بالاج سے دشمنی لینے کا جگرا تھا نہ پیسہ۔اس لیے ماں باپ نے اس کو خاموش کیا۔

رُتبہ نے پشاور یونی ورسٹی سے ایڈمیشن کینسل کر کے "خیبر میڈیکل یونی ورسٹی" کا ٹیسٹ دیا اور وہاں مائیکرو بائیولوجی میں ایڈمیشن لیا۔اس کے بعد وہیں سے ایم فل کیا اور اب پی ایچ ڈی کر رہی تھی۔

نکاح والے دن اس نے نانا ابو سے پوچھا تھا۔"ابو نہیں آئیں گے؟"

نانو نے بے بسی سے اس کو دیکھا۔"میں نے بات کی تھی۔"

"کیا کہا انہوں نے؟" ایک امید سی جاگی۔

"کچھ نہیں۔سن کر فون بند کر دیا۔" نانو نظریں چرا گئے۔اس کے چہرے پر اذیت بھری مسکراہٹ چھا گئی۔

نانو جاتے جاتے رکے اور کہنے لگے۔"تم خود بات کرنا۔کیا پتا اس کا دل پگھل جائے۔"

اتنا کہہ کر نانو باہر چلے گئے وہ کچھ دیر تک بیٹھی رہی پھر اس نے نانو کے موبائل سے کال ملائی۔

دوسری گھنٹی پر کال اٹھالی گئی۔

"السلام علیکم!" ابو کی بھاری آواز ابھری۔اس کا دل دھڑکا اور آنکھوں میں آنسو آئے۔

"ابو! یہ میں ہوں ......رُتبہ ......پلیز ......فون مت کاٹیے گا۔" آنسوؤں کی لکیر اس کے چہرے پر بہتی جا رہی تھی۔"سات سال میں نے بہت انتظار کیا کہ آپ مجھے معاف کر دیں لیکن ......خیر...... ایک امید ابھی بھی ہے مجھے ابو......ابو! نانو نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے۔آج نکاح ہے۔اگر ہو سکے تو ایک دفعہ......صرف ایک دفعہ آ کر میرے سر پر ہاتھ رکھ دیں اور مجھے رخصت کر دیں پلیز ......! یہ حق تو

pklibrary.com

میں ابھی بھی رکھتی ہوں نا......؟ معاف مت کریں ......صرف یہ حق دے دیں مجھے۔" اس کی ہچکیاں بندھ رہی تھیں۔

دوسری طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ جب وہ مسلسل رونے لگی اس سے مزید بات نہیں ہو پا رہی تھی تو اسی وقت فون کٹ گیا۔

نکاح کے بعد، جب وہ رخصت ہو کر اوپر پورشن میں جا رہی تھی تو اس کی آنکھیں تب بھی ابو کے انتظار میں تھیں لیکن وہ نہیں آئے۔ ان کو آنا ہی نہیں تھا۔ شاید امی کو بھی انہوں نے منع کیا تھا۔ انتہائی سادگی سے نکاح ہوا۔ نکاح میں صرف اس کے ننھیال والے شریک تھے۔

☆☆☆

زوہا نے سرخ فراک پہنا ہوا تھا اور وہ مسلسل کھلکھلائے جا رہی تھی۔

"آپی اب ہمیشہ میرے پاس رہیں گی؟" وہ اپنی معصوم زبان میں پرجوش انداز میں کہے جا رہی تھی۔

"ہمیشہ۔" وہ مسکرایا اور اس کے لہجے میں ایک اطمینان سا در آیا تھا۔

وہ ہمیشہ 'تعلقات' سے بھاگنے والا انسان تھا۔ اس کو لگتا تھا، کسی ایسے انسان کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا عجیب کانسپٹ ہے، جن کو آپ جانتے تک نہ ہوں۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ نے نکاح کے 'دو بول' میں کتنی طاقت رکھی ہے۔

ان کی شادی روایتی شادی نہ تھی، نہ لمبی چوڑی رسومات ہوئیں اور نہ روایتی بارات وغیرہ ہوئی۔ بس سادگی سے نکاح کر کے وہ اس کے کمرے شفٹ ہو گئی۔ کل اس نے ایک سادہ سا ولیمہ رکھا تھا۔

وہ خود کو کمپوز کر کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ جہاں وہ گھونگھٹ نکالے بیٹھی تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا اور کھنکھارا۔

"السلام علیکم!"

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس نے ہاتھ آگے کیا۔

"کیا میں آپ کا ہاتھ تھام کر آپ کو کڑا پہنا سکتا ہوں......" وہ بہت نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"یہ میری امی کا کڑا ہے......انہوں نے مجھے شادی کے لیے بہت کہا لیکن میں کسی ایسی لڑکی کے ساتھ رشتہ بنانے سے ڈر رہا تھا، جس کو میں جانتا تک نہیں تھا......پھر انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جب بھی تمہیں ایسی لڑکی ملے......تو یہ اس کو پہنانا۔"

دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ اس کو لگا شاید وہ شرما رہی ہے۔ اس لیے اس نے توقف کیا۔ معاً اس کو گھونگھٹ سے سسکی ابھری۔

"میں آپ کو ڈیزرو نہیں کرتی......" وہ رو رہی تھی۔ وداان کا چہرہ فق ہوا۔ وہ تحیر سے اس کو دیکھے گیا۔

اس کا دل کرچی کرچی ہو رہا تھا۔ "میں نے ایک ایسے اچھے، نیک آدمی کی زندگی تباہ کر دی۔ وہ اس کی 'پاکیزہ' زندگی میں کسی داغ کی طرح داخل ہو گئی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

"میں آپ کو ڈیزرو نہیں کرتی۔" وہ مسلسل رو رہی تھی۔ "آپ کوئی نیک لڑکی ڈیزرو کرتے ہیں وداان!" اس نے پہلی بار گھونگھٹ الٹا تھا۔ "میں تھی نہیں۔"

"آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟" وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "میں آپ کو، آپ مجھے ڈیزرو۔"

وہ نرمی سے اس کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ ماتھے پر ہاتھ دھرے اپنی سنگین غلطی پر نادم روئے جا رہی تھی اس کی بات سن کر بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

"کیونکہ آپ نہیں جانتے مجھے۔ میرے داغ دار ماضی کا علم نہیں۔ نانو نے آپ سے میرا ماضی چھپایا ہے لیکن خیر کوئی بات نہیں میں بتا دیتی ہوں۔" وہ روتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ "دنیا مجھے ایک

pklibrary.com

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ جس کی بناء پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔
ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/150 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بنک اکائنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر **0317-2266944** میں رقم بھیج کرسکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/1800 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام "عمران ڈائجسٹ، اکاونٹ نمبر **0010000015680030**، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے **PK44ABPA0010000015680030**" کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہو تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔
فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ -/22000 روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/25000 روپے،

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس اپ نمبر **0317-2266944** پر رابطہ کریں

ایجنٹ حضرات اس واٹس اپ نمبر **03312266944** پر رابطہ کریں

بدکردار لڑکی کے طور پر جانتی۔ سوشل میڈیا پر وائرل مڈل کلاس گولڈ ڈگر۔ جو سات سال سے لوگوں سے منہ چھپاتی پھر رہی ہے' جس کو اس کا باپ نفرت کی نگا سے دیکھتا ہے...... نیک بیوی کے لیے نیک مرد ہوتا ہے......اور میں نیک نہیں ہوں! اس لیے......اس لیے میں آپ کو ڈیزرو نہیں کرتی۔" وہ رو رہی تھی۔

ودان یک ٹک اس کی باتیں سن رہا تھا۔ ذہن کڑی سے کڑی ملاتا رہا۔ رُتبہ کا اس کو اگنور کرنا' اس کی ڈش واپس کرنا اور پھر پارک میں باپ کے ذکر پر اس کا رونا......

خاموشی کا دورانیہ طویل ہوا تو وہ نرمی سے بولی۔

"دیکھا' آپ کو نہیں چاہیے نا ایک بدکردار لڑکی۔ اور کسی نیک' اچھی لڑکی سے شادی کرلیں۔ جو آپ ڈیزرو کرتے ہیں۔ جو آپ کے قابل ہو۔"

اس کا جھکا سر اٹھا۔ "آپ کو کس نے کہا کہ آپ میرے قابل نہیں ہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"دیکھیے ودان!" وہ بولنے لگی تو اس نے رُتبہ کی بات کاٹ دی۔

"میں آپ کو آپ کے ماضی سے جج نہیں کروں گا۔ وہ آپ کا ماضی تھا' آپ کی غلطی تھی اور آپ نے اتنے سال خود کو اذیت میں رکھا' ایک غلطی کی وجہ سے......" وہ اٹھا اور اس کے لرزتے ہاتھوں سے پکڑ کر اس کو بٹھایا۔ "رُتبہ' آپ کے ماضی سے میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔ آپ میرا حال ہیں' میرا مستقبل ہیں۔ مجھے صرف اس سے سروکار ہے۔ اگر آپ ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہیں تو وقت لے لیں۔" وہ انتہائی نرمی سے کہہ رہا تھا اور وہ ہچکیاں لیتی سن رہی تھی۔

معاً اس کے ہاتھ سمٹے تو ودان کو احساس ہوا کہ اس نے رُتبہ کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "سوری۔" اس نے رُتبہ کے ہاتھ چھوڑے۔

اس نے امی کا دیا کڑا اسائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ اور مڑ کر دیکھا۔ "لیکن تب تک آپ صرف اپنے نانا کو یہ دکھانے کی ایکٹنگ کریں کہ سب ٹھیک ہے' ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ فکرمندی سے کہتا واش روم گھس گیا۔ کچھ دیر بعد وہ باہر نکلا تو نائٹ سوٹ میں تھا۔

"میں باہر سو جاتا ہوں۔" وہ اپنا تکیہ اٹھا کر باہر نکلنے لگا۔

"نہیں۔ آپ یہاں ہی سو جائیں۔ میں صوفے پر سو جاتی ہوں۔" اس کو دیکھے بنا اس نے کہا۔

"چلیں، میں سو جاتا ہوں صوفے پر۔" وہ مسکرایا اور صوفے پر لیٹ گیا۔

دوسری طرف رُتبہ کافی دیر تک بیٹھی رہی' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یوں اچانک اس کے اندر کا طوفان کیسے تھم گیا۔ کیا اس کے لفظوں کی اثر تھا۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ ودان دونوں ہاتھ اپنے سر کے نیچے یوں پرسکون نیند سویا ہوا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کو کچھ پل دیکھے گئی۔

☆☆☆

اگلی صبح بریرہ اور بیٹو اس سے ملنے آئے تھے۔ بریرہ اس کو دیکھتے ہی رو پڑی تھی۔ وہ مسکرا کر' اس کو گلے لگانے لگی۔ صبح نانو اس کے لیے ناشتہ لے کر آئے تھے۔ اور ملتے ہی آبدیدہ ہو گئے۔

"اب تم خفا مت ہو جانا کہ میں بازار گیا تھا تمہارے لیے ناشتہ لینے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

وہ بھی مسکرا دی تھی۔ ناشتے کے بعد وہ اپنے کمرے میں گئی تو اس نے دیکھا کہ ودان کھڑا اپنے کپڑوں پر استری کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھی۔

"میں کر دیتی ہوں۔"

اس نے نظر اٹھا کر رُتبہ کو دیکھا، وہ اس کو نہیں دیکھ رہی تھی لیکن ہاتھ آگے بڑھایا ہوا تھا اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکان مچلی۔

"تھینک یو۔"

pklibrary.com

رتبہ نے کپڑے استری کر کے واش روم میں لٹکا دیے۔ پھر الماری سے اپنے لیے بھی کپڑے نکالنے لگی۔ اس کے سامنے نئے کپڑے لٹکے ہوئے تھے، جو اس نے خریدے نہیں تھے اور نہ ہی نانو نے۔ تو کیا وہ اس کے لیے شاپنگ کر کے آیا تھا؟...... اس نے ایک جوڑا نکالا۔ خوبصورت جامنی رنگ کا، جس پر اچھا پیارا سا کام ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری اگر آپ کو پسند نہ آئے۔ ایکچوئلی مجھے کوئی آئیڈیا نہیں تھا لڑکیوں کے کپڑوں کا۔ بس میں نے وہی کپڑے خریدے، جو مجھے دیکھنے میں اچھے لگے۔" پیچھے سے اس کی آواز ابھری۔

ہلکا سا مسکرا، اس نے دھیمے انداز میں کہا۔

"بہت اچھے ہیں۔"

ودان کی آنکھیں چمکیں، ایک اطمینان سا اس کے اندر پھیل گیا۔ وہ سرشار سا واش روم میں گھس گیا اور نہانے کے بعد نکلا۔ تو اس نے نئے کپڑے نہیں پہنے تھے۔ وہ حیران ہوئی لیکن کچھ دیر بعد اس کا جواب بھی اس کو مل گیا تھا کیونکہ وہ اندر کچن میں جا رہا تھا۔

وہ حیران سی اس کو دیکھ رہی تھی۔ نانو بھی اس کے پیچھے چلے آئے۔

"برخوردار! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ نئے کپڑے کیوں نہیں پہنے۔ ابھی مہمان آرہے ہیں اور...... ذرا اس نائی کو کال ملاؤ کہ جلدی سے آئے اور یہ کھانا تیار کرے ابھی مہمانوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

وہ مسکرا کر پیچھے پلٹا۔ "نائی نہیں آئے گا نذیر انکل! کیونکہ جب گھر کا شیف موجود ہو تو نائی کی کیا ضرورت۔ آپ فکر مت کریں، آج کی دعوت میں بذات خود تیار کروں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ پلٹا اور گوشت کو دھونے لگا۔ نانو کی آنکھیں تو حیرت سے کھلی تھیں۔

ایسا انوکھا دولہا اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا، جو اپنے ولیمے کا کھانا خود بنا رہا ہو۔ اور وہ انوکھا دولہا "اس کا" تھا۔ وہ حیران سی پلٹی تھی اور اندر جا کر تیار ہو نے لی۔ اس نے نانو کے بہت اصرار کے بعد اپنے پی ایچ ڈی میٹس کو بلایا تھا ورنہ اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ سیاون اور حوریہ سے اس کی دوستی کب کی ختم ہو چکی تھی کیونکہ جس کام میں وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی تھیں، اس کے بعد انہوں نے اس ڈر سے رُتبہ سے بات چیت نہیں کی کہ لوگ انہیں بھی رُتبہ جیسا سمجھیں گے۔

دوپہر کو کہیں جا کر مہمان آنا شروع ہوئے اور تب تک وہ سارا کھانا تیار کر کے، نہا دھو کر تیار بھی ہو چکا تھا۔ ایک لمحے کو وہ اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ سفید کپڑے، سیاہ واسکٹ، ہاتھ میں مہنگی گھڑی اور تازہ بنی شیو۔ وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

معاً دروازے میں کھڑی شخصیت پر اس کی نظر پڑی تو اس کا دل ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ اس کے سامنے اس کی ماں کھڑی تھیں۔

وہ وہاں ساکت بیٹھی رہی۔ اتنے سال، اس نے کیسے کیسے خواب نہ دیکھے تھے کہ وہ ماں کے گلے لگ کر روئے گی، یہ گلے کرے گی وہ شکوے کرے گی۔ لیکن ماں کو سامنے دیکھا تو سب بھول گئی۔

ماں آئیں اور یک دم اس کو گلے لگا کر رو پڑیں۔ "وہ تمہارے باپ سے لڑ کر آئی ہوں کہ مجھے ہر حال میں جانا ہے اگر وہ مجھ پر اپنے گھر کے دروازے بھی بند کریں تب بھی۔" وہ روتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھیں۔

کافی دیر تک وہ اسے گلے لگائے بیٹھی رہیں۔ پھر جب مہمان آنا شروع ہوئے تو انہوں نے اپنے رونے پر قابو پایا اور مہمانوں سے ملنے لگیں۔

ولیمے میں سب نے کھانے کی بڑی تعریف کی، اس کی ماں جوش سے سب کو بتا رہی تھیں کہ یہ ان کے داماد نے پکایا ہے۔

نانو کی بہن نے ناک سکیڑ کر کہا۔ "وائی اللہ سیما! تمہارا داماد کولال (نائی) ہے کیا؟"

"نہیں نہیں پھپھو!" وہ ہنسیں۔ "انگریز دل کے ملک میں اس کو شیف کہتے ہیں۔ یہ بڑے بڑے

ہوٹلوں میں کھانا پکاتے ہیں۔"

"زہ مڑے۔ ہوا تو وہی کولال ناں۔" انہوں نے ایسے انداز میں کہا کہ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

لاؤنج میں سارے مرد بیٹھے تھے اور سب اس سے اس کے پروفیشن کے بارے میں پوچھ رہے تھے کچھ تو 'باہر کی نیشنلٹی کیسے ملتی ہیں؟' جیسے سوال پوچھ رہے تھے اور وہ اتنے مہذب انداز میں ہر کسی کو جواب دے رہا تھا کہ سب کے درمیان بیٹھے نانو کا سر فخر بلند ہو رہا تھا۔ ان کا دل مطمئن تھا۔ انہوں نے اپنی 'رتبہ' کے لیے 'رتبے' والا آدمی چنا تھا......

☆☆☆

امی پورے تین دن رکی تھیں نانو کے ہاں اور پھر چلی گئیں۔ جانے سے پہلے انہوں نے ودان کا ماتھا چوم کر بہت دعائیں دی تھیں ان کا خوف بھی ختم ہو چکا تھا کہ کون اس ماضی کے ساتھ ان کی بیٹی کو اپنائے گا۔ انہوں نے ایک دو سال پہلے نانو سے رتبہ کی کہیں رشتہ چلانے کی بات بھی کی تھی۔ انہوں نے ایک دو رشتے بھی ڈھونڈے لیکن انہیں کہیں ادھر ادھر سے رتبہ کے ماضی کے بارے میں پتا چلا تو انہوں نے رشتے سے انکار کر دیا۔

جانے سے پہلے امی اس کو گلے لگا کر سمجھا رہی تھیں۔

"ایسے مرد قسمت والوں کو ملتے ہیں رتبہ، جو تمہیں ہر حال میں قبول کرتا ہے۔ جسے تمہارے ماضی سے فرق نہیں پڑتا۔ تم اس رشتے سے خوش ہونا ہو۔

امی اتنا کہہ کر جا چکی تھی لیکن وہ اس کے باوجود پورے دل سے خوش نہیں ہو پا رہی تھی۔ خوف اس کے دل کے کونے میں ابھی تک گھات لگائے بیٹھا تھا۔

زوہا صبح سویرے اس کے کمرے میں آ جاتی تھی۔ وہ چونکہ نماز پڑھنے صبح سویرے اٹھ جایا کرتی تھی، اس لیے زوہا کے صبح سویرے آنے سے اس کو کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ کچھ دیر اس کے ساتھ کھیلتی۔ پھر نیچے اتر کر نانو کے کچن میں ناشتہ بنانے لگتی۔ حسب معمول زوہا نانو کے ساتھ کھیلتی اور وہ ناشتہ بناتی۔

ودان بچوں کو ڈراپ کر کے ناشتے کے لیے آتا اور دونوں خوب گپیں لگاتے۔

اس کے بعد ودان اس کو یونی ورسٹی ڈراپ کر دیتا تھا۔ وہ اس کے منع کرنے کے باوجود اس کو ڈراپ کرتا اور واپس لینے بھی آتا۔

"آپ بلاوجہ خود کو تکلیف مت دیا کریں۔" اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایسی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ اس لیے......نو پرابلم......" اس نے مسکرا کر کندھے اچکائے تھے۔

اور وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں صداقت تھی۔

"میں چاہ رہا تھا کہ میں ایک چھوٹا سا بزنس اسٹارٹ کروں۔ آپ کیا مشورہ دیں گی اس بارے میں؟" جب وہ گاڑی میں بیٹھی تو اس نے بالکل نارمل انداز میں پوچھا۔ رتبہ نے مڑ کر ایسی حیران نظروں سے دیکھا کہ وہ جیسے تصدیق چاہ رہی ہو کہ 'میں'؟

"میں دوں؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔

ودان نے مڑ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ کو دیکھا۔

"پیچھے تو کوئی نہیں ہے......آپ سے ہی پوچھا ہے۔" وہ ہنسا۔

اس کے ایسے کیوٹ اعتراف پر وہ بھی ہنس پڑی لیکن جلد ہی خود کو سنبھالا۔

"اچھا فیصلہ ہے۔ جب تک آپ یہاں ہیں......"

"ہم......!" ودان نے جلدی سے اس کا جملہ کاٹا۔ رتبہ نے اس کو حیرت سے دیکھا تو ودان نے دوبارہ اپنی بات دہرائی۔ "ہم!"

"یہاں ہماری سوسائٹی میں کوئی ریسٹورنٹ نہیں ہے۔ لوگ پیزا، برگر کھانے کافی دور جاتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا آؤٹ لیٹ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ اتنی بڑی سوسائٹی ہے، اس میں سے بھی اگر کسٹمر آتے رہے تو اچھا خاصا چل سکتا ہے۔ ہاتھ میں ذائقہ تو آپ کے ویسے بھی ہے۔" وہ اب پورے دل سے بولی تھی۔

''شکریہ۔'' وہ اس کی تعریف سے سرشار ہو گیا۔

''اچھا آئیڈیا ہے۔ لیکن یہاں ہمیں جگہ کیسے مل پائے گی؟ اصل مسئلہ اس کا ہے۔

''یہ ایشو نہیں ہے۔ نانو کا سڑک کے بالکل فرنٹ پر ایک گھر ہے' جو انہوں نے کرائے پر دیا تھا لیکن کرائے دار جا چکے ہیں۔ اس کو رینویٹ کر کے ہم اس کے روف ٹاپ کو کھانے کی جگہ کے طور پر مختص کر لیں گے اور اسٹاف کی فکر نہیں کریں...... وہ بھی آسانی سے مل جائے گا۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

وہ بھی اس کو بہت سنجیدگی سے سن رہا تھا۔

☆☆☆

احزم اور نمیر کے ایگزام شروع ہونے میں آدھا مہینہ رہتا تھا۔ وہ دن رات ان کے ساتھ پڑھائی میں مصروف تھی۔ اس کے ہوتے ہوئے ان کو یوٹیوب پر لیکچرز اور ٹیوشن کے لیے اکیڈمیوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ٹیپو اور بریرہ بھی پڑھنے کے وقت اوپر چلے آ جاتے تھے۔ احزم اب ان کے ساتھ کافی گھل مل گیا تھا۔ سہ پہر کو وہ لوگ باہر کرکٹ کھیلتے تھے اور کبھی کبھی تو بریرہ بھی ان کے ساتھ کھیلتی تھی...... جس پر وہ اس کو ٹوکا کرتی لیکن ودان اس کو کھیلنے دیتا تھا کہ بچی ہے ابھی۔

ودان نے نانو سے بات کی اور نانو نے خوشی خوشی اس کو وہ جگہ رینویٹ کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے اپنے ذاتی پیسے اس پر لگائے۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی چیز میں اس کا مشورہ لیتا تھا۔ کیسا فرنیچر ہونا چاہیے' کیسا لُک ہونا چاہیے' کیا نام رکھنا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

اس دن وہ کچن میں رات کا کھانا بنا رہی تھی۔ سب سے پہلے زوہا کے لیے میگی بنائی اور اس کو اپنے پاس بٹھایا' وہ اپنے ٹیب پر ویڈیو دیکھ رہی تھی اور ساتھ میں میگی بھی کھا رہی تھی۔

''کیا بن رہا ہے؟'' اس نے کچن میں جھانکا۔

''بریانی۔ احزم نے فرمائش کی ہے۔'' وہ مصروف سی اس کو سرسری انداز میں جواب دے رہی تھی۔

''اچھا فری ہو جائیں آپ تو میرے ساتھ چلیں گی تھوڑی ڈیکور کی چیزیں لینی ہیں روف ٹاپ کے لیے......''

''مجھے ان چیزوں کا خاص علم نہیں ہے۔'' وہ انکار نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن یہ سچ تھا' اس کو علم نہیں تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ میں نے اپنے بوسٹن کے انٹیریر ڈائزائنر دوست سے اچھے خاصے مشورے لیے ہیں۔ مجھے بس سامان لینا ہے...... لیکن چیزوں کو پسند کرنے میں آپ کی ہیلپ چاہیے مجھے۔''

''او کے۔ میں یہ بریانی بنا کر بتاتی ہوں۔''

بریانی بنا کر' اس نے ٹیپو اور بریرہ کو بھی بلا لیا تھا۔ بریرہ کو خاص طور پر ذوہا کی دیکھ بھال کے لیے۔ احزم کو سب کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ نیچے اتری تو وہ گاڑی کے انجن کا پانی چیک کر رہا تھا۔ اس کو سامنے دیکھ کر مسکرایا۔

مختلف ڈیکور کی چیزیں 'کارخانو مارکیٹ' سے لینے کے بعد اب وہ گھر واپس جا رہے تھے' گھر کا اسٹاپ آگے نکل گیا' تو اس نے حیرت سے دیکھا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''شاپنگ۔'' وہ اس کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

وہ خاموش بیٹھی رہی' دونوں کے بیچ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک برینڈ کی شاپ میں داخل ہو رہے تھے۔ اندر داخل ہو کر' وہ کپڑے دیکھ رہا تھا' پھر مڑ کر اس کو دیکھا۔

''آپ میری مدد کر سکتی ہیں کپڑے سلیکٹ کرنے میں؟''

''کس لیے لینے ہیں؟''

''اپنے ایک ''پیارے'' کے لیے......''

اس کے 'پیارے' کہنے پر اس نے فوراً نظریں اٹھا کر اس کو دیکھا۔ وہ اسی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''آپ کے پیارے کو کیا پسند ہے؟''

''شاید کوئی جامنی رنگ کا جوڑا......''

اب کی بار اس نے مڑ کر اس کو دیکھا۔ ودان آنکھوں میں ڈھیر سارا پیار لیے اس کو دیکھ رہا تھا۔ جامنی اس کا پسندیدہ رنگ تھا' شاید اس کو اس کی پسند کا اندازہ ہو چکا تھا کیونکہ شادی والے جوڑوں میں بھی اس نے 'جامنی' رنگ کا مہنگا جوڑا لیا تھا۔

pklibrary.com

"لیکن مجھے لگتا ہے......اس پر سفید زیادہ جچے گا۔" آنکھوں میں شرارت لیے وہ بولا۔

"کیا کریں اب دو آپشنز ہیں آپ کے پاس؟"

"ایسا کرتے ہیں دونوں لیتے ہیں۔ آئیں اس میں دیکھیں۔" وہ اب اس کو جوڑا اٹھانے کا کہہ رہا تھا۔ دو خوب صورت جوڑے لینے کے بعد اب وہ اس کے لیے سینڈلز سلیکٹ کر رہا تھا۔

معاً رُتبہ کی نظر ایک خوب صورت سفید ٹرانسپیرینٹ ہیلز والے شوز پر پڑی۔ اس نے اٹھائے اور پہننے کی کوشش کر رہی تھی۔ تب ہی وہ نیچے جھکا اور اس کے قدموں میں بیٹھا۔

"مے آئی ہیلپ پلیز؟" وہ ہاتھ بڑھائے اس سے جوتا لینا چاہ رہا تھا۔ ایک پل کے لیے رُتبہ کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

تب ہی سیلز مین نے اس کو بلایا کہ کسی کو گاڑی نکالنی تھی، وہ گاڑی آگے کر دیں۔ وہ باہر نکلا۔ وہ دل تھامے کھڑی تھی۔ وہ اس کے انتظار میں کھڑی تھی کہ ایسے میں کسی نے اس کا نام پکارا۔

"رُتبہ۔ رُتبہ۔ رُتبہ۔"

اس نے مڑ کر دیکھا اور وہ وہاں نمک کا مجسمہ ہوگئی، ماضی کے دردناک لمحوں کا طوفان، اس کے نمک سے بنے ذات کو ریزہ ریزہ کر گیا۔

جس ماضی کو اس نے مشکل سے بھلانے کی کوشش شروع کر دی تھی، وہ ایک بھیانک خواب کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کا ماضی......بالاج......!

"بھئی۔ تمہارے گٹس کی داد دینی چاہیے اور اسپیشلی ٹیلنٹ کی کہ تم نے ایک اور بندے کو پھنسا لیا ہے۔" ایک تالی اس نے آرام سے پیٹی تھی لیکن اس کی گونج سے اس کی روح لرز گئی تھی۔

"لیکن شاید اس کو تمہاری اصلیت نہیں پتا ہوگی کہ تم میری پھینکی گئی چیز ہو......یا یہ کہ تم گولڈ ڈگر ہو......چچ! بے چارے پر افسوس ہو رہا کہ اس کے ساتھ کتنی زیادتی ہوئی ہے اس کی قسمت......اس کو ایک......" آگے ہو کر مزہ لیتے ہوئے مسکرا کر سرگوشیانہ انداز میں کہا......"ایک بدکردار لڑکی ملی ہے۔"

وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ بالکل سفید پڑ چکی تھی۔ یوں جیسے اس کے جسم سے روح نکل ہو چکی تھی اتنا کہہ کر وہ مڑا تھا اور ایک اور قیامت اس کی منتظر تھی۔

اس کے پیچھے 'ودان' کھڑا تھا۔ بالکل سپاٹ چہرہ لیے۔ بالاج جیسے ہی مڑا، ایک دم سے ایک زوردار مکا ودان نے اس کے منہ پر مارا۔ وہ لڑکھڑایا۔ ودان اپنا آپ کھو چکا تھا۔ وہ پھر سے اس پر جھپٹا اور ایک مکا اس کو رسید کیا۔ ایک دم سے شور برپا ہوا۔ شاپ کے مینجر، کسٹمرز سب اس کے پیچھے لپکے۔

ودان نے رتبہ کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ ودان نے ایک طرف گاڑی روکی۔ وہ اپنا غصہ کنٹرول کر چکا تھا۔

"کیوں رو رہی ہو تم؟" وہ اس کو آپ نہیں کہہ رہا تھا، اس کا ہاتھ نرمی سے تھامے پوچھنے لگا تھا۔

اس نے ہاتھ جھٹکے تھے۔ "کیوں کیا آپ نے ایسا؟ اتنا ہنگامہ کرنے کی ضرورت تھی؟"

"پھر کیا کرتا اس کو خراجِ تحسین پیش کرتا۔"

وہ ایک اثر رسوخ والے خاندان سے ہے، اس کے باپ کے سامنے ہم کیڑے مکوڑے ہیں۔" روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اس کے ساتھ اس کے دوست تھے، وہ زیادہ تھے۔ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا؟"

"تمہیں میری فکر ہے؟" اب کی بار وہ دلچسپی سے مسکرایا اور پھر ہنسا۔ اتنے سنجیدہ ماحول میں اس کو یوں ہنستے ہوئے دیکھ کر رُتبہ نے خفگی سے اس کو گھورا۔

"نہیں ہے مجھے آپ کی فکر۔ آپ کو کیا؟ آپ تو ہیرو ہیں، کسی سے بھی لڑ جھگڑ لیں گے؟" اس نے آنسو پونچھے۔

"ہاں......بالکل ......تمہارے لیے......" وہ اس کی خفگی سے حظ اٹھاتا، مسکرائے جا رہا تھا۔

"چلیں اب ......اور ایک کلینک سے اپنی انگلی کی بینڈیج کروالیں۔ زخمی ہو چکی ہے۔"

pklibrary.com

اس کے کہنے پر ودان کی نظر اپنی دو انگلیوں پر پڑی' جو بہت قوت سے مکا مارتے ہوئے زخمی ہوئی تھی شاید۔ اس کے یوں باریکی سے نوٹ کرنے پر اس نے پیار سے اس کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

اس کو خوف تھا کہ بالاج اس سے انتقام لینے کے لیے کوئی حرکت کرے گا' یا اس کا باپ۔ لیکن پورے ایک ہفتے تک کچھ نہ ہوا۔ خوف سے اس نے بالاج کو انسٹا پر ڈھونڈا' وہ اٹلی جا چکا تھا۔

رتبہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔

☆☆☆

آج ان کے ریسٹورنٹ کا افتتاح تھا۔ وہ سب ایک ساتھ کھڑے تھے۔ سرخ ربن کاٹنے کے لیے ودان نے قینچی اس کو پکڑائی' اس نے نانو کو اور نانو نے زوہا کو...... اور یوں زوہا کے معصوم ہاتھوں سے اس کے ریسٹورنٹ کی رسم افتتاح ہوئی۔

"سویٹ ہوم"

رتبہ نے اس کو مبارک باد دی۔

"کس لیے؟" اس نے مسکراتی نظروں سے پوچھا۔

"آپ کے ریسورنٹ کے لیے۔" وہ مسکرائی۔

"ہمارے ریسٹورنٹ۔" اس نے زور دیا۔

تب ہی بریرہ نے آ کر ودان کے کان میں کچھ کہا۔ ودان مسکرایا اور اس کا ہاتھ پکڑا۔ وہ حیران ہوئی کہ وہ اس کو کس طرف لے کر جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچی' اس کے قدم زنجیر ہوئے اور ہاتھ برف پڑ گئے۔ اس کے سامنے اس کے بابا کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں پرنم تھیں۔

وہ آگے بڑھے تو اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔

"بابا!" وہ روتے ہوئے بابا سے لپٹ گئی۔

"میری بیٹی!" وہ بھی رو رہے تھے۔ "میں نے اتنے سال تمہیں اذیت دی۔ کچی عمر کی ایک غلطی کی وجہ سے میں نے تمہیں سات سال اذیت میں رکھا، بچے تو غلطی کرتے ہی ہیں۔ اگر ان میں اپنی غلطی ماننے کا' معافی مانگنے کا حوصلہ ہوتا ہے تو بڑوں میں بھی معاف کر دینے کا جگرا ہونا چاہیے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"نہیں ابو' میں نے غلطی کی تھی۔ آپ کا مان توڑا تھا، اعتبار توڑا تھا۔ میں گناہ گار تھی آپ کی۔"

"لیکن تمہیں اپنی غلطی کا احساس تھا بیٹا۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس اب ہوا ہے۔" انہوں نے پیار سے ودان کو دیکھا۔ ان کی نظروں کی تقلید میں اس نے بھی دیکھا۔ اس کی آنکھیں مزید بھیگ گئیں۔

یہ ودان کی کاوش تھی۔ اس نے ہی اس کے باپ کو منایا تھا۔ اس نے کندھے اچکائے' کہ 'میں نے کچھ نہیں کیا'...... اس کے اس انداز پر وہ ہلکا سا مسکرائی۔

☆☆☆

امی ابو دو دن تک رکے تھے' پھر جانے سے پہلے امی نے اس کو خوب ہدایتیں دیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ برتن سمیٹ کر کچن میں رکھنے لگی۔ تب ہی زوہا وہاں آ گئی' اس کے سونے کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ اس کو لیے اس کے کمرے میں آ گئی۔ سونے سے پہلے ہمیشہ وہ ایک کہانی سناتی تھی۔ وہ کہانی سنا رہی تھی کہ اس نے اچانک پوچھا۔

"اب بھی پرنس ہوتے ہیں کیا؟"

اس کے یوں اچانک پوچھنے پر وہ مسکرائی۔

"بالکل ہوتے ہیں شہزادے۔ لیکن وہ ڈزنی کے کارٹونز کی طرح کاسٹیوم نہیں پہنتے۔" اس نے دیکھا کہ دروازے پر ودان کھڑا تھا۔ وہ رکی نہیں' کہتی گئی۔ "وہ اپنے خوابوں کی قربانی دیتے ہیں' اپنوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ شہزادے ہوتے ہیں آج بھی اس دنیا میں۔" زوہا سو گئی تھی۔

رتبہ اٹھی اور باہر نکلنے لگی۔ ودان نے ہاتھ آگے کیا اور اس نے محبت سے اپنا ہاتھ دیا۔

"چلیں!"

وہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں سرشاری تھی۔ اطمینان تھا کیونکہ...... اس کا "پرنس چارمنگ" اس کو مل چکا تھا!!

☆☆

pklibrary.com

اب ایسا ویرانہ تلاش کرنا ہے
جہاں میرے سوا کوئی نہ ہو
دیکھنے والا کوئی نہ ہو
کہنے والا کوئی نہ ہو
کہ رسموں رواجوں کی خاطر
میرے دل کو بہت مارا ہے
اب وہ خفا ہے مجھ سے
بالکل تنگ نہیں کرتا
نہ کوئی ضد کرتا ہے
چپ چاپ پڑا رہتا ہے
اپنے ہونے کا احساس نہیں دلاتا
شاید جان چکا ہے مجبوری
سمجھنے لگا ہے مجبوری
کہ میرے سر پر تلوار لٹکتی رہتی ہے
کہ لوگ کیا کہیں گے
مگر یہ سنجیدہ سمجھ دار دل
مجھے قبول نہیں
اس کا پرانا روپ واپس لانا ہے
کسی طرح اس کو منانا ہے
اب کوئی ایسا ویرانہ تلاش کرنا ہے
جہاں میرے سوا کوئی نہ ہو

شب مین

کھینچ کر رات کو دیوار پہ مارے ہوتے
میرے ہاتھوں میں اگر چاند ستارے ہوتے

ہم نے اک وجہ کو خود ہار دیا، دکھ ہے یہی
کاش ہم دنیا سے لڑتے ہوئے ہارے ہوتے

اتنی حیرت تمہیں مجھ پر نہیں ہوتی تھی اگر
تم نے کچھ روز مری طرح گزارے ہوتے

یار! کیا جنگ تھی۔ جو ہار کے تم کہتے ہو
جیت جاتے تو خسارے ہی خسارے ہوتے

یہ جو آنسو ہیں مری پلکوں پہ پانی جیسے
اس کی آنکھوں سے ابھرتے تو ستارے ہوتے

تم کو انکار کی خو مار گئی ہے واحد
ہر بھنور سے نہ الجھتے تو کنارے ہوتے

یہ جو ہم لوگ ہیں احساس میں جلتے ہوئے لوگ
ہم زمیں زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے

واحد اعجاز میر

pklibrary.com

شگفتہ جاہ

باتوں سے خوشبو آئے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپس میں بحث ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

”اے آدم! آپ ہمارے والد ہیں۔ آپ نے ہمیں محرومی کا شکار کردیا اور گناہ کا ارتکاب کر کے ہمیں جنت سے نکلوادیا۔“

آدم علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔ ”اے موسیٰ! اللہ نے آپ کو شرف ہم کلامی کے لیے منتخب فرمایا اور آپ کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر تورات دی۔ کیا آپ مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میری قسمت میں لکھ دی تھی۔“

چنانچہ بحث میں آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔

فوائد و مسائل:

☆ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقات ممکن ہے جنت میں ہوئی، ممکن ہے عالم ارواح میں۔ واللہ اعلم۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد حضرت آدم علیہ السلام کو یہ طعنہ دینا نہیں کہ انہوں نے غلطی کیوں کی کیونکہ وہ غلطی اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی تھی۔

☆ ارشاد ربانی ہے: پھر انہیں ان کے رب نے نوازا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی رہنمائی کی۔“ (طٰہٰ: ۱۴۲)

ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی وجہ سے تمام انسانوں کو دنیا کی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے جواب میں وضاحت فرمادی کہ یہ مصائب تو پہلے ہی تقدیر میں لکھے جاچکے تھے اور ان کا فیصلہ بہت پہلے ہوچکا تھا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: ”آدم علیہ السلام غالب آگئے۔“ یہ تکرار تاکید کے لیے تھی تاکہ بخوبی علم ہوجائے کہ آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا وہ تقدیر الٰہی اور مشیت الٰہی کا اجرا تھا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

”بدترین دوست وہ ہے جس سے تجھے معذرت اور تکلف کرنے کی ضرورت پڑے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا

☆ جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

☆ کفر بدترین شے ہے، اس کے بعد ایک تیز زبان اور بدخلق بیوی سے بدتر کوئی شے نہیں۔

☆ ایمان بہترین شے ہے۔ اس کے بعد ایک خوش خلق، محبت کرنے والی بیوی سے بہتر کوئی شے نہیں۔

تاریخی جملہ

ٹرومین امریکہ میں نائب صدر کے عہدے پر فائز تھا۔ روزویلٹ کی اچانک وفات کے بعد وہ صدر کا منصب سنبھالنے جارہا تھا۔ تو اسپیکر رے برن نے ٹرومین کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو ہیری ! اب بہت سے لوگ تمہیں بتائیں گے کہ تم اس ملک کے ذہین ترین فرد ہو لیکن میں اور تم دونوں جانتے ہیں کہ تم ایسے نہیں ہو، اس لیے محتاط رہنا۔''

خلاف سنت

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیرؒ علیہ کہتے ہیں میں اپنے والد عبداللہ بن زبیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔

انہوں نے پوچھا۔ ''تم کہاں تھے؟''

میں نے کہا'' مجھے کچھ لوگ ملے تھے۔ میں نے ان سے بہتر آدمی نہیں دیکھے۔ وہ لوگ اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک آدمی کانپنے لگا اور تھوڑی دیر میں اللہ کے ڈر سے بے ہوش ہو گیا۔ اس لیے میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔''

عبداللہ بن زبیر نے کہا۔ ''آج کے بعد ان کے ساتھ کبھی نہ بیٹھنا۔''

عامر بن عبداللہ کہتے ہیں جب میرے والد نے دیکھا کہ میں نے ان کی بات کا زیادہ اثر نہیں لیا تو فرمایا۔

''میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان حضرات پر تو ایسی حالت طاری نہیں ہوتی تھی تو تمہارا کیا خیال ہے یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔''

عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں۔

اس پر مجھے ان کی بات سمجھ میں آ گئی کہ بات یوں ہی ہے اور میں نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔

علم کا احترام

امام شریک خلیفہ مہدی کے لڑکوں کے استاد تھے۔ خلیفہ مہدی کا ایک لڑکا آیا۔ اس نے کھڑے کھڑے کوئی حدیث پوچھی لیکن حضرت شریک نے توجہ بھی نہ کی۔ اس نے پھر پوچھا۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔

لڑکے نے خفا ہو کر کہا۔ ''کیا آپ شہزادوں کی تحقیر کرتے ہیں؟''

امام شریک نے فرمایا۔ ''اہل علم کے نزدیک شہزادوں کی نسبت اہل علم کی زیادہ قدر ہے وہ اس قدر کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتے۔''

یہ سن کر شہزادہ دو زانو ہو کر بیٹھا اور امام شریک نے علمی باتوں کا جواب دیا۔

عفو و درگزر

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے فرمایا۔ ''میں نے تیرا درجہ اور نام اس بنا پر بلند کیا کہ تو نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا۔''

سنہرے موتی

''شادی سے پہلے میرے پاس بچوں کی پرورش کے بارے میں چھ نظریات تھے لیکن اب میرے چھ بچے ہیں اور میرے پاس ان کے لیے ایک نظریہ نہیں۔'' (ژاں جیک روسو)

☆ انسانی دماغ کے خلاف سب سے گہرا گناہ بغیر ثبوت کے چیزوں پر یقین کرنا ہے۔ (الڈوس ہکسلے)

☆ جس آدمی کو اس کا عیب نہیں بتایا جاتا، وہ سمجھتا ہے کہ اس کی غلطی ایک ہنر ہے۔ (سعدی شیراز ی)

☆ جو حقیقی مصائب کا شکار ہوتے ہیں وہ ایک گروہ نہیں بناتے جو دکھ اٹھاتا ہے وہ اکیلا ہی سہتا ہے۔ (فرینڈ وپسو)

☆ کسی شخص کو عقل کی تعلیم دینا لیکن اخلاقیات کی تعلیم نہ دینا معاشرے کے لیے خطرے کی تعلیم دینا ہے۔ (تھیوڈور روز ویلٹ)

☆ ہمیں اپنی زندگی میں کچھ پاگل پن چاہیے۔ ہوش والی زندگی بوریت ہے۔ (نطشے)

☆☆

اِس ماہ کی مسکراہٹیں

باعث شرمندگی

بیوی شوہر سے "آپ اپنے دوست کی بیوی کے جنازے میں کیوں نہیں جارہے؟"

شوہر "مجھے جاتے ہوئے شرم آرہی ہے۔"

"بیوی ارے شرم کیوں آرہی ہے؟"

شوہر: "وہ مجھے اپنی چوتھی بیوی کے جنازے میں بلارہا ہے اور میں آج تک اسے ایک بار بھی نہیں بلاسکا۔"

حل

ایک خاتون ڈاکٹر کے پاس گئیں اور اپنے شوہر کے متعلق پوچھا۔

خاتون: "ڈاکٹر صاحب! "میرے شوہر نیند میں باتیں کرنے لگے ہیں۔ کیا کروں؟"

ڈاکٹر: "انہیں دن میں بولنے کا موقع دیجیے۔"

خوبی

ایک صاحب دوسرے صاحب کو اپنی باتوں سے بہت دیر سے پکار رہے تھے کہ "زندہ دلی بہت بڑی خوبی ہے اور گنگنانا زندہ دلی کی علامت ہے مجھے وہ لوگ بہت پسند ہیں جو اپنے کام کے دوران گنگناتے رہتے ہیں۔"

دوسرے صاحب چڑ کر بولے "پھر تو آپ کو مچھر بھی پسند ہوں گے۔"

گارنٹی

ایک ڈاکٹر صاحب کا ٹی وی خراب ہوگیا انہوں نے مکینک کو گھر بلا کر چیک کروایا۔ مکینک نے چیک کرنے کے بعد اجرت ہزار روپے بتائی اور کہا کہ اگر کوئی پرزہ خراب ہوا تو وہ آپ منگوائیں گے۔"

ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھئی تم تو ہم سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے میں تو مریضوں کے معائنے کی فیس صرف پانچ سو لیتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب!" مکینک بھی مسکراتے ہوئے بولا۔ "مگر ہم میں اور آپ میں فرق یہ ہے کہ ہم گارنٹی بھی دیتے ہیں۔"

خرچہ

میاں بیوی میں لڑائی ہورہی تھی بیوی نے شوہر سے کہا۔

"میں اگر تمہارے راستے کی دیوار ہوں تو اسے گرا کیوں نہیں دیتے ہو؟"

شوہر بولا: جی تو بہت چاہتا ہے مگر دوسری دیوار بنانے میں خرچہ بہت آئے گا یہ سوچ کر رک جاتا ہوں۔"

جھوٹ

ایک نوجوان ملک بھر میں جھوٹ بولنے کے لیے بہت مشہور تھا کسی شہر میں آیا تو اس کی شہرت کا سن کر ایک ساٹھ سالہ عورت اس سے ملنے گئی اور بولی۔

"کیا تم وہی ہو جس سے بڑا جھوٹا کوئی اور نہیں ہے؟" نوجوان بولا: محترمہ یہ سب چھوڑیے میں تو آپ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا ہوں، کمال ہے یہ عمر اور اس پہ یہ حسن، یہ جمال یہ کشش جواب نہیں آپ کا۔"

وہ عورت شرما کر بولی "اف لوگ کتنے جھوٹے ہیں جو ایک اچھے خاصے نوجوان کو جھوٹا کہہ دیتے ہیں۔"

☆☆

pklibrary.com

ملتا کسی سے کیوں میرے دل کا معاملہ

لائبہ امین ———— آزاد کشمیر

میں کہیں خود کو مار آیا ہوں
میرے ذمے قصاص ہے میرا

فاکہہ سہیل ———— کراچی

جھگڑا تھا سال بھر کا جو پل بھر میں نمٹ گیا
میں رو پڑی تو اس نے گلے سے لگا لیا

ثمرہ عاقب ———— گرین سٹی

گمان جس پہ رہا منزلوں کا ایک مدت
وہ رہ گزار بھی منزل پہ لا کے بھول گیا
اب اس سے بڑھ کے بھی دل فگی دل کیا ہو
کہ مجھ کو زیست کا حاصل بنا کے بھول گیا

اریبہ، منیبہ ———— کراچی

جن کے لیے چراغ سر شام جل گئے
دنیا کے ساتھ وہ بھی نگاہیں بدل گئے

ندا طارق ———— فیصل آباد

روز مل کے بھی کم نہیں ہوتا
دل میں وہ فاصلہ ہے برسوں سے
کس پتے پر اسے تلاش کروں
شخص اک کھو گیا ہے برسوں سے

سحر سہیل ———— کراچی

تیری شرطوں پہ ہی کرنا ہے اگر تجھ کو قبول
یہ سہولت تو مجھے سارا جہاں دیتا ہے

اقرا انس سندھو ———— گوجرہ

اک طرف طلب تیری، اک طرف زمانہ ہے
پوچھتا ہے دل مجھ سے کس طرف کو جانا ہے
آتشیں ہے لہجہ بھی، گفتگو بھی بارودی
سوچیے شفیق، اس سے کس طرح نبھانا ہے

عائشہ ———— محراب پور

آشنا درد سے ہونا تھا کسی طور ہمیں
تو نہ ملتا تو کسی اور سے بچھڑے ہوتے

صدف عمران ———— اسلام آباد

میں بار غم اٹھا سکتی ہوں تنہا
میرے شانے پہ رکھ دے ہاتھ کوئی

آسیہ جاوید ———— علی پور چٹھہ

محبت میں ذرا سی بے وفائی ضروری ہے
وہی اچھا لگتا ہے جو وعدے توڑ دیتا ہے

سعدیہ خان ———— کوئٹہ

پہلے شکوہ تھا یہاں رونق بازار نہیں
اب جو بازار کھلے ہیں تو خریدار نہیں
سب کے ہاتھوں میں یہاں زہر کا پیالہ ہے مگر
کوئی سچ بولنے کے واسطے تیار ہی نہیں

تحریم فاطمہ ———— خان پور

یہاں برسے گی اب کرنوں کی بارش
کہ بادل آسمان سے چھٹ گیا ہے
بہت دشوار تھا منزل کا رستہ
خدا کا شکر، لیکن کٹ گیا ہے

حبیبہ خان ———— کراچی

امروز کا پردہ ہو، ماضی ہو کہ فردا ہو
اک بھید انوکھا ہے، اک راز یہ گہرا ہے

نشاء اویس ———— کراچی

مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
تو ہے موجود اس قدر مجھ میں

صائمہ شہزاد ———— حیدرآباد

نرم الفاظ، بھلی باتیں، مہذب لہجے
پہلی بارش ہی میں یہ رنگ اتر جاتے ہیں

نادیہ یاسر ———— گوجر خان

فضا ہے معطر ہوا ہے خنک
یقیناً یہ رستہ تیرے گھر کا ہے

امت الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

باوصف

مسلمانوں نے مدائن فتح کیا تو اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے آتش کدہ نوبہار سرد کرنے کے لیے ایک فوجی دستہ بھیجا، روایت تھی کہ یہ آتش کدہ زرتشت کے زمانے سے مسلسل فروزاں چلا آ رہا ہے، فوجی دستے نے آتش کدے کے مرکزی دروازے پر زرتشت کا یہ قول دیکھا۔

"بادشاہ کے دربار میں اسی کو حاضری دینی چاہیے، جس کے پاس علم، حوصلہ اور دولت ہو۔" فوجی دستے میں ایک بدو بھی تھا، اس نے زرتشت کے قول کے نیچے کوئلے سے یہ لکھ دیا کہ۔

"جس کے پاس ان تینوں میں سے ایک وصف بھی ہو، اسے بادشاہ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

دانشمندی

عباسی خلیفہ معتضد باللہ اپنے لشکر سمیت کسی مہم پر جا رہا تھا، راستہ میں ایک گاؤں پڑا، جس میں ککڑی کے کھیت تھے، معتضد کے سپاہیوں نے ککڑیاں توڑ لیں، کھیت کے مالک نے شور مچایا۔ معتضد کو خبر ہوئی تو اس نے اس کو بلا کر پوچھا کہ

"تم ککڑی توڑنے والے کو پہچانتے ہو؟"

اس نے اثبات میں جواب دیا، معتضد نے کہا۔

"ان کو پہچان کر بتاؤ۔" اس نے تین آدمیوں کو پہچانا، خلیفہ نے ان کو قید کرا دیا۔

صبح لوگوں نے تین لاشیں پھانسی پر لٹکتی دیکھیں۔ اس پر بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں کہ ایک معمولی جرم میں پھانسی پر لٹکا دینا بڑی زیادتی ہے۔

ایک شخص نے دبی زبان سے ڈرتے ڈرتے معتضد سے اس کے متعلق بات کی، خلیفہ نے کہا۔

"ککڑی کے چوروں کو پھانسی نہیں دی گئی ہے، وہ قید میں ہیں، تین قاتل، جن پر قصاص واجب تھا، قید تھے، میں نے راتوں رات آدمی بھیج کر ان کو قید خانہ سے منگوا کر پھانسی دلوائی ہے اور فوجی سپاہیوں کو ڈرانے کے لیے مشہور کر دیا کہ چوروں کو پھانسی دی گئی ہے تا کہ ان کو رعایا کے مال پر دست درازی اور ان پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہو۔"

عمر بن عبدالعزیزؒ

پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کاروبار مملکت سے فارغ ہو کر حسب معمول اپنی بیٹیوں کی خیریت معلوم کرنے تشریف لے گئے، والد کی آہٹ پا کر بیٹیاں خیر مقدم کے لیے دروازے تک آئیں، ان کے چہروں کی زردی باپ کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی لیکن یہ ضرور اچنبھا تھا کہ انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے؟" حضرت عمرؒ نے پوچھا، لڑکیاں کچھ نہ بولیں، انا نے جواب دیا۔

"آج ان بچیوں نے صرف پیاز اور مسور کی دال سے پیٹ بھرا ہے، گھر میں کھانے کو اور کچھ نہ تھا۔ پیاز کی بو چھپانے کے لیے یہ منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔"

شفیق باپ کو معصوم بچیوں کا یہ ایثار نفس تڑپائے بغیر نہ رہ سکا، خلیفہ وقت کی آنکھیں نم ہو گئیں اور دل بھر آیا انہوں نے کہا۔

"اے میری بیٹیو! یہ کچھ مشکل نہیں کہ تمہارا دسترخوان انواع واقسام کے لذیذ کھانوں سے بھر دیا جائے مگر کیا تم پسند کرو گی کہ اس کے بدلے تمہارا باپ دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے؟"

باپ کا یہ کہنا صاحبزادیوں کے ضبط کا بند توڑ گیا، آنکھیں اشکوں سے تر ہو گئیں، یہ گریہ غم نہیں تھا، اس میں شکایت کی تلخی بھی نہیں تھی، یہ تو خاموش جواب تھا پدر بزرگوار کے سوال کا، ہر آنسو پکار رہا تھا۔

"نہیں ہمیں وہ راحتیں درکار نہیں، جن کے عوض ہمارا باپ دوزخ میں ڈالا جائے۔"

pklibrary.com

بقیہ خط آپ کے

ہم کو یاد کیا، ہماری محفل کو رونق بخشی، بہت خوشی ہوئی۔

آپ کی ناراضی بجا لیکن آپ تو ہماری مجبوری جانتی ہی ہیں خیر سارے گلے شکوے بھول جائیں اس بار آپ کا خط اور سروے بنا ایڈٹ کیے شامل ہیں۔

جس طرح آپ گھر اور بچوں کو سنبھال رہی ہیں آپ کی ہمت کی داد دینا تو بنتی ہے۔ کم از کم ہم نے ایسی تعاون کرنے والی ساس نہیں دیکھی ہم نے تو یہی دیکھا ہے۔ بہو جاب کرتی ہے تو اس کے میکے والے بچے سنبھالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مند اور خوش وخرم رکھے۔ آمین

مسز قیصر نے لاہور سے لکھا ہے

غالباً 1984/85 سے آپ کے دونوں شماروں کی قاری ہوں اس وقت اسکول میں چھٹی یا ساتویں کی اسٹوڈنٹ تھی، گھر میں بڑی بہنیں پڑھتی تھیں انہیں دیکھ کے شوق ہوا۔

کئی دفعہ سوچا کہ آپ لوگوں کی تعریف کروں، کبھی مصروفیت تو کبھی سستی آڑے آجاتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ لوگ بہت محنت کرتے ہیں۔ پرچوں کو ترتیب دینے میں اور ہمیں معیاری تفریح مہیا کرنے میں۔ اب بھی میل کرنے کی وجہ ایک دو چیزیں ہیں۔ عرصے سے مصالحے کو مسالہ لکھا جا رہا ہے اور شاید کسی قاری نے نوٹس نہیں کیا اور اس بار نومبر کے شمارے میں صدف یا صدف ناصر کا افسانہ لگا ہے جس میں اسماء کو عاصمہ لکھا گیا ہے۔ شازیہ الطاف ہاشمی کے افسانے پڑھتے تو ہیں لیکن آدھے سمجھ میں آتے ہیں کہیں سے کہیں نکل جاتی ہیں۔ کوئی ربط نہیں ہوتا کہانی میں۔ اب صدف کی کہانی پڑھ کر یہی لگ رہا تھا۔

بہت سی رائٹرز ایسی ہیں جن کے قلم میں پہلے افسانے کہانی سے پختگی جھلکتی تھی۔

مسز قیصر! ہم آپ سے متفق ہیں۔ کچھ رائٹرز واقعی ایسی تھیں اور اب بھی ہیں جن کی پہلی تحریر نے ہی اپنی جگہ بنالی۔

بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو غلط ہوتے ہیں لیکن عوام میں پر رائج ہو جاتے ہیں۔ انہیں غلط العام کہا جاتا ہے صحیح لفظ مسالہ ہی ہے مصالحہ نہیں۔

عنبر طاہر نے ساہیوال سے لکھا ہے۔

پچھلے سال جب خواتین ڈائجسٹ میں دو بار خط چھپے تو عینا عمر والی کیفیت تھی پھر پچھلے سال یکم نومبر کو بھانجی صرف ڈیڑھ ماہ بیمار رہ کر بلڈ کینسر سے دنیا چھوڑ کر چلی گئی۔ دو یا تین سال پہلے ناتا جوڑا بھیجا تھا اب تو یاد بھی نہیں تھا کہ چھپ گیا بہت شکریہ۔ نند کا فون آیا کہ آپ کا شعاع میں چھپا ہے میں حیران شام کو رسالہ لے کر آئی تو بے حد خوشی ہوئی۔

پہلی شعاع میں افسوسناک واقعہ پڑھا۔ مکمل ناول تو ابھی پڑھے نہیں۔ کروشیے کا آن لائن کام کرتی ہوں حمیرا عروش بہت ہی زبردست۔ دانیہ سمیع کی رس ملائی میں اپنی جھلک نظر آئی۔ میں بھی رومیصہ کی ساس کی طرح بہت پیٹو ہوں اور کھاتے پیتے پتلے ہونے کا شوق ہے۔ (میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں) زینب نور کی محبت زدہ میں محبت جیت گئی اصل میں انا والے سب جھکتے ہیں۔ نگہت سیما کا ماء السلوک زبردست جا رہا ہے آہستہ آہستہ راز کھل رہے ہیں۔ نظمیں منزلیں پڑھ کر ایک ہی خواہش کہ اگلے ماہ میرا نام بھی اس صفحہ پہ ہو جیسے اس بار گلزار کا تیرا نام۔ ہاہاہا۔ واصفہ سہیل کے موسم کے پکوان کا صرف عنوان پڑھا کہ کھانے پکانے سے تا حال کوئی دلچسپی نہیں ہوئی حالانکہ 19 سال ہو گئے پکاتے۔ رسالے میں جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے والے صفحے کوئی 20 بار پڑھا ہاہاہا۔

پیاری عنبر! تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔ آپ کی تحریریں کافی عرصہ پہلے پڑھی تھیں۔ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے تحریروں میں ناپختگی محسوس ہوئی۔ نظم کے لیے معذرت۔

pklibrary.com

میشے علی خان نے خانیوال سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

پہلی شعاع پڑھ کر دل دکھ سے لبریز ہوگیا، حد ہوتی ہے ظلم اور سفاکی کی۔ کرن کرن روشنی سے ایمان منور ہوا۔ سب سے پہلے اپنا موسٹ فیورٹ ماء الملوک پڑھا۔ جتنا انتظار تھا کہ زیب النساء کے بیٹے کے بارے میں جاننے کا پڑھ کر اتنا ہی دکھ ہوا میں تو ابھی تک زیب النساء کے ماموں کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی کہ شہزادہ بھی لاپتا ہوگیا۔ خدارا شہزادے کو تو ملا دیں۔ اس کے والد اور ددھیال سے۔ اور پلیز زل کے ساتھ کچھ برامت کیجیے گا۔ مجھے لگتا ہے، آزین کی والدہ نے جس سے دوسری شادی کی ہے، وہ شاید سمیرا کے والد ہیں اور اسی کا بدلہ لینے کے لیے وہ زل اور آزین کا رشتہ خراب کر رہی ہے۔

"اے عشق ازل گیر" بلاشبہ اچھوتا موضوع اور بہترین کہانی۔ جہاں اشعل کے کردار کی مضبوطی بہت پسند آئی وہیں تاباں کے کردار نے یہ باور کروادیا کہ ماں صرف جنم دینے سے نہیں بنتی۔ بہت مبارک آسیہ رئیس خان خدا کرے زور قلم اور زیادہ "چونکہ ہم ٹھہرے" جو فہرست میں کہیں نہیں تھا پسند آیا۔ پر آخر میں یوں لگا جیسے بہت عجلت میں سمیٹ دیا گیا۔

شہر لے چراغ پڑھ کر بنت آدم کی قسمت پر رونا ہی آیا۔ مجھے حریم کی معاف نہ کرنے کی ادا پسند آئی۔ یہ کیا کہ ظالم ظلم کرتا رہے اور آخر میں معافی مانگ لے۔ ویل ڈن ثمین صداقت شکست فاتحانہ پڑھ کر بے اختیار بیٹیوں کے نیک نصیب کے لیے دعا نکلی۔ افسانوں میں ہوا کچھ یوں بہترین کاوش تھی۔ باقی رس ملائی + محبت زدہ بھی ٹھیک تھیں۔ اس ماہ کی مسکراہٹیں میں غلط فہمی پسند آیا۔ آخر میں مریم عزیز کو سلسلے وار ناول شروع کرنے پر مبارک باد۔

پیاری میشے! شعاع آپ کو پسند آیا۔ بہت شکریہ۔

نمرہ سیف شہر غازی گھاٹ سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

سرورق پہ ماڈل بلیک کلر میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی اور جیولری بھی سیم کلر کی پہنی ہوئی تھی۔ پہلی شعاع پڑھی۔ واقعی ڈسکہ میں زارا کے ساتھ بہت برا ہوا۔ حمد، نعت کے بعد خطوط آپ کے پر چھلانگ لگائی۔ شام کو امی کے گھر گئی تو شمارہ ساتھ لے گئی اور اپنا خط امی اور بہن کو دکھایا۔ امی کا گھر بالکل قریب ہے تین گھروں کا فاصلہ ہے خط تمام بہنوں کے اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن مجھے صدف ناصر اور رضوانہ وقاص کا خط بہت پسند آتا ہے۔ رضوانہ جی اللہ پاک آپ کو صحت ،تندرستی والی زندگی دے۔ (آمین)

دستک میں انعم تنویر اور ماورا حسین سے مل کر اچھا لگا۔

س ج کا تانا پسند آیا۔ چلوان بہن کو سسرال اچھا ملا۔ ماشاء اللہ میرا سسرال بھی بہت اچھا ہے۔ بڑی بہو ہوں گھر کی۔ اور اکلوتی بھی کیونکہ چھوٹے دیوروں کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔ سدرۃ المنتہیٰ سے ملاقات ٹھیک رہی۔ شعاع کے ساتھ ساتھ میں ہماری پیاری رضوانہ وقاص کا ساتھ تھا۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ پھر ہم بھاگتے ہوئے افسانوں کی طرف آئے۔ حمیرا نوشین کا افسانہ شکست فاتحانہ ایسی ہی اسٹوری پہلے بھی شعاع میں پڑھ رکھی ہے۔

حمیرا عروش نے پھر ہوا کچھ یہ کہ، اچھا لکھا دانیہ سمیع کا رس ملائی، مزے کا تھا۔ کافی عرصے بعد زینب نور نے انٹری دی ہے محبت زدہ اچھا لگا۔ اچھا افسانہ لکھنے پر زینب نور کو ہماری طرف سے مبارک باد۔ شکر ہے ولی حسین کو وقت پر عقل آ گئی۔

مکمل ناول میں ماء الملوک ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ تھا۔ نگہت سیما جی پچھلے کا ٹائم 2003 کا دکھا رہی ہیں ابھی کا نہیں اور اے عشق ازل گیر، میں آسیہ جی ہمیں اسٹوری فلمی سی لگی۔ ویسے ناول اچھا تھا۔ ناول دھوپ دریچہ، مریم عزیز کی تحریر لاجواب تھی۔ جب بھی لکھتی ہیں بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خوب صورت بنیے میں ہاتھوں کے بارے میں بتادیں سردی میں کام کرنے کی وجہ سے میرے ہاتھ سخت

pklibrary.com

ہوجاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں۔ انگلیاں زیادہ پھٹ جاتی ہیں۔ پلیز ان کے بارے میں کچھ بتادیں۔

پیاری نمرہ! تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔ آپ کی فرمائش ضرور پوری کریں گے۔ آپ ناتا جوڑا ہے کہ سلسلے میں شرکت کریں اور ہماری قارئین کو اپنے سسرال والوں سے متعارف کرائیں۔

فریدہ مرتضیٰ نے حویلی لکھا سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

آپ کی نئی قاری ہوں ویسے تو کتب بینی کا شروع سے شوق تھا۔ کچھ کتابوں سے ہوا کچھ یوں کہ کچھ مجھ سے پڑھا گیا اور نہ کتابیں خریدی گئیں۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اسی اثنا میں اخبار دینے والا گلی میں آیا تو اس سے پوچھا کوئی کتاب یا کوئی خواتین ڈائجسٹ ہے، اس نے کہا صرف ایک شعاع ڈائجسٹ ہے میرے پاس، پھر ایسی عادت بنی کہ آج تیسرا ماہ ہوگیا مجھے انتظار رہتا ہے کہ شعاع کب آئے گا۔

اب آتے ہیں تبصرے کی طرف۔ سنی سنی سی داستان بردوا جنبیوں کا مل جانا خوش کن احساس تھا۔ عشق ازل گیر کے دوسرے حصے کا انتظار رہے گا تیرے بن گزارہ اسٹوری اچھی تھی لیکن اس کا ٹائٹل کچھ اور ہونا چاہیے تھا ٹائٹل کے ساتھ میچ نہیں لگی۔ افسانے بھی سب ہی اچھے تھے خوش قسمتی تھی کہ چاند جیسی روٹی پہ ہی دل آ گیا ورنہ...... یہ کہانی پھر سہی۔ خالی ہاتھ بہت سے لوگوں کا مسئلہ ہے۔ عزت راس نہیں آتی۔ نایاب لوگ واقعی نایاب ہو گئے ہیں۔ جب میری پہلی کہانی چھپی تو" پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میرا پہلا خط چھاپ کر مجھے بھی خوش ہونے کا موقع دے دیں۔

پیاری فریدہ! ہم آپ کا پہلا خط شائع کر رہے ہیں لیکن آپ اسے آخری خط نہ سمجھیں ہر ماہ باقاعدگی سے خط لکھتی رہیں۔ یہ محفل ہم آپ کے خطوں سے سجاتے ہیں اور اس محفل کی رونق آپ کی خوب صورت باتوں اور بہترین تبصروں سے ہی ہے۔ ایک بات بتائیں جب آپ کی پہلی ہی کہانی شائع ہوگئی تو آپ نے کہانی لکھنا کیوں چھوڑ دیا۔؟

زرینہ خانم لغاری...... مظفر گڑھ سے لکھتی ہیں

دسمبر کا شمارا ملا خوب صورت کڑھائی والے کپڑے اور خوب صورت زیور پہنے آنکھوں میں اداسی لیے پیاری سی لڑکی کھڑی تھی۔

پہلی شعاع میں زارا قتل کیس کی بابت افسوس کا اظہار کیا گیا سوچا جائے دنیا میں کیسے کیسے ظلم ہو رہے اپنی بہو سے اتنا حسد، اتنی جلن، سگی بھانجی کو قتل کر دیا کیسے سفاک لوگ دنیا میں ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ سے ملاقات خوب رہی، انعم تنویر اور ماورا حسین کی دستک پر دروازہ کھولا پھر خط آپ کے کی محفل میں گھس گئے اپنا خط نہ بھی ہو پھر بھی بہنوں کے خط پڑھنے کا بھی ایک مزہ ہے۔ رضوانہ وقاص کو شعاع کے ساتھ ساتھ دیکھا پڑھا۔ مسکراہٹیں میں خیر نے ہونٹوں پر ہنسی دوڑا دی تاریخ کے جھروکے بھی لاجواب تھے۔ موسم کے پکوان میں گاجر کا کسٹرڈ مزہ دے گیا، ماء الملوک میں زل بچاری کس ظالم کے چنگل میں پھنس گئی ہے، نگہت سیما پلیز زل کے ساتھ کچھ برا نہ کریں۔ اختر بانو کے گھر ڈھولکی رکھی جا چکی ہے رنگ میں بھنگ نہ ڈالیں شہزادہ بچارا بھی ظالموں کے ہاتھ آ گیا۔ اس کا بھی سراغ لگا میں پچھلی دفعہ آپ نے میرا سروے نہیں لگایا تھا مہربانی کر کے اس دفعہ ضرور میرے سروے کو جگہ دیں۔

ج: پیاری زرینہ! آپ کا سروے مل گیا ہے اور ہم لگا بھی رہے ہیں۔ بہت شکریہ آپ تو ہماری محفل کی رونق ہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی تحریریں شائع نہ ہوں۔ معذرت خواہ ہیں آپ کا سلسلہ ناتا جوڑا ہے تلاش کے باوجود ہمیں نہیں ملا۔ اگر آپ کے پاس نقل ہے تو بھجوا دیں یا دوبارہ لکھ دیں۔ تفصیلی تبصرہ کے لیے شکریہ۔

ناتا جوڑا ہے کے لیے ایک بار پھر معذرت۔

pklibrary.com

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

من چاؤ سوپ

اجزاء:

چکن کی یخنی	آٹھ کپ
تیل	دو کھانے کے چمچے
کٹی گاجر	آدھا کپ
باریک کٹی فرنچ بینز	آٹھ عدد
کٹی گوبھی	ایک کپ
پھینٹا ہوا انڈا	ایک عدد
کارن فلور	آدھا کپ
کٹی ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
کٹا لہسن	ایک چائے کا چمچہ
چکن بریسٹ	ایک عدد
نمک	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
سویا سوس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سوئٹ چلی سوس	چار کھانے کے چمچے

ترکیب:

گرم تیل میں ادرک لہسن اور چکن کو پانچ منٹ فرائی کریں۔ اب تمام سبزیاں، یخنی اور مسالے شامل کر کے ابالیں۔ پھر کارن فلور کا پیسٹ شامل کر کے پھینٹا ہوا انڈا ڈالیں اور سرو کریں۔

چکن کارن سوپ

اجزاء:

چکن بریسٹ	ایک کپ
چکن یخنی	آٹھ کپ
بھٹہ	ایک عدد
نمک	چوتھائی چمچہ
سفید مرچ	آدھا چمچہ
انڈا	ایک عدد
کارن فلور	آدھا کپ

ترکیب:

ایک برتن میں یخنی کو گرم کرلیں۔ اب اس میں چکن، نمک، سفید مرچ ڈال کر چکن کے گلنے تک پکائیں۔ کارن فلور کو تھوڑے سے پانی میں گھولیں اور سوپ میں شامل کر دیں۔ چمچہ چلاتے رہیں یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے۔ بھٹے کے دانے نکال کر ابال لیں اس میں شامل کر دیں۔

آخر میں پھینٹا ہوا انڈا ڈال کر دو منٹ کے لیے پکائیں اور چولہا بند کر دیں۔

مکھانے کا حلوہ

ضروری اشیاء:

مکھانے	دو کھانے کے چمچے
سوجی	ایک پاؤ
گھی	ایک پاؤ
کھویا	آدھا پاؤ
دودھ	تین پاؤ
الائچی	چار عدد
چینی	ڈیڑھ کپ
کیوڑہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

مکھانے ایک چمچہ گھی میں بھون کر الگ کرلیں۔ ایک پاؤ سوجی کو دو گھنٹے پہلے تین پاؤ دودھ میں بھگو دیں۔ گھی گرم کر کے اس میں سوجی کو بھون لیں گھی اور پر آ جائے تو چینی ڈال کر خوب بھونیں۔ الائچی اور کیوڑا ڈال کر چند منٹ بھونیں۔ اور چولہا بند کر دیں۔ کھویا ڈال کر چمچہ چلائیں مکھانے شامل کر دیں۔ اور میدہ چھڑک کر پیش کریں۔

☆☆

pklibrary.com

ادارہ

خوبصورت بنیے

حسن و خوب صورتی کے لیے مساج

چہرے پر مساج کرنے سے جلد خشکی سے محفوظ رہتی ہے۔ اگر باقاعدگی سے مساج کیا جائے تو نا صرف حلقے اور جھریاں ختم ہوتی ہیں بلکہ جلد کی لچک اور رنگت میں بھی بہتری آتی ہے۔ علاوہ ازیں مساج ذہنی و جسمانی تھکاوٹ کو دور بھی کرتا ہے۔ لیکن اس سے بہترین نتائج اسی صورت میں حاصل ہوتے ہیں جب یہ بالکل صحیح طریقے سے کیا گیا ہو۔ مساج کرنے سے قبل اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ آپ کے چہرے پر کسی قسم کا انفیکشن، سوجن یا زخم موجود نہ ہو۔ یہ ہر جلد کے لیے الگ ہوتا ہے۔ ذیل میں آپ کو چند مساج کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ ان پر عمل کر کے آپ بھی جلد کو خوب صورت بنا سکتی ہیں۔

☆ خشک جلد کی حامل خواتین چہرے پر بالائی سے مساج کریں۔ کوشش کریں کہ بالائی کو ٹھنڈا کر کے استعمال کریں یہ چہرے کے داغ دھبے دور کرتی ہے۔

☆ شہد میں بالائی ملا کر رات کو سوتے وقت لگائیں۔ کچھ دیر کے بعد ہلکا سا مساج کر کے اتار لیں۔ اس سے نا صرف رنگت میں نکھار آئے گا بلکہ دانوں اور داغ دھبوں میں بھی فرق پڑے گا۔

☆ ایک انڈے کی سفیدی اور ایک کھانے کا چمچہ شہد مکس کر کے چہرے اور گردن کا آہستہ آہستہ مساج کریں۔ اس سے آپ کی جلد میں چمک آجائے گی۔

☆ دودھ میں عرق لیموں ملا کر صبح و شام چہرے پر مساج کرنے سے چہرے کی رنگت نکھرتی ہے۔

☆ چند قطرے عرق گلاب کے ہتھیلی پر لگا کر چہرے پر مساج کریں۔

☆ ایک کھانے کا چمچہ روغن بادام میں آدھا لیموں کا رس ملا کر روزانہ ہاتھوں اور چہرے کا مساج کریں۔ اس سے جلد ملائم ہو جائے گی۔

☆ انڈے کی زردی شہد اور روغن بادام ملا کر مکسچر بنا لیں۔ اس سے ہاتھوں اور چہرے کا مساج کریں۔ اس سے جلد چمک دار ہو جائے گی۔

☆ ایک چمچہ دہی اور ایک چمچہ چینی برابر مقدار میں لے کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ اس سے چہرے کا مساج کریں اور پانچ منٹ بعد نیم گرم پانی سے چہرے کو دھو لیں۔

☆ زیتون کا تیل ہلکا سا گرم کر کے ہلکے ہاتھوں سے چہرے پر مساج کریں۔

☆ نیم گرم روغن بادام میں چند قطرے عرق گلاب ملا کر چہرے پر ہلکے ہاتھوں سے مساج کریں۔ یہ عمل پانچ منٹ تک جاری رکھیں۔ اس سے چہرے پر نمودار ہونے والی جھریاں ختم ہو جائیں گی۔

☆ بالائی میں تھوڑی سی ہلدی ملا کر چہرے کا مساج کریں۔ اس سے نہ صرف جلد کی خشکی ختم ہو جائے گی بلکہ رنگت میں بھی نکھار آئے گا۔

☆ پسے بادام میں خشخاش اور عرق گلاب ملا کر چہرے پر لگائیں پھر نیم گرم پانی سے منہ دھو کر عرق گلاب لگا لیں۔ اس سے چہرے پر رونق آجائے گی۔

☆ بیسن میں تھوڑا سا سرسوں کا تیل ملا کر آہستہ آہستہ چہرے پر ملیں۔ یہ چہرے پر نمودار دانوں کے لیے مفید ہے۔

☆ گلیسرین میں لیموں کا رس ملا کر روزانہ چہرے پر مساج کریں۔ اس سے نا صرف رنگت میں نکھار آئے گا بلکہ کیل مہاسوں کے لیے بھی بہترین ہے۔

☆ پانی میں سرکہ ملا کر مساج کریں اس کے استعمال سے چہرے پر شادابی اور چمک آجائے گی۔

☆☆

pklibrary.com